ماہنامہ

# تجلی

دیوبند

## تاریکیوں میں ایک چراغ

ایڈیٹر:- عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

سالانہ:- سات روپے / ۱۰ شلنگ

۶۲ نئے پیسے
دس آنے

ایک روپیہ

CLOTH

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے

**حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کی مشہور و معروف تفسیر**

# مکمل تفسیر بیان القرآن عکسی اردو

## اصل نسخہ مطبوعہ تھانہ بھون سے فوٹو آفسیٹ کے ذریعے

## مثالی خوبیوں کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے

تقریباً چالیس سال سے یہ تفسیر بیشتر مقامات سے بلا بار شائع ہو چکی اور ہو رہی ہے لیکن جس حسن انتظام اور خوبیوں کے ساتھ حضرت تھانویؒ نے اپنی نگرانی میں "تھانہ بھون" سے شائع کرائی تھی آج تک کوئی دوسرا مطبع شائع نہیں کر سکا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اب ادارہ تفسیر دیوبند نے تھانہ بھون کے مطبوعہ ۱۳۵۲ھ نسخے کا فوٹو لیکر نہایت موزوں سائز پر ماہانہ پروگرام کی شکل میں طبع کرنے کا اہتمام کیا ہے!

## طریق اشاعت

۱۔ اس اشاعتی پروگرام میں شریک ہونے کے لئے صرف ایک روپیہ "فیس ممبری" ارسال کر کے اپنا نام درجہ خریداروں کے رجسٹر میں درج کرالیں۔

۲۔ قیمت فی جلد تین روپے (۳/-) محصولڈاک ایک روپیہ۔

۳۔ ممبران کو ہر ماہ ایک جلد صرف تین روپے میں بذریعہ وی پی ارسال کی جائیگی محصولڈاک معاف ہوگا۔

۴۔ مکمل تفسیر ۲۴ جلدوں میں تیار ہوگی، ہر ایک جلد میں تقریباً سوا پارہ کی تفسیر ہوگی۔

۵۔ پانچ احباب ملکر ایک پتہ پر پانچ جلدیں طلب کرینگے تو صرف بارہ روپے میں پیش کی جائیں گی۔

۶۔ ایجنٹ حضرات اور تاجران کتب کو معقول کمیشن دیا جائے گا معاملات خط و کتابت سے طے فرمالیں۔

تعاون کا طالب: منیجر

**ادارہ تفسیر دیوبند (یوپی)**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ماہنامہ تجلی دیوبند


شمارہ ۳ و ۲ — جلد ۱۴

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت سات روپے۔ فی پرچہ ۶۲ نئے پیسے

اس پرچہ کی قیمت ایک روپیہ

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۸ شلنگ برٹش پوسٹل آرڈر
(پوسٹل آرڈر پر کچھ نہ لکھئے بالکل سادہ بھیجئے)


## اشتہری

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی سات روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

**پاکستانی حضرات:** ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر اور اپنا نام و مکمل پتہ ہمیں بھیجدیں سالہ جاری کردیا جائیگا۔

## فہرست مضامین مطابق ماہ اپریل و مئی ۱۹۶۲ء


| | | |
|---|---|---|
| ۱ | آغازِ سخن — عامر عثمانی | ۴ |
| ۲ | شذرے — عامر عثمانی | ۸ |
| ۳ | تفہیم الحدیث — عامر عثمانی | ۱۳ |
| ۴ | تجلی کی ڈاک — عامر عثمانی | ۱۹ |
| ۵ | کیا ہم مسلمان ہیں؟ — شمس نوید عثمانی | ۴۹ |
| ۶ | جب اسلام کار فرما تھا — مولانا عبد الرؤف رحمانی | ۵۸ |
| ۷ | مسجد سے میخانے تک — ملّا ابن العرب مکی | ۶۷ |
| ۸ | کھرے کھوٹے — عامر عثمانی | ۷۵ |
| ۹ | رسائل و مسائل — مولانا ابو الاعلیٰ مودودی | ۱۱۰ |
| ۱۰ | باب الصحت — بیگم عظیم زبیری | ۱۱۴ |



مدیر: عامر عثمانی فاضل دیوبند

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ: دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

پاکستانی حضرات: مکتبہ عثمانیہ ۲۸ بینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)



عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند" سے چھپواکر دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

# آغازِ سخن

## قَلِيلاً مَّا تَشْكُرُونَ

یہ آدمی۔ یہ ناشکرا اور خیرہ سر آدمی جو زمین کے سینے پر اس طرح دندناتا ہے گویا اس کا توانا جسم، اس کے دل و دماغ، اس کی بے مثال صلاحیتیں اور اسکی روح خود اسی کے کمالِ تخلیق کا شاہکار ہوں۔ گویا زندگی اور اس کی بیکراں نعمتوں کا کوئی حساب اسے کہیں نہ دینا ہو۔ آخر اس کی حقیقت کیا ہے۔ ایک تنکہ، ایک حباب، ایک ذرۂ بے مقدار۔ خالقِ کائنات کی قدرت و اختیار کے مقابلے میں اس کے ضعف و بے اختیاری کا تناسب بیان کرنے کے لئے نہ ریاضی کے پاس کوئی فارمولا ہے نہ لغت کے پاس کوئی لفظ۔ کچھ نہ ہونا اور سب کچھ ہونا۔ ان دو متقابل فقروں میں جو نسبت ہے ٹھیک ایسی ہی نسبت آدمی اور اللہ کے مابین ہے۔ پھر بھی یہ آدمی کتنا احسان فراموش، کیسا خود سر و مغرور کس درجہ غافل و مدہوش ہے۔ ظلوم و جہول۔ کفور و کنود۔

برتر ہے وہ ذات جس نے عسر کے ساتھ یسر، صحت کے ساتھ مرض اور راحت کے ساتھ مشقت پیدا فرما کر غافل و متساہل انسان کے لئے خوابِ غفلت سے چونکنے، اپنی حقیقت کو سمجھنے اور اپنے کفران و طغیان پر متنبہ ہونے کا زرّیں موقع بہم پہنچایا۔ راقم الحروف پہلے تو اپنی آئے دن کی بیماریوں اور دشواریوں پر ملول ہوا کرتا تھا، لیکن اب جتنا جتنا سوچتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں دیکھتا کہ بیماریوں اور دشواریوں میں خیر ہی کا پہلو غالب ہے۔ کتنا بصیرت افروز ہوتا ہے وہ منظر کہ ابھی ہم بہت کچھ کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں، اسکیمیں سوچ رہے ہیں، مگن ہیں کہ یہ کرلیں گے وہ کرلیں گے اور ابھی بخار ہمیں آدبوچتا ہے۔ ابھی داڑھ یا کان میں درد شروع ہوجاتا ہے، ابھی آنکھیں دکھنے آجاتی ہیں۔ ابھی کوئی زہرہ گداز خبر ہمارے ہوش و حواس معطل کیے رکھدیتی ہے۔ بس پھر سارے منصوبے خاک ہیں۔ سارے عزائم دھرے رہ گئے قلم ہاتھ میں ہے مگر انگلیاں جنبش کرنے سے انکار کر رہی ہیں دماغ سنسنا رہا ہے۔ توانائیاں ہتھیار ڈال رہی ہیں۔ کہاں ہے ہمارا تبختر، ہمارا گھمنڈ، ہمارا طنطنہ۔ لاریب کہ یہی وہ لمحات ہیں جب اللہ اپنے بندے کو موقع بہم پہنچاتا ہے کہ وہ اپنی بے حیثیتی کو سمجھے اپنے کفران و سرکشی کا احساس کرے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو اور سوچے کہ اسی طرح ایک دن اس کے بے حقیقت جسم کو خاک کے سپرد ہوجانا ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

اس موقع سے جس نے فائدہ اٹھالیا وہی صاحبِ بصیرت ہے۔ وہی دانشور ہے۔ وہی خوش نصیب ہے۔ صد حیف اس رحیم و کریم کے جس نے مرض دیکر صحت کی، مصیبت دے کر آرام و راحت دی اور مجبوریاں دیکر قوت و اختیار کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ بخشا۔

عاجز یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ سعادت مند بندوں کی طرح اس نے بھی عسر و یسر کی سبق آموزیوں سے کما حقہٗ فائدہ اٹھایا ہے، لیکن یہ ضرور عرض کرسکتا ہے کہ انسان کو خود سری

اور علت سے جو بچانے کے لئے حوادث و آلام اور امراض و آفات سے بڑھ کر کوئی تریاق نہیں۔ پلنگ پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے یا حوادث و آفات کی گھاٹیوں میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے سوچو تم کیا ہو، تم میں کیا دھرا ہے جس پر گردن اکڑا کر چلتے ہو۔ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ۔ خدا کو بھول کر خود کو بھلا دینے والو کیا بھول گئے تمہیں ہی کے ایک حقیر قطرے سے پیدا کیا گیا۔ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ۔

تمہیں ہو کیا گیا ہے کہ اس خالق و مالک کی ناشکری کرتے ہو جس نے تمہیں وجود بخشا۔ پھر وہ اس وجود چھین لینے کے بعد تمہیں دوبارہ وجود بخشے گا اور پوچھے گا کہ کیا کرکے آئے ہو؟ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

ھیھات۔ آیاتِ الٰہیہ کو تلاوت کرنے والے بہت ہیں، مگر وہ لوگ کہاں گئے جن کے سینے آیاتِ الٰہیہ کو سُن کر سوز و گداز سے بھر جاتے تھے۔ جن کی عقلِ سلیم نے آیاتِ ربانی کے عطا فرمودہ پیغامات کو اپنے ایک ایک ہوتے تن میں اس طرح سمویا تھا کہ وہ خود بھی چلتی پھرتی آیتیں بن گئے تھے۔ ؎

فرصت ملے تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

تجلی کا مدیر بیمار ہوتا ہے۔ تجلی اپنے وقت پر شائع نہیں ہوتا، مشتاق قارئین کو کوفت رہتی ہے، کاروباری اعتبار سے ادارۂ تجلی کو زیاں پہنچتا ہے۔ یہ سب بظاہر بہت اہم ہے مگر حقیقت میں کچھ بھی اہم نہیں۔ اہم یہ چیز ہے کہ ہم نے ٹھوکروں سے، آفات و حوادث سے، امراض و عوارض سے سبق لینا چھوڑ دیا۔ حالانکہ کارگہِ عالم میں حوادث و آلام اور امراض و عوارض کو پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ آدمی جاگے۔ عبرت پکڑے۔

اپنے انجام کی طرف متوجہ ہو۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ (النساء) کہدو اے پیغمبر دنیا کی پونجی تو بہت قلیل ہے اور آخرۃ ہی بہتر ہے اس کے لئے جو اللہ سے ڈرے۔ يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ (المؤمن)

اے قوم! یہ جو دنیا کی زندگی ہے اسے تو بس تھوڑا سا برت لینا ہے ہمیشہ رہنے کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ مصیبت اور تکلیف میں آدمی خدا کو یاد بھی کرتا ہے تو یہ یاد عموماً دیرپا نہیں ہوتی۔ ادھر مصیبت کے بادل چھٹے اور ادھر اس کی خدا فراموشیاں انگڑائی لے کر بیدار ہو گئیں۔ پھر ظلمت علیٰ ظلمت یہ کہ مصیبت ختم کر دینے کا کریڈٹ وہ اللہ کی بجائے ان اسباب و وسائل کو دیتا ہے جو بظاہر دفع مصیبت کا سبب بنے ہیں اور ان افراد و اشخاص کو جن کے واسطے سے یہ اسباب و وسائل میسر آئے ہیں شکر و نیازمندی کا وہ سرمایہ پیش کر دیتا ہے جس کا حقدار سوائے اللہ کے اور کوئی بھی نہیں۔ اس عامۃ الورود صورتِ حال کو اللہ نے کیسے پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے:-

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ (الزمر)

اور جب آ پہنچی انسان پر سختی تو پکارنے لگا اپنے رب کو بڑی توجہ کیا تھا پھر جب اسکے رب نے اپنی طرف سے نعمت عطا فرما دی تو بھول گیا اس چیز کو جسکے لئے پہلے اپنے رب کو پکار رہا تھا اور لگا اللہ کی برابر ٹھیرانے اوروں کو تاکہ اسکی راہ سے بھٹکائے۔ کہدو اے محمد! اٹھالے تھوڑا سا فائدہ اپنے کفران نعمت سے بلاشبہ تو دوزخیوں میں سے ہے۔

دیکھ لیجئے یہ منکرین خدا یا مشرکین و کفار کا ذکر نہیں۔ اُن لوگوں کا ذکر ہے جو خدا کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ کلفت و مصیبت کی گھڑیوں میں دیوی دیوتاؤں کے عوض اسی کو رجوع قلب اور تضرع کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اسی سے دعا کرتے ہیں۔ اسی کو دافع البلیات اور شافی جانتے ہیں۔ انھیں اللہ نے مصیبت میں ڈال کر موقع دیا کہ غفلت سے چونکیں، بدعملی اور خدا فراموشی سے باز آئیں، لیکن ان کا رویہ عموماً یہ ہے کہ مصیبت پڑنے پر تو خدا کو پکارا اور جب مصیبت دور کر دی گئی تو بجائے اس کے کہ اللہ کی شکرگزاری کرتے انکی زبانوں پر اور ذہنوں میں اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں کہ فلاں ڈاکٹر بہت اچھا ہے فلاں دوا بڑی اکسیر ہے فلاں بزرگ کا تعویذ نہایت تیر بہدف ہے، فلاں پیر غوث و دستگیر ہیں۔ فلاں مزار پر جو دعا کرو مقبول ہوتی ہے وغیر ذلک۔ یہ باتیں نہ صرف ان کی اپنی گمراہی کا ثبوت ہیں بلکہ ان کے ذریعہ وہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے بھٹکا رہے ہیں۔ بے شک ڈاکٹر اچھے اور بُرے بھی ہوتے ہیں۔ دوائیں زود اثر بھی ہوتی ہیں اور بے اثر بھی۔ اولیاء اللہ کسی کے لئے دعا کریں تو مقبول ہونا کچھ مستبعد نہیں۔ تعویذ میں بھی کچھ نہ کچھ اثر ہے، لیکن ایک تو ہے اسباب و وسائل کو ثانوی درجہ میں اہمیت دیتے ہوئے اصل معطی و بخشندہ خدا ہی کو سمجھنا اور ایک ہے اسباب و وسائل کو بنیادی اہمیت دے کر خدا کو نعوذ باللہ ثانوی درجے میں ڈال دینا۔ ان دونوں صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی محمود ہے اور دوسری مردود۔ پہلی بجا ہے اور دوسری کلیتہً باطل۔ یہ ٹھیک ہے کہ زبان سے ہم صاف صاف نہیں کہتے کہ فلاں شخص یا فلاں ذریعہ اللہ کے مساوی ہے۔ نہ یہ کہتے ہیں کہ مرض اور مصیبت دور کرنے میں اللہ کا کوئی ہاتھ نہیں لیکن یہ سکوت بجائے خود کفران اور بے حسی میں داخل ہے۔ اللہ کا یہ مطالبہ نہیں کہ مجھے بھی کارساز مانو، وہ مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے ہی کارساز مانو۔ ان دونوں باتوں میں بون بعید ہے۔ ایک اسلام ہے تو دوسری کفر۔ ایک شکران نعمت ہے تو دوسری کفران نعمت۔ پھر سکوت نہ بھی کیا جائے بلکہ اللہ ہی کو کارساز ماننے کا اعلان و اظہار ہی کر دیا جائے تب بھی ذہن و اعتقاد کی کیفیات کا صحیح فیصلہ زبان سے نہیں عمل سے ہوا کرتا ہے ہمارا عمل اگر احسان الٰہی کے احساس اور اسی کے امتنان و تشکر کا مظہر نہیں تو یہی ہمارے کفران اور غلط اندیشی کا سب سے بڑا برہان ہے۔ ہم خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کے لئے بھی گمراہی کا وسیلہ بنے۔ ہمیں ڈرنا چاہئے کہ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ کا آتشیں دائرہ کہیں ہمیں بھی تو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گیا۔

---

بات پھیل گئی۔ تذکیر صرف اس نکتہ کی مقصود تھی کہ بیماری اور مشقت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر وہ نفس امارہ کی سیہ کاری کے لئے تازیانۂ عبرت بنکر ذہن انسانی کو اطاعت و بندگی کی طرف منعطف کر دے اور آرام و راحت کی ساختہ غفلت و بے حسی کی جو گرد ذہن و قلب پر تہہ بر تہہ جمتی چلی جاتی ہیں اسے دھو ڈالے۔

لیکن یہی بیماری اور مشقت عذاب و سزا بھی ہے اگر انسان اس سے کوئی سبق نہ لے یا سبق لے تو محض وقتی پھر اللہ اس پر رحم فرما کر صحت و راحت کی نعمتیں نازل کر دے تو وہ بھول ہی جائے کہ کس نے اسے مصیبت سے نکالا اور کس کی چشم کرم کے اشارے سے اس کے امراض و آلام کا استیصال ہوا۔ ایسے بدنصیب کی مثال ایک تو وہ ہے جو اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ والی آیت میں بیان کی گئی اور ایک وہ ہے جو ریاکارانہ عبادت کے سلسلہ میں اللہ نے سورۂ بقرہ میں بیان فرمائی ہے:-

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

پس اس کی مثال اس پتھر کی سی ہے جس پر تھوڑی سی گرد جمی ہوئی ہے پھر اس پر زور کا مینہہ برسا تو اسے کر چھوڑا بالکل صاف۔ کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے تو اب اس چیز کا جسے انھوں نے کمایا اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ناشکروں کو۔

+ + + +

بڑی قابلِ توجہ بات ہے کہ غیر محتاط قسم کے مفسرین و واعظین کے ...... عامۃ المسلمین کے دماغ میں یہ مہلک خوش فہمی جاگزیں ہوگئی ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں کافر آتا ہے اس سے مراد وہی لوگ ہوتے ہیں جو اصطلاحاً بھی کافر ہیں اور ہم مسلمانوں سے ان آیات کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ علی الاطلاق ہرگز درست نہیں ہے۔ قرآن اٹھاکر اسی آیت کو دیکھ لیجئے۔ اس کا آغاز یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا سے ہوتا ہے۔ یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! مومنین ہی کو یہ ہدایت دی بھی جاسکتی ہے کہ ریاکاروں کی طرح اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر مت برباد کرو۔ کافرِ اصطلاحی ریاکاری نہ کرے تب کیا اور احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنے صدقات برباد نہ کرے تب کیا۔ وہ تو جہنمی ہے ہی۔ خطاب مسلمانوں سے ہے اور (الکٰفرین) سے مراد اصطلاحی کافر نہیں ہیں بلکہ وہ مسلمان ہیں جو زبان سے تو ایمان و اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن ان کے افعال و اطوار اس حقیقت کے مظہر ہیں کہ اللہ اور یوم آخرت کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترا یا اترا ہے تو رگ پے میں رچا نہیں، بلکہ تذبذب وذہن کے کسی تاریک گوشے میں جا پڑا ہے۔ یہاں بے اختیار وہ الفاظ یاد آتے ہیں جو اللہ کے رسول نے بڑے الحاح اور فریاد کے انداز میں اللہ سے کہے تھے:۔

| | |
|---|---|
| یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان) | اے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل متروک مہجور کر چھوڑا ہے۔ |

فرق اتنا ہے کہ کفار تو نعوذ باللہ قرآن کو جھک جھک اور بکواس قرار دے کر اسے چھوڑے ہوئے تھے، لیکن ہم مومنین کی غالب اکثریت قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے تلاوت کرنے اور جزدانوں میں احترام وعقیدت کے ساتھ رکھنے کے باوجود عملاً چھوڑے ہوئے ہے۔ انبیاء اور ان کی دعوتِ حق کے دشمن کھلے کافر تھے۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ۔ لیکن ہمارے دین وایمان کے دشمن خود ہمارے نفس ہیں جن کی خباثت وبغاوت پر تن آسانی، لذت کیشی، مادہ پرستی اور ملمع کاری کے حسین غلاف چڑھے ہوئے ہیں ان غلافوں پر نئے دور اور نئے مادہ پرستانہ فکر نے تو وہ زردوزی کی ہے کہ الامان والحفیظ۔ بازارِ حیات میں خوبصورت الفاظ کا لیبل دین شباب پر ہے معانی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ جسم سجے ہوئے ہیں اندروں کی کسی کو فکر نہیں حاصل یہ کہ مصیبت میں خدا کو پکارنا اور راحت میں اسے بھلا دینا بدترین کفران ہے۔ ہم سب کو اس کفران سے پناہ مانگنی چاہیئے۔

---

عاجز کی جس وقتی بیماری کے باعث مارچ ۶۳ء کا تجلی بیس دن مؤخر ہوا اس کے سلسلے میں عیادت کے خطوط لکھنے اور دعائیں کرنے والے دوستوں کو فرداً فرداً شکریے کا خط لکھنا ممکن نہیں ہوا اس لئے آج میں من لم یشکر العبد لم یشکر اللہ کے تحت ان سب حضرات کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ زیرِ نظر شمارے کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد وہ یہ الزام نہ دے سکیں گے کہ میں نے یک ماہی خلا کی تلافی کرنے میں اپنی حقیر استطاعت کی حد تک محنت نہیں کی ہے۔ وللہ الحمد۔


# القاموس الجدید

ایک رفیع الشان اردو عربی ڈکشنری

بیشمار اردو الفاظ کے عربی مترادفات کے علاوہ اس میں ضرب الامثال محاورات اور زبان کے نئے تغیرات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ضروری مقامات پر تصاویر کے ذریعے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے

مفید، بیش قیمت اور جلیل القدر۔

قیمت مجلد سات روپے۔

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

عامر عثمانی

# شذرے

## الجزائر

یہ مسرت انگیز خبر دہ یقیناً آپ پہلے ہی سن چکے ہونگے کہ الجزائر کی طویل جنگ آزادی آخر کار مغرور و بے رحم فرانس کی شکست اور فولادی عزائم کے سانچے میں ڈھلے ہوئے مسلمانوں کی فتح پر منتج ہوئی۔ فالحمد علیٰ ذلک۔ گویا یہ لازوال حقیقت اس خالص مادہ پرست عہد میں بھی ثابت ہو کر رہی کہ سر میں سودا ہو تو انسان پہاڑ کاٹ کر جوئے شیر لا سکتا ہے۔ بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا سکتا ہے۔ فرعونوں کے استکبار و تمرد کو پاش پاش کر سکتا ہے۔

ویسے تو تاریخ کا دامن مجاہدین اسلام کے بے مثال کارناموں سے پہلے ہی مالا مال ہے۔ چشم فلک نے وہ جانباز بھی دیکھے ہیں جنھوں نے خدائے واحد کے بھروسے پر خالی ہاتھوں پوری دنیا کو للکارا تھا اور مہر و ماہ نے دیکھا کہ ان کی ٹوٹی ہوئی تلواروں اور زخم کھائے ہوئے نیزوں نے آہن و فولاد کے سینے چیر دیئے تھے۔ وہ سر بکف مجاہدین بھی دیکھے ہیں جن کی پیش قدمیوں کو کف در دہاں سمندر اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ بھی نہ روک سکے۔ وہ اولوالعزم بھی دیکھے ہیں جو چار ہزار کی فوج لیکر سرزمین فراعنہ کے ایک کروڑ شہریوں اور کئی لاکھ فوجیوں کو حق کے آستانے پر جھکانے چلے تھے اور فتح و ظفر کے پرچم اڑاتے ہوئے چپے چپے پر چھا گئے تھے۔

لیکن الجزائر کا رزمیہ اس اعتبار سے عدیم النظیر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان سرفروشوں نے بڑی طویل مدت تک لرزہ خیز ابتلا جھیلی ہے اور ایک ایسے دور میں جب نئے نئے مہلک ترین ہتھیاروں کے آگے انسانی جسم مچھر اور مکھی کی طرح بے حقیقت ہو کر رہ گیا ہے اُس حیرتناک پامردی اور بے نظیر تحمل کا مظاہرہ کیا ہے جس کی کما حقہٗ تحسین کے لئے ڈکشنری میں کوئی بھرپور لفظ موجود نہیں ہے۔ زندہ باد مردانِ حریت۔ پائندہ باد عزم و ہمت کے زندہ پیکر۔

کیا شک ہے کہ مسلمانانِ الجزائر کے ناقابلِ شکست عزم و استقلال کے پیچھے جو جذبہ کارفرما تھا اس کا کریڈٹ اسلام ہی کو پہنچتا ہے۔ اسلام ہی کی نفسیات سے یہ اذعان و یقین ابھر سکتا ہے کہ جان دیکر ہم سب کچھ نہیں کھو رہے ہیں بلکہ موت کی سرحد سے بالکل متصل اگلے ہی قدم پر ایک نئی زندگی ہے۔ نئی دنیا۔ نئے ساز و سامان۔ ہاں ہمیں سب کچھ مل سکتا ہے۔ جنت مل سکتی ہے اور جنت سے بڑھکر کوئی شے نہیں جس کی انسان آرزو کر سکے۔ بے نہایت آسائشوں کا گہوارہ اور لازوال نعمتوں سے معمور جنت جہاں آلام و آفات کا گذر نہیں۔ جہاں مرض کا ڈر اور موت کا اندیشہ نہیں۔

جان کی قربانی کا فرد ملحد بھی دیتے ہیں۔ سرفروشی کے کارناموں سے کفر کی تاریخ بھی خالی نہیں، لیکن جن کی تگ و تاز اور سعی و جہد کی تہہ میں قوم اور وطن اور فانی متاع دنیا کے سوا کچھ بھی نہ ہو وہ ہنگامی جوش، وقتی سرفروشی اور ضعیف البنیان اشتعال سے زیادہ کسی پائیدار جذبے کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ یقین اور مستقل جذبۂ جانفروشی کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے شعور و ادراک کی تہوں میں کسی لافانی محرک کی جڑیں گہری اتری ہوئی ہوں اور یہ محرک سوائے ایمان بالآخرۃ کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہی وہ محرک تھا جو عرب کی وادی سے ایک ابر گہربار بن کر اٹھا اور ایمان و عمل کی عطر بیز ہواؤں کے دوش پر چل کر اقصائے عالم پر چھا گیا۔

بلند و برتر ہے وہ اسلام جس نے الجزائر کے بانکے سرفروشوں کو عزم و تحمل کے باران مسلسل سے سیراب کیا۔ اور ایک لمحے کو بھی یہ مایوس کن تخیل ان کے ذہنوں میں نہیں ابھرنے دیا کہ شاہد حریت کے قدموں میں لاکھوں سروں کی قربانی پیش کرنا کوئی نقصان کا سودا ہے۔

لیکن اب یہ بھی دیکھنا ہے کہ اسلام کے احسان بے پایاں اور اسلام نازل کرنے والے خدائے برتر کے فضل بیکراں کے جواب میں حریت کے متوالے شکر گزاری کا ثبوت دیتے ہیں یا ناشکری کا۔ بڑی مایوسی ہوتی ہے یہ سوچ کر کہ رزم مسلسل کے گذشتہ طویل عرصے میں آزادیٔ وطن کے نعرے تو بہت سنائی دیئے، لیکن ایسا کوئی نعرہ سامعہ نواز نہیں ہوا جو یہ اطمینان دلاتا کہ جن سروں کو دیو فرانس گاجر مولی کی طرح کاٹے دے رہا ہے ان میں آزادیٔ وطن کے علاوہ اعلائے کلمۃ الحق اور غلبۂ اسلام کا بھی کوئی سودا سا تیس لے رہا ہے۔

سر اعلائے کلمۃ الحق کے ذوق و شوق سے خالی ہو تو پھر برابر ہے کہ وہ آزادیٔ وطن کی راہ میں کٹے۔ یا قبیلے اور قوم کی عصبیت میں۔ ملک و قوم کے لئے لڑنا بھی لاریب جی داروں ہی کا کام ہے اور الجزائری مسلمانوں کی غیرت و حمیت، شجاعت و بسالت، عزم و ہمت اور تحمل و استقلال کا انکار حرب و ضرب کی تاریخ کبھی نہیں کر سکے گی۔ لیکن وہ لفظ "مجاهد" جس کا ایک ایک حرف جنات نعیم کی بے مثال نعمتوں کا امین ہے الجزائری سورماؤں پر بھی صادق آ سکتا ہے یا نہیں یہ فیصلہ ماضی نہیں مستقبل کرے گا۔ دل دھک سے ہو کر رہ گیا جب اخباروں میں کچھ اس نوع کی خبریں پڑھیں کہ الجزائر کی نئی حکومت مسلمہ کا دستور سیکولر ہوگا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔ "سیکولر" کے بعض مفاہیم اچھے بھی لئے جا سکتے ہیں اور زیادہ حسن ظن سے کام لیا جائے تو یہ بھی خیال کیا جا سکتا ہے کہ محض سیاستہً بالطور فیشن کہا گیا ہے۔ ورنہ ارادہ اسلام ہی کو سربلند کرنے کا ہے۔ لیکن خدا اس لفظ کی چھوت سے بچائے۔ اس کی سرشت ہی میں خدا بیزاری اور دنیا پرستی داخل ہے۔ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ جو فاتحین آج اسلام کا نام لیتے ہوئے بھی شرماتے ہیں اور برائے نام بھی انھوں نے یہ اعلان نہیں کیا کہ لاکھوں سروں کی قیمت میں خریدی ہوئی اس نئی مملکت میں ہم خدائے برتر کے دین کو سربلند و نافذ کرنے کی سعی کریں گے۔ ان کی جانبازیوں کے پیچھے مادی منافع کے علاوہ بھی کوئی بلند تصور رہا ہوگا۔ اللہ محفوظ رکھے۔ اگر سچ مچ الجزائری سورماؤں کی منزل مقصود اسلام کی سربلندی کے عوض اینٹ اور پتھر کی سربلندی تھی تو یہ سارا خون خرابہ اکارت گیا۔ مصطفیٰ کمال نے بھی کافروں کو شکست دی تھی۔ ان کی سرفروشی بھی تاریخ کا ایک ولولہ انگیز باب ہے لیکن کس ہوشمند اور صحیح الایمان مسلمان میں جرأت ہے کہ انھیں غازی و مجاہد کے خطاب سے یاد کر سکے۔ اگر خدانخواستہ فاتحین الجزائر نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ رشک انگیز پامردی کا یہ لاجواب کارنامہ اعلائے کلمۃ الحق کے طاہر و مطہر جذبے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، بلکہ وطن کی آزادی اور آزادی سے حاصل ہونے والے مادی منافع ہی تمام ترک تازیوں کا آخری ہدف تھے تو بے خدا نظام حکومت کے

خانے میں ایک اور سیکولر اسٹیٹ کا اضافہ کرنے والے ہیں لیکن خدائے عالم الغیوب اس سے بے نیاز ہے کہ دنیا کی راہ میں انھوں نے دس لاکھ قتل کرائے یا دس کروڑ۔ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ (اور جس نے نیت کی نفع دنیا کی اسے ہم نفع دنیا ہی دیں گے اور جس نے نیت کی ثواب آخرت کی اسے ثواب آخرت عطا کیا جائیگا اور اللہ جزا دے گا شکر گذاروں کو)

تو کیا یہ شکر گذاری ہوگی کہ جس اسلام نے الجزائری مسلمانوں کو انعام آخرت اور فردوس کے یقین سے نواز کر کٹ مرنے کا ولولہ دیا اسے اقتدار کی مسند اعلیٰ پر بٹھانے کے بجائے وہ کسی ایسے نظام کے ہاتھ میں زندگی کی زمام دیدیں جو کفر ہی کی کارگہ فکر میں ڈھلا ہو۔ جس کی بارگاہ میں اسلام اور کفر سب برابر ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اللہ کے رسولؐ سے پوچھا:۔

یا رسول اللہ رجل یرید الجهاد فی سبیل اللہ وهو یبتغی عرضاً من عرض الدنیا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا اجر له
(مشکوٰة)

اے اللہ کے رسول! ایک شخص ارادہ رکھتا ہے اللہ کی راہ میں جہاد کرنیکا حالانکہ وہ دنیاوی مال و منال کی فکر و خواہش میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسکے لئے کوئی ثواب نہیں۔

ہمیں بے حد مسرت ہے کہ الجزائر کی فضا میں اللہ کی یہ آیت پرچم زرنگار بن کر ابھری وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ (اور کفر کرنے والوں کی بات کو اللہ نے نیچا کر دکھایا) لیکن بے حد رنج ہوگا اگر اس آیت کا اگلا فقرہ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا (اور اللہ ہی کی بات سب سے بلند ہے) طاقِ نسیاں میں رکھ دیا جائے گا۔ اللہ تو جہاد بالکفار کا مقصود بتاتا ہے کہ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (اور مقاتلہ کرو ان سے یہانتک کہ فتنہ دب جائے اور غالب آجائے حکم صرف اللہ کا) لیکن کفار کو شکست دینے

کے بعد اگر فاتح مسلمان اللہ کے دین کو پس پشت ڈال کر ایک نئے فتنے کی داغ بیل ڈالدیں تو کس منہ سے کہا جا سکے گا کہ وہ "مجاہد" تھے۔ اللہ اپنے آخری پیغمبر کی بعثت کا منشاء واضح فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ
(التوبہ)

اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر تاکہ اسے غالب کردے ہر دین پر اور پڑے برا مانا کریں مشرک

+ + + +

یہ بات اتنی کلیدی اور اہم تر تھی کہ اسے سورۂ صف میں جوں کا توں پھر دہرایا گیا اور سورۂ فتح میں بھی صرف آخری فقرے کے تغیر کے ساتھ تذکیر کی گئی۔ خوب معلوم ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے جتنی جنگیں لڑیں اور آپ کے بعد اصحابؓ نے جتنا مقابلہ کیا وہ سب کا سب غلبۂ دین ہی کے لئے تھا۔ اسی دین نے ہمیں مجاہد اور غازی اور شہید کی بے مثال اصطلاحیں دی ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ ان بلند و برتر اصطلاحوں کا استعمال وہاں بھی ہو سکے جہاں حرب و ضرب اور ایثار و قربانی کا تمام تر مدعا صرف اتنا ہو کہ ہمیں اپنی جنم بھومی پر خود حکومت کرنے کا موقع مل جائے تاکہ وہاں کے معدنوں، چشموں، زمینوں اور کھیتوں سے ہم زیادہ سے زیادہ نفع اٹھا سکیں وہاں ہم صنعت و تجارت کو ترقی دے کر سامانِ عیش و راحت میں اضافہ کرسکیں اور وہاں ہمیں ایسی مکمل آزادی ہو کہ اشتراکیت یا امپیریل ازم یا سیکولر ازم جس کے چاہے دستِ خدا ناشناس میں اپنے معاشرے کی عنان پکڑا دیں۔

کبھی نہیں۔ یہ اصطلاحیں بہت مقدس ہیں، بڑی انمول۔ ہمیں یہ تو امید ہے کہ فرانس کے استبداد کا شکار ہونے والوں کو کسی نہ کسی نوع کا درجۂ شہادت ضرور نصیب ہوا ہوگا لیکن وہ شہادتِ عظمیٰ جو ایک ہی جست میں مومن کو بہشت کی وادیِ بے ہمتا میں پہنچادیتی

سے بچھا اور تھے ہے۔ اللہ کے رسولؐ سے پوچھا گیا:۔

| | |
|---|---|
| الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیری مکانہ فمن فی سبیل اللہ قال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ (بخاری ومسلم) | ایک شخص ہے جو اس لئے لڑتا ہے کہ مال غنیمت ہاتھ لگے ایک شخص ہے جو اس لئے مقاتلہ کر رہا ہے کہ اس کی بہادری کے چرچے ہوں ایک شخص ہے جو اس لئے گرم پیکار رہے کہ اس کا مرتبہ لوگوں کی نظروں میں آئے تو ان میں سے کون مجاہد فی سبیل اللہ ہے؟ حضورؐ نے فرمایا صرف وہ شخص جو اس لئے لڑے کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند ہو بس وہی مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ |

+ + + +

ثانوی درجے میں تو شہید وہ بھی ہے جو طاعون یا مرض شکم میں مر جائے۔ لہٰذا امید کی جا سکتی ہے کہ فرانس کے قہر و استبداد سے ٹکرانے اور اپنے جان و مال آبرو اور آزادی کے لئے کٹ مرنے والے بھی کسی نہ کسی درجے میں شہادت سے ہمکنار ہوئے ہونگے، لیکن اس شہادت کے ساتھ یہ کیسا استہزاء ہو گا کہ غازیان کرام قدرت پاتے ہی اپنی مملکت میں کلمۃ الکفر ھی العلیا؟ کا نعرہ بلند کریں اور ظاہر فریب سیاسی اصطلاحات کی آڑ لیکر اسلام کو غلبہ و اقتدار کے ایوان سے دور پھینک دیں۔

اے اللہ! الجزائر کی جنگ آزادی میں مر مٹنے والوں کی مغفرت فرما اور جن غازیوں کو تو نے فتح دی ہے انھیں توفیق دے کہ وہ اپنے حدود مملکت میں تیرے ہی کلمہ کو بلند کریں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

## پاکستان کا نیا دستور

پاکستانی عوام مستحق مبارکباد ہیں کہ وہاں کی فوجی حکومت نے ملک کے لئے ایک باقاعدہ دستور وضع کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی اور وہ مارشل لا جس کے کاٹے کا کوئی علاج نہیں تدریج و تہذیب کے ساتھ آئین کے سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے۔ دستور پر ہند و پاک میں جو تبصرے ہوئے ہیں ان کے بعد ہمارے کسی تبصرے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ لیکن وہ سب سے اہم اور کلیدی نکتہ جسے دستور کے باب میں سب سے زیادہ فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے کسی تبصرے میں اتنا ابھر کر سامنے نہیں آیا ہے جتنا اس کا حق تھا۔ اس لئے جی چاہتا ہے کہ اسے ہم ابھار کر پیش کر دیں۔

کوئی بھی دستور اپنی تفصیلات اور مضمرات و عواقب کے لحاظ سے کیسا ہے یہ بعد کی بات ہے پہلی بات یہ ہے کہ اس دستور کو چلانے اور اس کے متن کی شرح و تاویل کرنے والے کیسے ہیں؟ ہو سکتا ہے ایک دستور علمی و سیاسی اعتبار سے کچھ ناقص ہو لیکن اس کے چلانے والے نیک نیت، دیانتدار اور سلیم الطبع ہوں تو عملی دنیا میں اس نقص کا ازالہ ہو جائے۔ اور ہو سکتا ہے ایک دستور زندہ جواہر کے پانیوں سے لکھا گیا ہو لیکن اس کے چلانے والے خود غرض بدکردار اور ہٹ دھرم ہوں تو الفاظ کی چمک دمک ظلم و فساد کی سیاہی میں بدل جائے۔ ہمارے بھارت ہی کے دستور کو دیکھ لیجئے۔ یہ اپنی کاغذی حیثیت میں کافی متوازن، عدل پرور اور روادار ہے لیکن اس کو چلانے والے اتنے توازن پسند، روادار اور منصف مزاج نہیں ہیں جتنے کا یہ متقاضی ہے اس لئے معیشت و اقتصاد اور سیاست و معاشرت کے کتنے ہی دوائر میں وہ بے لاگ انصاف عنقا ہو کر رہ گیا ہے جس کی ضمانت دستوری دفعات نے کھل کر دی ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کی تاریخ دیکھ لیجئے۔ فساد و انحطاط کی وجہ دستور کی تبدیلی نہیں بنی تھی۔ دستور تو مدت تک وہی رہا ہے جس نے خلافت راشدہ کے عدیم النظیر نمونے تاریخ کے حوالے کئے۔ لیکن دستور کی عنان پکڑنے والے ہاتھ بدل گئے تھے۔ وہ دل و دماغ بدل گئے تھے جنہیں دستور کے بے جان الفاظ میں عملی تعبیروں کی روح پھونکنی تھی تو وہ دنیا بھی بدلی جو آئین و دستور کے لفظی ڈھانچے

سے نہیں اس کی معنوی تعبیروں اور عملی اطلاقات سے ظہور میں آتی ہے۔ اسی اساسی نکتہ کو ذہن میں رکھ کر غور و فکر کیجیے تو معلوم ہوگا کہ پاکستان کے لئے دستور کی قدر و قیمت عام دنیاوی نقطۂ نظر سے کچھ بھی ہو، لیکن اُس اسلام کے فروغ و عروج کے لئے اس میں کوئی پیغام موجود نہیں ہے جس کی خدمت و نشأۃ کے بلند بانگ دعوے اور وعدے اس دستور کے بنانے والے برابر کیے جا رہے ہیں۔ یہ مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ پاکستان کی موجودہ حکومت ملک و ملت کے حق میں نہایت مخلص ہے اور اسلام کا نام وہ از راہِ نفاق نہیں لیتی بلکہ واقعتہً وہ اسلام سے قلبی تعلق رکھتی ہے۔ لیکن فیصلہ کن عامل فقط اخلاص نہیں ہوا کرتا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جس اسلام کے لئے وہ تصویرِ اخلاص بنی ہوئی ہے کیا وہ واقعتہً اسلام ہے بھی یا کسی اور شے کو وہ اسلام باور کیے ہوئے ہے؟

اس سوال پر جتنا بھی غور کیجیے جواب مایوس کن ہی ملے گا۔ حکومت کا غالب ذہن یہ ہے کہ اسلام وہ نہیں ہے جسے قرآن و سنت سے مستنبط کر کے صحابہؓ و ائمہ اور علمائے سلف نے ہم اخلاف کو پہنچایا ہے بلکہ اس کے تصور میں ایک ایسے پیکرِ خیالی کا نام اسلام ہے جس کے ہاتھ پیر تو اسلام ہی کے ہیں لیکن دل و دماغ اور مزاج و میلان مغرب کی کارگہِ فکر سے ڈھل کر آئے ہیں — بلکہ حکومت کے ذمہ دار عناصر میں بعض عناصر تو ایسے ہیں جو ہاتھ پیروں کی حد تک بھی قرآن و سنت والے اسلام کے روادار نہیں، بلکہ تقاضا کرتے ہیں کہ فکر زریں کے تحت جو بھی معاشرہ وہ تعمیر کریں اسی پر اسلام کا لیبل چسپاں کر دیا جائے۔ جن افکار و عقائد کو وہ فوقیت دیں انھی کا نام اسلامی عقائد تسلیم کر لیا جائے۔ جو تفسیر و تاویل وہ اسلام کی کتابِ آئین — قرآن کی کریں اسی کو قرآن کا منطوق و مصداق مان کر ہر اُس تفسیر و تاویل کو نظر انداز کر دیا جائے جو اس کے خلاف ہو۔

مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ ناچ گانا، سینما تھیٹر، عریانی و فحاشی ہر خلافِ اسلام شے کے لئے اپنے پاکستان میں اسلامی اصطلاحیں مل جائیں گی۔ ثقافت و کلچر اور تہذیب و ترقی کے نام پر جو معاشرہ وہاں نشو و نما پا رہا ہے وہ وہاں کے معروف عاشقانِ اسلام اور مفسرانِ جدید کے نقطۂ نظر سے عین اسلامی معاشرہ ہے حالانکہ قرآن و سنت کا ہر سلیم القلب عالم دو اور دو چار کی طرح جانتا ہے کہ اس معاشرے کی ایک ایک اینٹ افکارِ باطل کی مٹی سے بنی اور نفسِ امّارہ کی بھٹی میں پکی ہے۔ ایک نیا فرقہ جو "اہلِ قرآن" کے نام سے اُبھرا ہے اس نے تو قسم ہی کھائی ہے کہ شہنشاہ اکبر اور اس کے والا گہر مصاحبین کی تمام ہی گمراہیوں کو نئی تراش خراش، نئے نہج و اسلوب اور نئے نقش و نگار سے سجا بنا کر ملک و ملت کے سر منڈھے گا اور قرآن کی ایک ایک تعلیم کو قرآن ہی کے نام پر مسخ و محرّف کیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ یہ فرقہ مسندِ اقتدار پر تو جلوہ افروز نہیں ہے، لیکن مقربینِ بارگاہ میں ضرور شامل ہے۔ اقتدار کی مشین چلانے والے انتظامی عملے میں اس کے کارندے کلیدی مناصب حاصل کیے ہوئے ہیں اور قرآن کے ساتھ "سنت" کے جس لفظ سے اسے چڑ ہے وہ دستور کے الفاظ سے خارج کر دیا گیا ہے، جب کہ پچھلے دستور میں یہ کسی نہ کسی طرح شامل ہو ہی گیا تھا۔

ان حالات میں یہ مغز زنی اور کنج کاوی کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتی کہ پاکستان کے نئے دستور کی کونسی دفعہ اسلام کے حق میں سازگار ہے اور کونسی نہیں۔ ہاں ثانوی درجہ میں بہرحال دستوری دفعات کی اہمیت مسلّم ہے۔ دستوری نکات کے تجزیہ و تحلیل کو اہلِ بصیرت پر چھوڑتے ہوئے ہم تو بس اس دعا پر اکتفا کرتے ہیں کہ اللہ پاکستان کو اُس انجام سے بچا جس کو ترکی پہنچا ہے اور اُس معاشرے سے محفوظ رکھ جو مصر و شام میں پھل پھول رہا ہے۔ ویسے ہمیں شمہ برابر بھی امید نہیں کہ یہ دعا قبول ہوگی۔ قبولیت مذاق نہیں ہے کہ منہ سے دو بول نکلے اور اللہ نے تقدیر بدلی۔ سنتِ الٰہیہ اٹل ہے۔ م

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ -

# تفہیم الحدیث

## پڑوسی کے حقوق

(۲)

ابن الزبیر یقول :- سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول :- " لیس المومن الذی یشبع وجارہٗ جائعٌ " -

(اخرجہ الطحاوی فی الطحاوی والحاکم فی المستدرک والبیہقی فی شعب الایمان والبخاری فی الادب المفرد)

**ترجمہ :-**

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بات سنی ہے کہ " وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھرے ہو مگر اس کا پڑوسی بھوکا ہو "۔

**تفہیم :-**

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پڑوسی کے حقوق سے غفلت برتنے والا آئینی اعتبار سے خارج از اسلام نہیں ہو جاتا بلکہ اسے مسلمان ہی شمار کیا جائے گا، لیکن اللہ کے سچے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت شریفہ تھی کہ جو حرکات و افعال اس درجہ برے ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی ادنیٰ تعلق بھی ایمان جیسی طاہر مطہر چیز سے نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اپنی معنوی ناپاکی کے اعتبار سے کفر و زندقہ ہی کی جنس سے ہیں، ان سے روکنے کے لئے یہی بلیغ و عمیق اسلوب اختیار فرماتے تھے جو اس حدیث میں اختیار فرمایا ہے۔ حضرت اسی ایک بخیلی اور سنگدلی کے لئے نہیں جس کا ذکر اس حدیث میں ہے بلکہ متعدد اور معصیتوں کے لئے بھی سرکارؐ نے اسی انداز میں تہدید و تنبیہ کی ہے۔ اس سے سطحی بیں اور جلد باز قسم کے لوگ اس دھوکے میں آگئے کہ جس معصیت کے ارتکاب پر اللہ کا رسولؐ مرتکب کے بے ایمان ہونے کی شہادت دے رہا ہے اس معصیت کے مرتکب کو کافر ہی تسلیم کیا جائے گا اور جب تک وہ توبہ نہ کرے مرتد واجب القتل رہے۔

ایسا گمان کرنے والے خوارج کہلائے اور ان کے جذبۂ پرہیزگاری نے یہاں تک وسعت اختیار کی کہ ہر ایک ہی معصیتِ کبیرہ کے مرتکب کا خارج از اسلام ہونا ان کے نزدیک مسلم ہو گیا۔ یہ نقطۂ نظر غیر صالح جذباتیت اور یک رخے انداز فکر کا نتیجہ تھا جو یقیناً غلط ہے۔ ایمان کا مقام و مستقر قلب ہے، اعضاءِ جوارح نہیں۔ اعمال آدمی کو کافر نہیں بنا سکتے جب تک کہ اس کے اسلامی عقائد ہی میں کفر کی جونک نہ لگ گئی ہو۔

لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ جو شخص بدترین گناہوں کا

مرتکب ہوتا رہے گا اسے آئینی اعتبار سے مسلمان تسلیم کرنے کے باوجود یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ اس کے ایمان پر نزع کا عالم طاری ہے۔ اس کے ایمان کا نور بے حسی اور سرتابی کی ظلمتوں میں گم ہوگیا ہے

زید بہت زیادہ مریض اور کمزور ہو تو کہا جاتا ہے کہ اس کا حال مُردوں سے بدتر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قول کو آئین و منطق کی میزان میں نہیں تولا جاتا بلکہ اس کا مطلب یہی لیا جاتا ہے کہ زید زندہ تو ہے مگر بہت ناتواں ہوگیا ہے۔ امراض سے مغلوب ہے۔ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ حضورؐ کے ان اقوالِ شریفہ کا ہے جن میں کسی معصیتِ کبیرہ پر مومن نہ ہونے کی وعید دی گئی ہے۔ زید جب تک سانس لے رہا ہے اسے زندہ ماننا ہی پڑے گا چاہے کتنا ہی مریض ہو، اسی طرح مومن جب تک قولاً یا عملاً عقیدۂ کفر کا اعلان نہ کردے اسے آئین و منطق کی رو سے مسلمان ہی ماننا پڑے گا چاہے کیسا ہی گناہگار رہو۔ لیکن جس طرح زید زندہ ہونے کے باوجود زندگی کے لذائذ و منافع حاصل کرنے کا اہل نہیں رہا ہے۔ اسی طرح وہ مومن بھی جو کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہے ایمان کی لذت اور منافع کثیرہ حاصل کرنے کی جدوجہد سے دستکش ہوگیا ہے۔ سسکتے ہوئے زید کو بحالتِ حیات بھی اگر مُردوں سے بدتر کہنا محاورے میں داخل ہے تو سخت قسم کے گناہوں کے مرتکب کو بے ایمان کہنا بھی محاورے کے اعتبار سے بالیقین درست ہے۔

پھر حقیقت کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھئے تو یہ سمجھنا بھی دشوار نہ ہوگا کہ انسان اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے طغیان و سرکشی کی طرف مائل ہے۔ سورج نصف النہار پر چمک رہا ہو تو ہر طرف اجالا ہی اجالا ہوگا۔ وہ ڈھل جائے تو روشنی کم ہو جائے گی۔ اس پر بادل چھا جائے تب بھی ظلمت کو ہاتھ پیر نکالنے کا موقع ملے گا، اور وہ کامل طور پر گہن میں آجائے تو پھر ظلمت ہی ظلمت کی عملداری ہوگی۔ یہ فطرت کے اٹل قوانین ہیں۔ اسی طرح ایمان اور سرکشی کا معاملہ ہے کہ ایمان کامل ہو تو سرکشی صفر کے درجے میں چلی جائیگی اعمال و عقائد میں اجالا ہی اجالا ہوگا۔ پھر جتنا جتنا خاور ایمان ڈھلتا جائیگا اور اس پر ابر فراموشی کی سیاہ گھٹا چھاتی جائے گی اسی تناسب سے سرکشی بھی بڑھتی جائے گی۔ حتیٰ کہ جس کی سرکشی نے کبیرہ گناہوں کو دلچسپ مشغلہ بنا لیا اس کے متعلق یہ کہنا بالیقین درست ہوگا کہ اس کا نیّرِ ایمان کامل طور پر گہنا گیا ہے۔ چاند اور سورج گہن میں آکر اپنی روشنی کھو دیں تو پھر ان کا عدم وجود برابر ہے مومن و مسلم اگر معاصی کبیرہ پر جری ہو جائے تو ایمان کا ہونا نہ ہونا اثرات و ثمرات کے اعتبار سے یکساں ہی ہوگا۔ گویا ایمان آئینی اعتبار سے ہے بھی مگر اثرات و مظاہر کے لحاظ سے نہیں بھی ہے۔

ایک اور جگہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جب مومن زنا یا چوری وغیرہ میں مبتلا ہوتا ہے تو ایمان سے نکل جاتا ہے۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ایمان اور معاصی کبیرہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ سورج روشن بھی ہو اور فضا میں ظلمتیں بھی بکھری رہیں۔ ظلمت بجائے خود سورج کے ڈھل جانے، گہن میں آجانے اور غروب ہو جانے کا ثبوت ہے۔ اسی طرح اللہ اور رسول کی کھلی نافرمانی ایمان کے اضمحلال اور نزع کا ثبوت ہے، اور جب نافرمانی ذہنی بغاوت کا رخ اختیار کرلے تو سمجھ لو کہ آفتاب ایمان ڈوب گیا اور کفر و ارتداد کی پر ہول تاریکی چھا گئی۔

حاصلِ تفہیم یہ ہے کہ جو شخص خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی فاقے میں مبتلا ہو وہ صرف سنگدل، بے حس اور بد اخلاق ہی نہیں ہے حقیقتہً مومن بھی نہیں ہے۔ وہ ایسا بدنصیب شخص ہے جس سے اللہ کے رسول ناخوش ہیں، اسے آخرت میں بڑی شرمندگی اور مصیبت کا سامنا کرنا ہوگا۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جن گناہوں کے مرتکب کے بارے میں اللہ کے سچے رسولؐ یہ فرماتے ہیں کہ وہ مومن نہیں ہے، یا وہ ہم میں سے نہیں ہے تو اگرچہ اسے قانون کے دائرے میں مومن ہی شمار کیا جائے گا، وہ ایک نہ ایک دن جنت میں بھی جائے گا اور اللہ ارحم الراحمین کی اجازت سے سرکار رسالت اس کی شفاعت بھی فرمائیں گے لیکن مغفرت اور شفاعت کی منازل رفیع سے قبل محشر میں اسے جن زہرہ گداز آلام و مصائب اور ہولناک آفات و شدائد سے گذرنا پڑے گا ان کا ادراک و احساس اگر اسے آج ہی یا بائدار زندگی میں ہو جائے تو قسم ہے وحدۂ لاشریک کی وہ ان افعالِ ذمیمہ کے ارتکاب سے ہزار درجہ بہتر اسے سمجھے کہ اس کی بوٹی بوٹی کاٹ کر چیل کووں کو کھلا دی جائے۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص

اگر گھنٹے دو گھنٹے کی تکلیف ہو۔ اور دوسری طرف غیر متعین طویل مدت کا عذابِ الیم تو ہر شخص یہی پسند کرے گا کہ پہلے کو قبول کرے اور دوسرے سے پناہ مانگے۔

مگر دقت یہی ہے کہ عذابِ آخرت کا کوئی جاندار شعور ہم بدنصیبوں میں نہیں پایا جاتا اور باوجود مومن ہونے کے ہمارا آفتابِ ایمان اس طرح گہنا گیا ہے کہ ہمارے اعمال و حرکات میں سیاہی ہی سیاہی نظر آتی ہے۔ ہم خوش ہوتے ہیں کہ اس پیغمبر کی امت ہیں جو شفیع المذنبین ہے۔ ہم مطمئن ہیں کہ ایمان و اسلام کے طفیل آخر کار ہمیں جنت مل کر رہے گی۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ قبر سے لیکر مغفرت تک ہم پر کیا بیتے گی۔ کیسے کیسے لرزہ خیز شدائد سے ہمیں گذرنا ہوگا۔ مانا کہ چوری اور جعل سازی کی سزا پھانسی نہیں، لیکن مہینوں اور سالوں کی قید و بند بھی تو کوئی خوشگوار چیز نہیں جسکی ایک صحیح العقل آدمی پرواہ ہی نہ کرے دنیا کی قید و بند اور صعوبتیں تو پھر بہت ہلکی ہیں۔ قبر اور یوم الحساب کی سختیاں ایسی خوفناک ہوں گی کہ ایک ایک ساعتِ عذاب کو آدمی حیاتِ دنیاوی کی دس دس سالہ مشقت سے زیادہ اذیت ناک تصور کرے گا۔ پھر یہ بھی نہ سمجھئے کہ جہنم محض کافروں کے لئے بنایا گیا ہے۔ کتنے ہی بدنصیب مسلمان ہوں گے جنہیں ہمیشہ کے لئے نہ سہی مگر تھوڑی مدت کے لئے ضرور آگ میں ڈالا جائے گا، آگ میں جلنا اور تڑپنا بڑی ہی بات ہے۔ یہی دیکھ لیجئے کہ دنیا میں فقط ایک چنگاری بدن پر آپڑتی ہے، یا زبان لپکاتے شعلوں کا ایک لوکا جسم کو چھو جاتا ہے تو آدمی کیسا ناچا ناچا پھرتا ہے، کیسی واویلا مچاتا ہے، تب وہ عالم کتنا مہیب ہوگا جب دہکتی ہوئی آگ میں آدمی ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپے گا اور یہ آس بھی نہیں ہوگی کہ دس پانچ منٹ میں موت اس کرب و اذیت کا قصہ تمام کردیگی وہاں موت کہاں۔ جینا اور مجبوراً جینا، تڑپنا اور پیہم تڑپنا۔ پناہ خدایا تیری ہزار بار پناہ۔

---

ایک بات حدیثِ بالا سے یہ بھی مترشح ہوتی ہے کہ مسلمان کے لئے صرف اتنا ہی ضروری نہیں ہے کہ پڑوسی کو اگر فاقے سے دیکھے تو کھانا کھلا دے بلکہ یہ بھی اس کا فرض ہے کہ پڑوسیوں کے حال سے باخبر رہنے کی کوشش کرے۔ اللہ کے رسولؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ پڑوسی کو بھوکا دیکھو تو کھانا کھلا دو، یہ فرمایا ہے کہ شکم سیر مسلمان کا ہمسایہ اگر فاقے سے ہے تو یہ شکم سیر مومن نہیں ہے۔ اب چاہے یہ صورت ہو کہ ہمسائے کا فاقہ اس شخص کے علم میں ہو اور پھر بھی اس نے پرواہ نہ کی ہو، یا یہ صورت ہو کہ پڑوسیوں سے بے تعلقی اور لاپرائی کے باعث اسے پتا ہی نہ رہتا ہو کہ کس پر کیا گزر رہی ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں وہ اس حدیث کا مصداق ہوگا۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پہلی صورت مقابلۃً زیادہ شقاوتِ قلبی کی مظہر ہے۔ ونعوذ باللہ من قساوت القلوب۔

# پڑوسی کو اذیت دینا بدترین گناہ ہے

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :۔

قیل النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم، یا رسول اللہ فلانۃ تقوم اللیل وتصوم النہار وتفعل وتصدق وتؤذی جیرانہا بلسانہا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاخیر فیہا ھی من اھل النار قالوا وفلانۃ تصلی المکتوبۃ وتصدق بأثوار ولا تؤذی احدا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھی من اھل الجنۃ۔

(اخرجہ احمد والبزار والحاکم وابن حبان فی صحیحہ واخرجہ ابوداؤد من طریق اخر واخرجہ احمد والبیہقی مرفوعاً بلفظ اخر)

ترجمہ :۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ فلاں عورت راتوں کو نماز پڑھتی اور دن میں روزے رکھتی ہے، اور اچھے کام کرتی ہے اور صدقہ و خیرات میں بھی پیش پیش ہے، لیکن اپنی بدکلامی سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے جواب دیا۔ "اس کی عبادت و ریاضت میں کوئی بھلائی نہیں وہ تو جہنمی ہے"۔

پھر عرض کیا گیا کہ فلاں عورت بس نماز فرض ادا کرتی ہے اور فقط رمضان کے روزے رکھتی ہے اور صرف پنیر کے ٹکڑے خیرات کرتی ہے مگر کسی کو ایذا نہیں پہنچاتی۔

سرکارِ رسالت نے جواب دیا ـــــ "وہ جنتی ہے"۔

## تفہیم:۔

اس حدیث میں بڑا سبق ہے ـــــ اور صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے کس ارشاد میں سبق نہیں ہوتا۔

موضوع کی حد تک تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ پڑوسی کو ستانا اتنا زبردست گناہ ہے کہ اس کے ہوتے ساری نیکیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ بڑا نادان ہے وہ شخص ـــــ مرد ہو یا عورت ـــــ جو دن رات تو عبادت کرے مگر کسی ایسے فعل کا بھی ارتکاب کرتا رہے جو اس کی ساری عبادت کو مٹی میں ملا دے۔

موضوع سے ذرا آگے بڑھ کر اس سے ایک ایسی غلطی پر تنبیہ ہوتی ہے جس میں عام طور پر لوگ مبتلا ہوتے رہے ہیں اور آج تو یہ ابتلاء بہت ہی عام ہے۔ آپ کتنے ہی آدمیوں کو دیکھیں گے کہ نہ صرف فرض نماز و روزے کے پابند اور حج و زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے والے ہیں بلکہ عبادات نافلہ میں بھی سرگرم ہیں۔ تہجد پڑھتے ہیں نفل روزے رکھتے ہیں۔ غریبوں کو سہارا دیتے ہیں، اوراد و وظائف سے شغل رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ شوقِ عبادت کی رو میں نئے نئے مشاغل بھی نکال لیتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف وہ یہ جائزہ لینے کی بالکل فکر نہیں کرتے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری زندگی کے کسی شعبے میں ایسی کوئی معصیت پرورش پا رہی ہو جو سارے ہی اعمالِ خیر کو بے اثر کر کے رکھ دے۔

یا بعض لوگوں کو یہ تو علم ہوتا ہے کہ ہماری فلاں حرکت گناہ ہے لیکن اس حرکت کو چھوڑنے کی بجائے وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ اتنی بہت ساری نیکیوں کے ہوتے یہ ایک گناہ ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔

یہ دونوں شکلیں بڑی خطرناک ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ اللہ جل شانہٗ نے کیا فرمایا:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ (الحجرات)

اے اہل ایمان! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور ان سے اس طرح زور سے بات کر کے بے تکلف مت ہو جس طرح آپس میں ہوتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یہاں نہ یہ شرط لگائی گئی کہ زور سے بولنا گستاخی کی نیت سے ہو، نہ یہ کہا گیا کہ آواز میں درشتی اور تندی ہو۔ بس یہ تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اتنی سی بات بھی تمام اعمال کو برباد کر کے رکھ سکتی ہے کہ صحابی اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند کرے اور ان سے اس طرح بے جھجک بے تکلف اور مساوی انداز میں کلام کرے جیسے ہم سب آپس میں کرتے ہیں۔ گویا عزم گناہ کے بغیر بھی بعض قبیح اقوال و اطوار زندگی بھر کی نکوکاری پر پانی پھیر سکتے ہیں تو ایسا کوئی عمل تو اور بھی زیادہ حبطِ اعمال کا باعث بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جس کے پیچھے عزمِ گناہ بھی موجود ہو۔ ریاضی کا فارمولا نہیں ہے کہ نیکیوں کی گنتی برائیوں سے بڑھ گئی تو لازماً ساری برائیاں نظر انداز کر دی جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ صرف ایک ہی نیکی اللہ غفور رحیم کے یہاں ایسی مقبول ہو جائے کہ بندے کی [illegible] کے تمام انبار وں کو وہ اپنی رحمت کے سمندر میں غرق کر کے اسی ایک نیکی کے عوض مغفرت سے نواز دے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فقط ایک معصیت کے سبب سے آدمی کا سارا کیا کرایا اکارت ہو جائے اور اسے شعور بھی نہ ہو کہ اللہ کی جناب میں اس کی ساری فردِ عمل پر کالک پھر گئی ہے۔

حدیثِ بالا سے یہ تنبیہ بھی واضح ہے کہ جن نفل عبادات کا ترک بھی جائز ہے ان کی ادائیگی کے اہتمام سے کہیں زیادہ ضروری اس بات کا اہتمام کرنا ہے کہ ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے جو حرام و منکر کے دائرے میں آتا ہو۔ پڑوسی کو ایذا دینا تو سخت قسم کا منکر ہے ہی۔ اللہ کے کسی بھی بندے کو ناحق ایذا دینا ممنوع و حرام ہے۔ فرض کر و تم حج کو گئے ہو۔ بے شک اللہ اور رسول کے گھروں میں جتنی بھی عبادات نافلہ ادا کرو گے، فائدے ہی میں رہو گے۔ لیکن بہت زیادہ نظر اس بات پر رکھو کہ حجاج کے اژدہام میں کسی بھی موقع پر اپنے سے کمزور لوگوں کو دھکا مت دو۔ آگے پیچھے مت [illegible]

ایسی بات مت کہو جو دل دکھانے والی ہو۔ بظاہر یہ نہایت معمولی نصیحت ہے لیکن کوئی تعجب نہیں کہ دوسروں کو پہنچائی ہوئی کوئی ذرا سی اذیت ہی تمہارے بیج کو لے ڈوبے۔ تمہاری ساری محنت پر سیاہی لیپ دے۔

حدیث میں ایک طرف وہ عورت ہے جو صائم الدہر اور قائم اللیل ہے۔ گویا ظاہری اعتبار سے پوری زاہدہ ہے۔ سخی بھی ہے تہجد گزار بھی۔ لیکن اس کی قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان پڑوسیوں کے دل زخمی کرتی رہتی ہے۔ تو اللہ کے رسولؐ نے فرمایا۔ اور انھوں نے فرمایا تو گویا اللہ نے فرمایا کہ اس بدنصیب کو دوزخ کا ذائقہ چکھایا جائیگا

اور دوسری طرف وہ عورت ہے جو محض فرائض ادا کرتی ہو پانچ وقت کی نماز پڑھ لی، رمضان میں روزے رکھ لئے۔ صدقہ و خیرات میں بھی فراخ دل نہیں، پنیر جیسی معمولی چیز دیدی بس۔ مگر یہ ضرور ہے کہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی، زبان کے تیر نہیں چلاتی، دل نہیں دکھاتی، تو اللہ کے رسول نے فرمایا وہ جنتی ہے۔ اللہ اکبر دلآزاری اور ایذا دہی کتنا بڑا گناہ ہے۔ خصوصاً پڑوسیوں کا دل دکھانا تو اتنا ہولناک گناہ ہے کہ شاید نماز اور روزے بھی اس پر بازی لیجا سکیں۔

یہاں اس نامتبوع صورت حال پر بھی اشارہ ہوا جو آجکل تو بہت زیادہ پائی جا رہی ہے۔ تم کتنے ہی لوگوں کو دیکھتے ہو وہ نوافل بھی پڑھتے ہیں، تسبیح سے بھی غافل نہیں، دعائیں بھی خاصی لمبی مانگتے ہیں لیکن نماز با جماعت کے بارے میں متساہل ہیں، یا سنن ضروریہ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ نہ رکوع درست، نہ سجدہ شایانِ شان رکوع کے بعد ٹھیک طرح سیدھا کھڑا ہوتا؟ اور دونوں سجدوں کے درمیان ڈھنگ سے بیٹھنا انھیں بالکل پسند نہیں۔ قیام اتنا مختصر کہ ابھی کھڑے ہوئے اور ابھی تمہاری پلک جھپکی تو رکوع میں ہیں۔

یہ کچھ ایسی ہی صورت حال ہے جیسی اس حدیث میں پائی جاتی ہے۔ نوافل اور تسبیحات اور لمبی دعائیں ایسے امور ہیں جن کا ترک معصیت ہو لیکن ان کا انھیں خاص خیال ہے۔ اس کے برخلاف نماز کو ڈھنگ سے نہ پڑھنا اور قیام و قعود میں تو چل میں آیا کا انداز اختیار کرنا اتنی بڑی کوتاہی ہے کہ بعید نہیں ان کی ناقص نمازیں حشر کے دن ان کے منھ پر ماردی جائیں اور داور محشر ارشاد فرمائے کہ اے نادانو تم فرائض واجبات میں زیادہ وقت نہیں لگا سکتے تھے تو ایسا کیوں نہ کیا کہ نفل نمازوں اور تسبیحوں میں خرچ ہونے والا وقت فرائض و واجبات میں لگا دیتے، نوافل کا تم نے التزام کیا مگر فرائض و واجبات کی ادائگی میں بیدلی اور تعجیل کی روش اختیار کی۔

ایسے بھی لوگ عام ہیں جو مسطور عبادات کی بڑی پابندی کرتے ہیں، اوراد و وظائف انکا معمول ہیں۔ بات بات میں اللہ اور رسول کا نام وردِ زبان رہتا ہے لیکن اس کا انھیں کوئی فکر نہیں کہ پڑوسی کس حال میں ہیں۔ یا ذرائع معاش کس حد تک حلال و طیب ہیں۔ یا صلہ رحمی کے باب میں ہماری کوتاہیاں کہاں تک جا پہنچی ہیں۔ ان کا حال تقریباً اسی عورت جیسا ہے جس کے جہنمی ہونے کی خبر اللہ کے رسول نے دی۔ تمثیل کی زبان میں یہ ایسے لوگ ہیں جو صحت و قوت کی دوائیں تو نہایت اعلیٰ قسم کی استعمال کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ایسی غذاؤں کے استعمال سے بھی نہیں چوکتے جو جگر اور معدے کے لئے برباد کن ہیں۔ جگر اور معدہ ماؤف ہو جائے تو ہر غذا بے کار اور ہر ٹانک لاحاصل ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ قیمتی سے قیمتی کھانے کی بڑی سے بڑی دیگ کو زہر کی ایک بوند قطرے کی ایک پھونک اس قابل بنا دیتی ہے کہ سوائے پھینکنے کے اس کا کوئی مصرف باقی نہیں رہ جاتا اسی طرح عبادات کا بڑے سے بڑا ذخیرہ بھی یکسر فاسد ہو سکتا ہے اگر کسی معصیت کا گھن اسے لگا ہوا ہو۔

---

ایک سبق اس حدیث سے یہ بھی ملا کہ کسی مرد یا عورت کی برائی اس کے پیٹھ پیچھے اس مقصد سے کرنا کہ اس برائی کی شرعی حیثیت معلوم ہو۔ غیبتِ محرمہ کے دائرے میں نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ ایک متعینہ عورت کی بدکلامی کا تذکرہ اس کی عدم موجودگی ہی میں صحابہ نے فرمایا تھا۔ اگر یہ حرام توجیبت کی غیبت میں داخل ہوتا تو حضورؐ ضرور تنبیہ اور نکیر فرماتے۔ نہیں فرمائی تو ثابت ہوا کہ صحابہ کا یہ فعل غیبتِ ممنوعہ نہیں تھا۔

پڑوسی کی دلداری کا حضورؐ کتنا لحاظ رکھتے تھے اس کا اندازہ اس روایت سے بھی خوب ہوتا ہے جو امام بخاری نے اپنی الادب المفرد میں لا یؤذی جارہ کے تحت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو کی ٹکیاں پکائیں لیکن ابھی حضورؐ کے سامنے لانے کی نوبت

نہیں آئی تھی کہ پڑوسی کی بکری آئی، اور ٹکیاں منہ میں دبا کر چلتی بنی ام المومنین کو اس پر طیش آیا اور بکری کے پیچھے دوڑیں۔ اس پر اللہ کے رسول فداہ امی وابی نے فرمایا۔

اے عائشہ جو ٹکیاں بکری کے منہ سے چھوٹ کر گر گئی ہوں وہ بے شک تم اٹھا لو مگر اس سے زیادہ کچھ کر کے پڑوسی کو تکلیف پہنچانا

آپ کے الفاظ ہیں لا تؤذی جارک فی شاتہا

(اپنے پڑوسی کو اس کی بکری کے سلسلے میں کوئی دکھ مت پہنچاتا) ہم نافرمان غلاموں کا عموماً یہ حال ہے کہ اس طرح کا واقعہ اگر کہیں پیش آئے تو بکری غریب کے الگ دو ہتھڑ جھاڑیں اور اس کے مالک سے الگ جھگڑا لگا بیٹھیں۔ اور ہماری عورتیں تو خدا کی پناہ۔ ان میں کی اکثر کوسنے کاٹنے اور زبان کے تیر چلانے میں شیطان کے کان کاٹتی ہیں۔

سمجھ لو کہ یہ صرف تمثیل ہے۔ بات بکری تک ہی محدود نہیں پڑوسی کا کتا بھی اگر تمہاری ہانڈی خراب کر جائے۔ تمہاری مرغی کو چیر پھاڑ دے، تو اسے اینٹ پتھر مارنے یا اس کے مالک کو صلواتیں سنانے سے پہلے سوچ لو کہ اللہ کے رسول نے پڑوسی کے کیا حقوق بیان فرمائے ہیں۔ اتنا تو کر سکتے ہو کہ کتے کے مالک سے نرمی اور اخلاق کے ساتھ اس صورت حال کی اصلاح کا التماس کرو۔ وہ اگر تم سے کمزور اور نادار ہے تب بھی غراتے ہوئے مت چڑھ دوڑو صبر وتحمل اور عجز وفروتنی اختیار کرو۔ تمہیں کیا خبر کہ کسی ضعیف ونادار سے۔ کسی کمزور جانور سے۔ حتیٰ کہ بلی اور کتے سے محض اس لئے نرمی اور رحمدلی برتنا کہ تمہارے رسول کی یہی تعلیم یہی اسوہ اور یہی ہدایت ہے۔ تمہاری زندگی بھر کی عبادتوں سے سبقت لیجائے۔ تمہیں وہاں پہنچا دے جہاں کی ضمانت ہزار سال کی عبادتیں بھی نہیں دے سکتیں۔

کبھی غم یک نفس بھی کافی کبھی عبث گریہ مسلسل
خدا کا انعام منحصر ہے نہ ایک آن میں نہ سو برس میں

---

**صحابیات** ان خوش نصیب خواتین کے تذکار مقدس جنہوں نے چشم سر سے اللہ کے آخری رسولؐ کو دیکھا تھا۔ مجلد چھ روپے۔

# رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی

مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ کی معرکۃ الآراء تالیف جو اپنے موضوع پر یکتا سمجھی گئی ہے۔ نیا ایڈیشن، سفید کاغذ، عمدہ طباعت کتابت اور نقشے وانڈیکس کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

جلد پر رنگین ڈسٹ کور۔ قیمت آٹھ روپے

**عمرو بن العاصؓ** اس صحابی رسولؐ، فاتح مصر، تلوار کے دھنی اور بلند پایہ مدبر کی داستان حیات جسے خود اللہ کے رسولؐ نے من [illegible] کے خطاب سے نوازا۔ بے حد دلچسپ، اثر انگیز اور مستند۔ مجلد دو روپے۔

**دعوتِ حق** شعری زبان میں اس تاریخی حقیقت کی سرگزشت کہ "دعوتِ حق" آغاز عالم سے آج تک کن کن مراحل ومنازل سے ہو کر گذری۔ چار روپے۔

**اشرف الجواب** اسلام پر کئے جانے والے نوع بہ نوع اعتراضات کے دلپذیر جوابات حکیم الامت مولانا اشرف علی کی زبان سے۔ مثلاً خدا بغیر زبان کے کیسے کلام کرتا ہے؟ جنت دوزخ کیسے اور کیوں ہیں؟ کیا خدا کافر کی مغفرت پر قادر نہیں؟ وغیر ذٰلک۔ ایک روپیہ۔

**حسنِ یقین** ایک حجازی عالم کے ایمان افروز فرمودات کی تلخیص سلیس وشگفتہ اردو میں۔ اسلامی اقدار وحقائق کی دلپذیر حکیمانہ تفہیم وتشریح۔ مجلد سوا روپیہ۔

**ضبطِ ولادت** وقت کے اس اہم مسئلے پر مولانا مفتی محمد شفیع کے مدلل فرمودات۔

پروفیسر خورشید احمد کے فکر انگیز اور دستاویزی مقدمے کے ساتھ۔ قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

**باندیوں کا مسئلہ** باندیوں سے متعلق ایک کتاب پر مفصل تبصرہ جس سے اس موضوع کے متعدد گوشے ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ۔

**مکتبہ تجلی دیوبند**

# تجلی کی ڈاک

## عناد و تعصب

**سوال ۱:** یکے از باشندگان سوروال (راجستھان)

مولانائے محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مجھے آپ سے کچھ زیادہ واقفیت نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کبھی آپ کا رسالہ تجلی بغور پڑھا ہے۔ مگر مجھے باوثوق ذریعہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے اور مجھے اس پر پورا پورا اطمینان بھی ہے کہ آپ جماعت اسلامی کے آدمی نہیں ہیں اور نہ ہی آپ "کٹر دیوبندی" ہیں۔ آپ بلاشبہ ایک غیر جانبدار عالم دین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں چند مسائل میں آپ کی رہنمائی کا خواہش مند ہوں۔ مجھے پوری پوری توقع ہے کہ آپ ان درج ذیل مسائل میں میری رہنمائی قرآن وسنت کی روشنی میں فرمائیں گے اور میں پوری خندہ پیشانی کے ساتھ آپ کے مشوروں کو قبول کرونگا انشاء اللہ العزیز۔

ہمارے یہاں اس وقت دو مدرسے مسلمانان قصبہ کی طرف سے چل رہے ہیں۔ ایک مدرسہ جو بہت پہلے سے چل رہا ہے اس میں تقریباً چالیس بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں مگر افسوس کہ مدرس صاحب خود علم دین سے کورے ہیں۔ نماز با جماعت کے تارک اور لوز کیرکٹر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مدرسے کے بچے بھی نماز سے بے تعلق ہیں۔ یہ بچے صرف قاعدے اور سپارے و قرآن مجید کی تعلیم اور معمولی اردو کی غیر معیاری تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم بھی انتہائی افسوسناک حد تک ناقص ہے۔ یعنی بے شمار غلطیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس مدرسے کا یہ افسوسناک پہلو ہے۔ دوسرا مدرسہ کوئی سال ڈیڑھ سال سے قائم ہوا ہے۔ اس میں اعظم گڑھ کے ایک نوعمر مدرس کام کرتے ہیں۔ اس مدرسے میں جماعت اسلامی کا مکمل کورس داخل ہے کلاس وار تعلیم ہوتی ہے۔ مگر بچے تقریباً ۲۵ و ۳۰ تک ہیں اور مدرس صاحب بھی باعلم انتہائی نیک اور خوش اخلاق ہیں۔ نماز با جماعت کے پابند اور ہم سب میں برائیوں سے زیادہ محفوظ اور عمدہ کیرکٹر کے مالک ہیں مگر یہ صاحب ہیں جماعت اسلامی کے آدمی۔ اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اس قصبے کی جماعت کے امیر بھی ہیں۔ ان کی عمدہ تعلیم کے اثرات اور انکے اخلاق و پاکیزہ کیرکٹر کے باعث جہاں مدرسے کے بچے بشوق نماز کے پابند ہیں وہیں بڑوں پر بھی ان کا سکہ جمتا جارہا ہے۔ اس وقت خوش قسمتی یا بدقسمتی سے یہی ہماری مسجد کے امام بھی ہیں۔ رمضان میں تراویح بھی انھوں نے ہی پڑھائی ہے۔ مگر چند افراد (جن کی تعداد تین ہے) ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ نماز با جماعت مسجد میں ہورہی ہوتی ہے اور یہ چند افراد مسجد ہی کے اندر کبھی صف میں کبھی پیچھے الگ سے نماز پڑھتے ہیں۔ ان چند افراد کے علاوہ بقیہ نمازی جن کا اوسط ۲۰ کے قریب ہے اور جمعہ میں پچاس ساٹھ کے قریب ہوجاتا ہے، امام پر بالکل مطمئن اور خوش ہیں۔ جو لوگ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ان کا کہنا یہ ہے کہ (۱) یہ امام جماعت اسلامی کا آدمی ہے اور علماء کا

نستوی ہے کہ جماعت اسلامی والوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے (۲) پنج وقتہ نماز اور جمعہ کی نماز یہ ٹوپی پہن کر پڑھاتا ہے۔ صافہ (دستار) نہیں باندھتا (۳) فرض اور سنتیں تو پابندی سے پڑھتا ہے مگر نوافل مسجد کے اندر پابندی سے نہیں پڑھتا، بلکہ اکثر نہیں پڑھتا۔ اکثر یہ ظہر کی دس مغرب کی پانچ اور عشاء کی نو رکعتیں پڑھتا ہے۔ فجر اور عصر پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اس میں نوافل نہیں ہیں۔ (۴) نیاز، فاتحہ، سوئم، چالیسواں وغیرہ کے سلسلے میں اگرچہ یہ دوسروں کو صاف لفظوں میں نہیں روکتا مگر خود ان کا قائل نہیں ہے اور نہ ہی ان کاموں میں شریک ہوتا ہے۔ تقریر اور وعظ وغیرہ میں لوگوں سے درود شریف نہیں پڑھواتا۔ میلاد شریف کو بھی پسند نہیں کرتا ہے۔ (۵) اس کے سر پر اگرچہ انگریزی بال تو نہیں ہیں مگر ہیں اسی کے مشابہ یعنی استرے کے اور مشین کے بجائے، یہ پیچھے کے کچھ بال کنگھی کے ذریعے قینچی سے کٹواتا ہے۔ لہٰذا اس کے پیچھے نماز کس طرح درست ہو سکتی ہے (۶) نمازوں میں یہ مسنون سورتیں نہیں پڑھتا۔ قرآن حکیم سے جہاں سے چاہتا ہے پڑھ دیتا ہے (۷) سردیوں میں یہ چادر اوڑھ کر نماز پڑھاتا ہے اور چادر کا کچھ حصہ اس کے سر پر بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ چادر سر پر اوڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ سنا گیا ہے (۸) جمعہ کے خطبے میں علی خطبے کے اشعار نہیں پڑھتا اس کے بجائے قرآن احادیث سے کچھ باتیں بتاتا ہے۔

یہ ہیں وہ وجوہ جن کی موجودگی میں یہاں کے چند حضرات اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے حتیٰ کہ اس سے سلام و کلام بھی بند کر رکھا ہے۔ جب یہ امام مسجد میں ہوتے ہیں تو یہ چند حضرات مسجد میں بھی سلام کر کے نہیں داخل ہوتے اور دوسروں کو اس کی مخالفت پر اکساتے رہتے ہیں۔

ہمارے یہاں پہلے جو امام رہتے ہم سب ان کو اناج دیتے اور تراویح کے پیسے بھی۔ مگر یہ امام صاحب صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ "میں اپنے لئے کرائے کی امامت کو جائز نہیں سمجھتا"۔ امسال تراویح کے سلسلے میں لوگوں نے غالباً ۲۹ روپے پیش کئے تھے۔ انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ خود لینے کے بجائے اس رقم کو دینی تعلیم کی مد میں یہ کہہ کر عنایت کر دیا کہ "ایسا روپیہ آئندہ میرے ساتھ نہ ہونا چاہئے"

براہ کرم آپ ہمیں واضح لفظوں میں بتائیں کہ ہم کیا رویہ اختیار کریں۔ جہاں تک نیاز فاتحہ سوئم وغیرہ کا تعلق ہے یہ رسمیں ہمارے باپ دادا سے ہوتی چلی آئی ہیں اور بریلی شریف کی کتابوں کے اندر انھیں بالکل جائز قرار دیا گیا ہے۔ ٹوپی پہن کر تو واقعی ہمارے راجستھان میں شاید ہی کوئی نماز جمعہ پڑھاتا ہو۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ میں بالکل تیار ہوں جو مشورہ آپ مجھے دیں گے میں اسے قبول کروں گا اور مجھے توقع ہے کہ یہ چند حضرات بھی اپنے رویہ پر نظر ثانی کریں گے۔ کیونکہ انھیں بھی تو اپنی نماز محبوب ہی ہوگی۔ اگر قرآن و سنت کی روشنی میں آپ کوئی بات کہیں گے تو مجھے امید نہیں ہے کہ یہ حضرات اسے ٹھکرا دیں۔ کیونکہ خدا و رسول سے انھیں بھی بے حد محبت ہے۔ اَن پڑھ یا کم پڑھے ہونے کی وجہ سے شاید کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سک رہے ہیں۔ معاف کیجئے گا میرا یہ استفسار ایک مضمون بن گیا اور جتنے سوالات آپ کی نگاہ میں بے وزن بھی ہو سکتے مگر کیا کیجئے یہی ہم لوگوں کی نگاہوں میں بہت وزنی ہیں کاش آپ یہ عبارتیں بھی بے کم و کاست شائع فرما دیں۔

واضح رہے کہ یہاں پر امامت کا مسئلہ بڑا سنگین انھیں اسباب کی بنا پر بنتا جا رہا ہے۔ اس لئے اگر آپ اسے اپریل کے تجلی میں شائع فرما دیں تو عین نوازش ہوگی۔ ورنہ پھر مئی کے تجلی میں تو ضرور ہی۔

## الجواب :-

قارئین شاید بدمزا ہو گئے ہوں گے کہ اتنا طویل لاحاصل سا خط ہم نے کیوں نقل کیا اور کونسا مسئلہ اس میں ایسا ہے جس پر ہم داد تحقیق دینے بیٹھیں گے۔

لیکن ہم نے بحث و نظر کی خاطر نہیں بلکہ اس نیت سے یہ خط نقل کیا کہ ـــ ہو سکتا ہے اس کے جواب میں جو معروضات ہم پیش کریں وہ ان لوگوں پر کچھ اثر کر جائیں جو اپنی جاہلانہ

حزبیت کے باعث اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ الفتنۃ اشد من القتل۔

اسی وجہ سے ہم براہ راست انھیں ہی مخاطب کرتے ہوئے کچھ کلمات کہیں گے۔ اثر ہونا نہ ہونا اللہ کے ہاتھ ہے۔

---

اے دینی بھائیو! تم جو کچھ کر رہے ہو ہمیں معلوم ہے کہ وہ نیک نیتی ہی سے کر رہے ہو۔ تمھیں علماء پر اعتماد ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمہارے سینوں میں دین کی محبت زندہ ہے۔ یہ مبارک بات ہے لیکن تم یہ بھی ضرور جانتے ہو گے کہ علماء انسان ہی ہوتے ہیں اور انسان خطا و نسیان کا پتلا ہے معصومیت تو بس انبیاء علیہم السلام ہی کی شان ہے۔ تم اگر ہر شما پر نہیں بلکہ اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہو تو دینی معاملات میں تمھیں یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ اللہ اور رسول ﷺ کیا فرما رہے ہیں۔ قرآن اور حدیث کے اردو ترجمے موجود ہیں۔ مسائل بتلانے والی کتابیں بھی نایاب نہیں۔ تمہاری نظر میں اگر عاقبت اور رضائے الٰہی کی کچھ بھی قدر و قیمت ہے تو اردو ہی کی کسی معتبر کتاب فقہ میں یہ دیکھنے کی زحمت ضرور اٹھاؤ کہ جن جہل اور لایعنی وجوہات کو تم نے ترک جماعت اور افتراق و نزاع کا وسیلہ بنایا ہے کیا ان میں سے کوئی بھی اس لائق ہے کہ اس کی بنیاد پر جماعت جیسی ضروری چیز چھوڑی جائے اور عین مسجد میں جو اخوت اسلامی کا سب سے بڑا مظہر ہے وہ نفرت انگیز حرکتیں کی جائیں جن کی اطلاع یہ خط دے رہا ہے۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ کسی بھی معتبر کتاب میں ایسی کوئی چیز نہیں ملے گی جو تمہاری غلط فہمی کا جواز پیش کر سکے۔ تمھیں شاید معلوم نہیں کہ نماز با جماعت کس قدر ضروری چیز ہے۔ سن لو کہ اللہ کے سچے رسول ﷺ نے ایک بار تارکین جماعت کے لئے فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

اور شاید تمھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ نماز فاسق و فاجر کے پیچھے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے صلّوا خلف کل برّ و فاجر (ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہو) جب یہ بات ہے تو اس شخص کے پیچھے نہ پڑھنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے جس کے بارے میں تم نے ایک بات بھی ایسی نہیں بتائی جو گناہ کی فہرست میں آتی ہو۔ یہ جتنے اعتراضات تم نے اٹھائے ہیں ان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ شیطان نے تم پر قابو پالیا ہے۔ شیطان ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ نیکی اور اطاعت الٰہی کے ہر محاذ پر جہاں تک ہو سکے جہالت و طغیان کا غبار پھیلائے اور جس ناپاک مقصد کے لئے اس نے اللہ سے قیامت تک کی زندگی مانگی تھی اسے پورا کرتا رہے۔ تم تو عوام میں داخل ہو۔ شیطان تو بڑے بڑے علماء اور زہاد و عباد کو بہکا لیتا ہے۔ بلکہ انھیں وہ زیادہ بہکاتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ یہ بہکے تو ان پر بھروسہ کرنے والے ہزاروں مسلمان خود بہک جائیں گے اور مجھے فرداً فرداً گمراہ کرنے کی دردسری مول نہیں لینی پڑے گی۔

یہ جو تم دیکھتے ہو کہ علماء نے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف طرح طرح کے فتوے صادر کر دیئے اور دین کو غالب کرنے کا جو ارادہ لے کر یہ جماعت آگے بڑھی تھی اس کی راہ میں اس طرح روڑے اٹکائے کہ کیا کوئی غیر مسلم اٹکائے گا تو یقین کرو کہ یہ بھی شیطان ہی کی دسیسہ کاری ہے۔ ہم خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے پیچھے نماز درست نہ ہونے کے فتوے اتنے ہی غلط اور لایعنی ہیں جتنی یہ بات کہ سورج رات میں نکلتا ہے اور چاند دن میں روشن ہوتا ہے۔ ہماری مولانا مودودی سے کوئی رشتے داری نہیں۔ ہم نے انھیں صرف دیکھا ہے۔ ان سے گہرے روابط بھی نہیں رکھے ہیں۔ ہم جماعت اسلامی کے ممبر بھی نہیں ہیں لیکن ہم نے مولانا موصوف اور جماعت اسلامی کے دیگر رہنماؤں کی کتابیں پڑھی ہیں۔ ان پر غور و فکر کیا ہے۔ انھیں قرآن و سنت کی روشنی میں جانچا ہے۔ ہم تم سے اللہ کو گواہ بنا کر عرض کرتے ہیں کہ فتوے دینے والے علماء جو غلط سلط عقائد ان کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ بالکل درست نہیں ہیں اور ان کی تہہ میں دینی تعصب اور جہل کا کام

کر رہا ہے جس کے بھرے بھرے پیالے شیطان اچھے اچھے عالموں اور دانش مندوں کے حلق میں انڈیلتا رہتا ہے۔ تعصب اور جہالت کا اندازہ اس سے کرو کہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند ہی کے ایک فارغ التحصیل نے مفتی دارالعلوم کو کسی کتاب کی ایک عبارت نقل کرکے بھیجی اور دریافت کیا کہ اسکے لکھنے والے پر شریعت کیا حکم لگاتی ہے۔ اس نے کتاب اور مصنف کا نام نہیں لکھا تھا۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ بہت فطرت لوگ مولانا مودودی کی کتابوں میں سے اسی طرح کے فقرے تراش خراش کر جس طرح یہود و نصاریٰ اپنی کتابوں میں تراشتے خراشتے رہے ہیں علماء کے پاس بطور استفتاء بھیج رہے تھے اور بعض ایسے علماء بھی جن کے زاہد و متقی ہونے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں دھوکے میں آکر گمراہی کے فتوے صادر کررہے تھے۔ ان علماء کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ اصل کتاب کو پڑھیں اور بعد میں اگر کہنے سننے سے پڑھا بھی تو اسی طرح جانب دارانہ ذہن سے پڑھا جس طرح غیر مسلم قرآن و حدیث کو اعتراض کی خاطر پڑھتے ہیں اور ان کی عبارتوں میں انھیں کیڑے ہی کیڑے نظر آتے ہیں۔ تم پہلے سے طے کرلو کہ فلاں کتاب بالکل لغو ہے پھر اسے پڑھو تو اکثر و بیشتر یہی ہوگا کہ اس میں تمھیں لغویت ہی لغویت نظر آئے گی۔ تم جس سے محبت کرتے ہو اس کی چال تو تمھیں قیامت کی نظر آتی ہے لیکن جس سے نفرت کرتے ہو اسکی رفتار میں لنگ اور بھدے پن کے سوا کچھ نہیں دیکھ پاتے۔ یہی حال دوسرے معاملات کا ہے۔

تو دارالعلوم دیوبند کے مفتی صاحب نے سمجھا کہ ہو نہ ہو یہ عبارت مولنا مودودی ہی کی ہے اور انھی کی کسی کتاب سے نقل کرکے بھیجی گئی ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ دیدیا فتویٰ کہ اس عبارت کا لکھنے والا اسلام سے خارج کافر و مرتد ہوا۔ اس کی بیوی پر طلاق پڑ گئی وغیرہ وغیرہ۔ اس افسوسناک داستان کی پوری تفصیل مع تاریخ اور مصدقہ نقول کے تجلی میں آچکی ہے۔ اب جو بعد میں حال کھلا ہے تو یہ کھلا ہے کہ وہ عبارت مولنا مودودی کی نہیں تھی بلکہ ان مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جو علمائے دیوبند کے سرتاج اور مقتداء ہو گذرے ہیں۔ اسے انکی کتاب "تصفیۃ العقائد" سے نقل کیا گیا تھا اور نقل بھی اسطرح نہیں کیا گیا تھا کہ مصنف کے خلاف مقصد مطلب ظاہر ہو بلکہ پوری کتاب پڑھ کر بھی اسی مقصد کی تصدیق ہوتی تھی جو اس پیش کردہ عبارت سے ظاہر ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود مفتی صاحب نے اتنا سخت فتویٰ داغ دیا۔ اسے کہتے ہیں تعصب اور خدا کے خوف سے لاپروائی۔ جب تعصب دماغ پر چھا جاتا ہے تو عقل بیچاری مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے۔

اب سوچ لو کہ جب شریر لوگ مولانا مودودی کی کتابوں سے اسی طرح عبارتیں کاٹ کاٹ کر پیش کریں گے کہ مفہوم کچھ سے کچھ ہو جائے تو آلا بلا فتوے صادر کرنا کیا مشکل ہوگا۔ اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جو اپنی غلطی واضح ہو جانے پر کھلے بندوں اس کا اعتراف کرسکیں۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ جب ان جلد باز مفتیوں کو اطلاع دی گئی کہ آپ نے عبارت کا جو مطلب سمجھکر فتویٰ دیا ہے وہ مطلب مصنف کا ہے ہی نہیں تو ان مفتیوں نے اصل کتاب کو دیکھا اور بجائے اس کے کہ دیانت و صداقت سے کام لیتے ان کے نفسوں نے انھیں اکسایا کہ جس طرح بھی ہو اپنی بات کی پچ کرو ورنہ دنیا کے آگے ہیٹی ہو جائے گی۔ ایسی حالت میں انصاف کا تو کیا سوال تھا انھوں نے کھینچ تان کر وہی مطلب نکال لیا جس سے ان کے فتوے کی صحت ثابت ہو جائے اور مزید خود نمائی کے لئے اور بھی عبارتوں سے ایسے ایسے مطالب اخذ کرکے دکھائے جو لکھنے والے کے حاشیۂ خیال تک میں نہ آئے ہوں گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر تم اسلام اس لئے لائے ہو کہ آخرت میں نجات پاؤ۔ اگر نماز اور روزے کی زحمت اسلئے اٹھا رہے ہو کہ اللہ راضی ہو تو اندھے تعصب اور احمقانہ ضد بازی سے بلند ہوکر تحقیق کرو کہ ایک دیندار امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور فضول قسم کے اعتراضات کی بنیاد پر مسجد میں نفرت و نزاع کے بیج بونا کس قدر ناراضگی رب کا موجب ہے۔

ہم تمہاری ذہنی سطح کا لحاظ کرکے چند کلمات براہِ راست تمہارے اعتراضات کے بارے میں بھی عرض کرتے ہیں۔

(۱) جماعت اسلامی کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کا فتوے

تمام مستند علماء کا نہیں، بلکہ چند چنے چنے علماء کا ہے۔ ان علماء میں بعض نے یہ فتویٰ جلد بازی میں دیا۔ بعض نے فرطِ نفسانیت میں دیا۔ بعض نے کم عقلی میں دیا۔ تم یہ مت سمجھو کہ جس کے سر پر بڑا سا صافہ اور جس کے نام کے ساتھ لمبے چوڑے القاب ہوں وہ عقل بھی اسی پیمانے کی رکھتا ہے۔ یقین کرو کتنے ہی بڑے صافے اور لمبے القاب والے پرلے سرے کے کم عقل بھی ہوتے ہیں اور بعض عقلیں کچھ ایسی دھان پان ہوتی ہیں کہ جتنا جتنا ان پر علم کا بوجھ پڑتا ہے اتنی ہی اتنی وہ پچکتی اور برباد ہوتی چلی جاتی ہیں۔

بریلوی علماء کو دیکھو انھیں خود اللہ تعالیٰ تک یہ یقین دلانے میں کامیاب نہیں ہوئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے، نہ یہ باور کرا سکے کہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر صرف میں ہوں، نہ یہ اطمینان دلا سکے کہ قبروں میں سونے والے بے بس ہیں وہ تمھیں کچھ نہیں دے سکتے۔

اب یا تو نعوذ باللہ اللہ کو غلطی پر مانو یا پھر وہی تسلیم کرو جو ہم کہتے ہیں کہ علم نے ان کی عقلوں کو روشن کرنے کے عوض توڑ پھوڑ کے رکھ دیا ہے۔

(۲) نماز پڑھانے کے لئے دستار باندھنا نہ باندھنا سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ تم دیوبندی علماء کے معتقد ہو یا بریلوی فضلاء کے۔ ان میں سے اکثر کو بلا دستار ہی نماز پڑھاتے دیکھوگے اور ان کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لو کہیں نہیں ملے گا کہ صافہ و دستار کا امامت سے کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی ہے۔

(۳) نوافل بجائے مسجد کے گھر میں پڑھنا مسنون ہے۔ اللہ کے رسولؐ عموماً گھر ہی میں نوافل پڑھا کرتے تھے۔ اب کیا تم یہ بھی کہوگے کہ اللہ کے رسولؐ غلطی کرتے تھے۔

پھر نوافل مسجد یا گھر میں پڑھنے کا آخر امامت سے کیا تعلق ہے۔ تمھیں سوائے شیطان کے اور کس نے اس لا یعنی نکتہ سنجی پر ابھارا ہے۔ نوافل اصطلاح میں کہلاتی ہی وہ نمازیں ہیں جن کی پابندی ضروری نہ ہو۔ جب اللہ اور رسول ہی سے ایک [illegible] کے اور کون اس شخص کو امامت کے ناقابل قرار دے سکتا ہے جو اس چیز کا پابند نہیں ہے۔

(۴) نیاز، فاتحہ، سوئم، چالیسواں سب بدعات و خرافات ہیں۔ مگر چلو تمہارے نقطۂ نظر سے ہم فرض کئے لیتے ہیں ان میں کوئی خرابی نہیں بلکہ ان میں ثواب ملتا ہے لیکن کیا تم قرآن و حدیث سے کسی بھی درجے میں ثابت کر سکتے ہو کہ ان کا قائل نہ ہونا ایسا جرم ہے کہ اسکے مرتکب کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ توبہ استغفراللہ۔ ہمارے اپنے نزدیک تو ان بدعات کی مخالفت ہی کارِ ثواب ہے۔ اور جو ان سے بیزاری کا اظہار نہیں کرے گا گنہگار ہوگا۔ لیکن امام مذکور تو اظہارِ بیزاری بھی نہیں کرتے۔ پھر آخر شیطان کے علاوہ یہ کس کی کارروائی ہو سکتی ہے کہ تمھیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے بدکا دیا۔

درود شریف کا ایک محل ہے اگر ریاکاری مقصود نہ ہو تو ہر آدمی دن میں صدہا بار اپنے طور پر درود پڑھ کر ثواب کما سکتا ہے۔ لیکن وعظ و تقریر میں خواہ مخواہ لوگوں کو درود پڑھوانا اور نمائش کرنا بہت بُری بات ہے۔ ہمارے حضورؐ کا نام گرامی آئے تو بے شک صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کہہ لو مگر اس کے لئے بھی گلے پھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دکھاوا اللہ کو پسند نہیں۔ زیر لب کہہ لو یا دل ہی دل میں دہرا لو وہ اللہ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے جس سے اجر و ثواب کی توقع رکھتے ہو۔ أَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ إِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (تم دل ہی دل میں قول کر دیا زور سے اللہ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے)۔

رہا میلاد۔ تو میلادِ مروّجہ کو ہم بدعت قرار دیتے ہیں اس کے ہزار دلائل بھی ہم نے اور دیگر علمائے حق نے دیئے ہیں۔ تاہم تم اسے کارِ ثواب سمجھتے ہو تو کم سے کم یہ زبردستی تو مت کرو کہ جو تمہارا ہم خیال نہ ہو اس کے پیچھے نماز ہی چھوڑ دو۔ نماز اس شخص کے پیچھے چھوڑی جا سکتی ہے جو واضح طور پر کفر و شرک کا عقیدہ رکھے اور کفر و شرک کے

تک تم قرآن وحدیث میں نہیں دکھلا سکتے۔ یہاں تک کہ صحابیوں اور تابعیوں اور قرون اولیٰ کے کسی بھی مسلمان نے میلاد کا تصور تک نہیں کیا۔

(۵) اگر تم اپنے آپ کو بیغبر نہیں سمجھتے تو ذرا تلاش کرو کہ قرآن یا حدیث میں کس جگہ یہ نادر مسئلہ بیان ہوا ہے کہ جو شخص پیچھے کے بال کنگھی کے ذریعہ قینچی سے کٹوائے اسکے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی۔ قرآن وحدیث تمہاری دسترس سے باہر ہیں تو اپنے علماء وفقہاء ہی کی کسی کتاب میں ڈھونڈو کہ یہ مسئلہ لکھا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں لکھا اور یقیناً نہیں لکھا تو آخر دل سے مسئلہ گھڑتے ہوئے خدا سے کیوں نہیں ڈرتے۔

(۶) نمازوں میں مسنون سورتیں کونسی ہیں یہ تم بتاؤ اور پھر یہ بتاؤ کہ جو ان کا پابند نہ ہو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے؟ اگر نہیں بتا سکتے تو کیوں لایعنی باتوں سے اپنی عاقبت خراب کرتے ہو۔ اللہ اجازت دیتا ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (پڑھو قرآن میں سے جو کچھ تمھیں آسان معلوم ہو) لیکن تمہارا اعتراض ثابت کرتا ہے کہ اللہ تک پر تمھیں اطمینان نہیں۔ اطمینان ہوتا تو جس چیز کی اس نے اجازت دی ہے اس پر اعتراض نہ جڑتے۔ خوب سمجھ لو۔ علمائے حق نے اس بات کو پسندیدہ سمجھا ہے کہ امام پارۂ عم ہی تک محدود نہ رہے بلکہ وقتاً فوقتاً۔ خصوصاً صبح اور عشاء کی نماز میں دوسرے پاروں میں سے بھی رکوع آدھ رکوع پڑھ لیا کرے۔ امام موصوف یہی کر رہے ہیں لیکن تمھیں تو ان کا ہنر بھی عیب ہی نظر آرہا ہے۔ یہ در اصل ایسا ہی ہے جیسے کیمرے کا فوکس بگڑ جائے تو تصویر خراب ہی آتی ہے۔ اللہ نے جس چیز کو قلب کے زیغ (دل کی کجی) سے تعبیر کیا ہے وہ یہی چیز ہے۔

(۷) تم کہتے ہو چادر سر پر اوڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ سنا گیا ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ تم نے سب کچھ سنا ہی کچھ بھی لحاظ ہے تو سنی سنائی پر فیصلے کرنے کے عوض خود پڑھو۔ دیکھو، تدبر کرو۔

(۸) حد ہو گئی۔ تمھیں قرآن وحدیث کی باتوں پر اعتراض اور اشعار کی چاٹ ہے۔ اس سے بڑی دلیل تمہاری کج فکری کی اور کیا ہو گی کہ بعد کا ترتیب دیا ہوا ایک خطبہ تمھیں اللہ اور رسول کے ارشادات سے بہتر معلوم ہو رہا ہے۔ اسے کہتے ہیں ضلال مبین یعنی واضح گمراہی۔ توبہ کرو۔ خدا کی بارگاہ میں رگڑ رگڑ کر عفو طلب ہو۔ رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| ان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ | بہترین باتوں کی کتاب اللہ کی کتاب ہے، اور بہترین راستہ محمد کا راستہ ہے اور بدترین چیزیں وہ ہیں جو دین میں نئی نکالی گئیں اور ہر نئی چیز گمراہی ہے۔ |

+ + + +

## تعویذ

**سوال ۵**— از ابوریحان۔ چپاری۔ ضلع شاہ آباد۔

تجلی کے کسی گذشتہ شمارے میں تعویذ لکھنے کو آپ نے جائز بتایا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا تعویذ لکھنے، گلے میں پہننے، بازو پر باندھنے اور انگوٹھی پر کندہ کر کے انگلی میں پہننے کا جواز عمل نبویؐ اور صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہے؟ کیا تعویذ کو دم کرنے پر قیاس کیا جائے گا؟

ایک حدیث ہے کہ عیسٰی بن حمزہؒ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیمؓ کے پاس گیا ان کا جسم بیماری سے سرخ تھا۔ میں نے کہا تم تعویذ کیوں نہیں باندھتے۔ انھوں نے کہا ہم خدا کے ذریعہ اس سے پناہ چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی چیز لٹکائے یا باندھے وہ اسی کے حوالے کر دیا جاتا

ہے۔ (ابوداؤد) اس حدیث کا کیا مطلب ہوا؟

## الجواب ۲

جن چیزوں کے لٹکانے یا باندھنے کا اس حدیث میں تذکرہ ہے وہ دراصل جاہلیت کے برگ و بار میں سے تھیں۔ گنڈے تعویذ اور ٹوٹکے وغیرہ دورِ جاہلیت کے عرب میں بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کی ذہنی بنیاد تصورات جاہلیہ پر ہوگی اور ان میں اگر کچھ نقوش یا تحریریں استعمال کی جاتی ہوں گی تو ان کا مبنیٰ وہی توہمات و عقائد ہوں گے جن کا خمیر دیوی دیوتاؤں کی عقیدت اور توہم پرستانہ پرواز خیال کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ ان کے بارے میں اگر اللہ کے رسولؐ نے مذکورہ ارشاد فرمایا تو بجا فرمایا۔

لیکن ہم نے جن تعویذوں کے جواز کا قول کیا ہے ان کی نوعیت اور ہے۔ ہمارے علم کی حد تک تعویذوں کے نقوش عموماً آیاتِ قرآنیہ ہی کی تلخیص ہوتے ہیں۔ جیسے ۷۸۶ لکھ کر بسم اللہ مراد لی جاتی ہے اسی طرح تعویذ کے اعداد و نقوش بعض آیات یا احادیث یا کلماتِ عادہ تسبیح کا اشاریہ ہوتے ہیں۔ ان سے اگر منفعت و برکت کی توقع کی جائے تو اصلاً یہ کلامِ الٰہی اور حدیثِ رسولؐ ہی سے توقع ہے جس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔ ہاں جس تعویذ کی بنیاد غیر مشروع تخیلات پر ہو ان کا جواز نہیں ہے، اور تعویذ کی خرید و فروخت کا کاروبار تو بالکل ہی جائز نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# مسائلِ تصوّف

## سوال ۳ :- (ایضاً)

رسالہ المجیب پھلواری شریف (پٹنہ) اپنے ادارئیے میں خانقاہ مجیبیہ کے بزرگوں کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ:-

—" بعض کو ظاہری تعلیم بھی حضور نبویؐ سے ملی اور بعض نے آنحضرتؐ کی جناب میں قرآن کریم سبقاً سبقاً پڑھ کر ختم کیا۔" پھر تحریر ہے کہ "۔۔۔۔ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ چشمِ ظاہر سے نبی کریمؐ سے مشرف ہوتے اور قرآن کریم کا درس لیتے۔ پھر باطنی تعلیم سے نوازے گئے۔" (ربیع الاول ۱۳۹۴ھ)

اب سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات تصوف و معرفت کے خانوادوں کو ظاہری اور باطنی تعلیم اور سبقاً سبقاً قرآن پاک کا درس دے سکتے ہیں اور کیا ایک شخص چشمِ ظاہر سے آپ کی زیارت کر سکتا ہے؟

## الجواب ۳

بعض امور ایسے ہیں جو ہمارے نقد و نظر کے دائرے سے باہر ہیں انھی میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ہمیں تصوف و طریقت کا کوئی عملی تجربہ نہیں اور تجربے کے بغیر وہ باتیں کیسے معلوم ہوں جن کا تعلق علم و فہم سے نہیں تجربے سے ہے۔

جتنا ہم نے پڑھا ہے اس میں تو اس طرح کے اسرار و رموز کی کوئی تصدیق نہیں، لیکن کسی خانقاہ کے بزرگوں کو اگر کچھ سلیبٹی مل جائے اور پھر ان کے سلسلہ کو قائم رکھنے والے بقیہ حیات بزرگوں کو اس کے نتیجے میں وافر معتقدین و متوسلین ہاتھ آ جائیں تو ہمیں اس پر بحث و نظر کی کیا ضرورت۔ کون جانے کس کے ساتھ اللہ اور رسولؐ کا کیا معاملہ رہا۔ ہمیں تیقن کے ساتھ جو باتیں معلوم ہیں وہ بس یہ ہیں کہ انک میت وانھم میتون کی تصریح کے مطابق ایک دن اللہ کا سب سے بڑا رسول بھی اس دارِ فانی سے رخصت ہو گیا تھا مگر اس کے جسدِ اطہر کو مٹی نہیں کھا سکتی کیونکہ وہ نبی تھا۔ فرشتے اس تک ہمارا درود پہنچاتے ہیں اور قسمت والے خواب میں اس کی زیارت کرتے ہیں۔

اب یہ سوالات کہ اس کی روح اور جسم میں فی الوقت کیا تعلق ہے اور وہ اپنے کسی امتی کو عالمِ بیداری میں چشمِ سر سے نظر آ سکتا ہے یا نہیں اور کسی بزرگ کو اس سے سبقاً سبقاً قرآن کی تعلیم کی عظیم سعادت میسر آئی ہے یا نہیں تو اس بحث میں نہ آپ پڑتے نہ ہم پڑتے ہیں۔ واللہ بکل شئی علیم۔

## وہی دیرینہ بیماری ۔۔۔!

**سوال** :۔ از محمد عبدالرزاق ۔ نظام آباد ۔ دکن ۔

ذیل میں جناب شیخ دادے صاحب پیش امام جامع مسجد ایڈپلی تعلقہ بودھن ضلع نظام آباد (آندھرا پردیش) کے چند ارشادات روانہ کئے جا رہے ہیں ۔ براہ کرم اپنے رسالہ کی قریبی اشاعت میں ان کی صحت یا عدم صحت پر مدلل روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں تاکہ یہاں کے لوگوں میں جو بے چینی پھیلی ہوئی ہے دور ہو سکے ۔

(۱) اللہ کے نیک بندوں اور آنحضرتؐ کے وسیلے کے بغیر ہماری نماز و دعا اللہ کے حضور قبول ہی نہیں ہوتی کیونکہ ہم بندے گنہگار ہیں ۔ ہمارے گناہوں کی وجہ سے اللہ ہماری دعا قبول نہیں کرتا اس لئے جب ہم حضورؐ کو وسیلہ ٹھیرا کر دعا کرتے ہیں تو حضورؐ ہمارے لئے اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں ۔ اس لئے ہماری دعا مقبول ہوتی ہے ورنہ ہماری نماز و دعا قبول ہی نہیں ہوتی ۔

(۲) حضورؐ اپنی طبعی موت مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں ۔ اگر حضورؐ مر چکے ہیں زندہ نہیں ہیں تو پھر حج کے موقع پر حاجی مدینہ طیبہ جا کر حضورؐ کی زیارت کیوں کرتے ہیں ۔ کیا صرف قبر کی زیارت کرنے کو حاجی جاتے ہیں ؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضورؐ طبعی موت مر چکے ہیں وہ گمراہ ہے ۔

(۳) جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضورؐ مر چکے ہیں اس کو چاہئے کہ صرف لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور محمد الرسول اللہ کو کلمہ میں سے نکال دے ۔

(۴) حضورؐ فرشتوں کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں؟

**الجواب** :۔

آدمی علم و فہم کے غرور اور خود پسندی کے شکنجے میں پھنس کر جو بھی گل افشانیاں کر گذرے کون اس کی زبان اور قلم پکڑ سکتا ہے ۔ یہ امام صاحب ایسے ہی بزرگوں میں سے معلوم ہوتے ہیں جن کے علم و فہم کو خود بینی و استکبار نے جہل مرکب کی حدوں میں پہنچا دیا ہے ۔

بالترتیب جوابات یہ ہیں :۔

(۱) ایک معمولی علم و عقل کا آدمی بھی جانتا ہے کہ جو احکام و ہدایات بہت ضروری اور اہم ہوتے ہیں انھیں قانون کی کتابوں میں بہت کھول کر بیان کیا جاتا ہے اور ذرا بھی ابہام ان میں نہیں رہنے دیا جاتا ۔ قرآن بھی قانون ہی کی ایک کتاب ہے جس میں سب سے بڑے حاکم نے اپنے احکام و ہدایات کو بندوں کیلئے ثبت فرما دیا ہے اور جو امر و نہی زیادہ مؤکد تھے انھیں اتنی ہی تاکید اور صراحت کے ساتھ نازل کیا ہے ۔ کون نہیں جانتا کہ دعا کی کس قدر اہمیت ہے اور نہ صرف یہ کہ حدیث سے اس کا مخ العبادت (مغزِ عبادت) ہونا منکشف ہے، بلکہ عقلاً بھی اس کی بے حد اہمیت و ضرورت ظاہر و باہر ہے ۔ کون انسان ہے جو قدم قدم پر اللہ سے طلب و التجا کا محتاج نہیں اور کون ہے جسے اپنی خطاؤں کی مغفرت اور مختلف امور میں کامیابی کے لئے دعا کی حاجت نہیں ۔ جب یہ صورت حال ہے تو بالکل ظاہر تھا کہ اگر قبولیت دعا کے لئے کسی کا وسیلہ پکڑنا شرط لازم ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے نہ صرف واضح فرما دیتے بلکہ نماز اور زکوٰۃ کی طرح اس وضاحت کو بار بار نمایاں کرتے، لیکن قرآن آپ کے سامنے ہے الحمد سے والناس تک دیکھ جائیے کہیں بھی اشارہ تک نہیں ملیگا کہ دعاؤں کی قبولیت کا انحصار توسل پر ہے ۔ وہاں تو کہا جاتا ہے :۔

| | |
|---|---|
| وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ ۔ | اور اے محمد! جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں پوچھیں تو کہدے میں قریب ہی ہوں جب کوئی دعا کرنیوالا دعا کرتا ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں ۔ پس چاہیئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھی پر یقین رکھیں ۔ (البقرہ رکوع ۲۳) |

+ + + +

+ + + +

+ + + +

کتنی صاف بات ہے کہ اگر دعا کی قبولیت کا مدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل پر ہوتا تو اس موقع پر بالیقین اسکی توضیح و تاکید کر دی جاتی لیکن نہ یہاں نہ قرآن بھر میں کسی اور

... قرآن میں تو جگہ جگہ انابت الی اللہ اور توبہ و استغفار کی ترغیب آئی ہے لیکن توحید خالص کی سطح پر۔ اور احادیث صحیحہ میں بھی یہی رنگ ہے۔ کسی کے — حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کو بھی قبولیت دعا کی شرط لازم ٹھیرانا دراصل اسی ذہن کی اُپج ہے جو افراط و غلو کی راہ میں آگے بڑھکر مسیحؑ کو اللہ کا بیٹا بنا دیتا ہے۔

دعا کے ساتھ امام صاحب نے "نماز" کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس بوالفضولی کو کیا کہیئے۔ نماز خالصتہً اللہ کی بندگی ہے۔ اس بندگی کے مکلف اور مامور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح تھے جس طرح ہم ہیں۔ اس کی قبولیت اور عدم قبولیت میں کسی کے توسّل کا کیا واسطہ۔ بیشک رسول اللہؐ اور حضرت ابراہیمؑ پر صلوات کو داخل نماز کیا گیا ہے لیکن یہ توسّل نہیں ہے۔ قدر نعمت کا ایک بلیغ اسلوب ہے۔ وہ نعمت جو ہماری ملتکے جد امجد حضرت ابراہیمؑ اور ہمارے برگزیدہ پیغمبر محمد رسول اللہؐ کے مقدس واسطوں سے اللہ نے ہمیں بخشی۔

(۲) حضورؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں یا نہیں اور زندہ ہیں تو زندگی کس نوع کی ہے۔ یہ بحثیں تو علماء میں کافی چلی ہیں اور ان میں اختلاف آراء کی گنجائش بھی ہے۔ لیکن سرے سے یہی نہ ماننا کہ حضورؐ پر طبعی موت وارد ہوئی تھی مبالغہ پرست اور بگڑے ہوئے ذہنوں کی ایجاد ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ رسول اللہؐ کی رحلت پر حضرت عمر فاروقؓ کچھ دیر کے لئے جذبات سے مغلوب ہوگئے تھے اور یقین ہی نہیں کر رہے تھے کہ اللہ کا سب سے بڑا رسولؐ بھی موت کا ہدف ہو سکتا ہے۔ اس پر وہ مرد جلیل سامنے آیا جس سے بڑا صائب نظر اور حق شناس انبیاء کے سوا چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا۔ یعنی پیغمبر کے غار ثور کا ساتھی ثانی اثنین ابوبکر صدیقؓ اور کہنے لگا عمرؓ کیا کہتے ہو۔

| | |
|---|---|
| وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ (آل عمران ع ۱۵) | اور محمدؐ تو بس ایک رسول ہیں۔ گزر چکے ان سے پہلے بہت رسول۔ پھر کیا اگر محمدؐ مر جائیں یا قتل کر دیے گئے تو تم الٹے پیروں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پیروں پھر جائیگا (وہ سمجھ لے کہ) اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ ثواب عطا کریگا شکرگذاروں کو۔ |

\+ + + +

اور اسی وقت حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے یہ الفاظ بھی دہرائے تھے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (بے شک اے محمد تجھے بھی مرنا ہے اور وہ بھی مر جائینگے)

ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر دل و دماغ میں کجی نہ ہو تو قرآن، حدیث اور عقل و ادراک کے دوسرے شواہد سے قطع نظر صرف یہی ایک تاریخی شہادت ان فاسد خیالات کا قلع قمع کرنے کے لئے کافی ہے جو حضورؐ کی طبعی موت سے انحراف پر مشتمل ہیں۔

سمجھنا چاہیئے کہ حضورؐ کا بعد از مرگ کسی قسم کی زندگی سے متصف کیا جانا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ آپ پر کبھی مرگ طبعی وارد ہی نہیں ہوئی۔ موت تو ہر بشر کا مقدر ہے اور حضورؐ بھی بشر ہی تھے۔ دو جداگانہ باتوں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔

(۳) یہ استدلال چٹکلے کی نوع کا ہے۔ محمدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے کا مطلب رسالت محمدیؐ کا اعلان و اعتراف ہے اگر یہ اعتراف اسی بات پر منحصر ہو کہ حضورؐ پر کبھی طبعی موت وارد نہیں ہوئی تو پھر تو تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے یہی عقیدہ ضروری ہوگا کہ انھیں موت نہیں آئی۔ آخر قرآن تو سبھی انبیاء پر ایمان اور اس ایمان کے اعتراف کا حکم دیتا ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ یہ وہ کلمۂ تصدیق ہے کہ اسے جو نہ دہرائے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ پھر ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے موت سے بالاتر ہونے کے کیوں مدعی ہو تمام انبیاء کے بارے میں کہو کہ انھیں موت نے نہیں چھوا۔

[illegible]

ہیں کہ آج بھی کلمہ میں محمد رسول اللہ کہنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ محمدؐ زندہ ہیں تو اگرچہ ہم زندگی کا انکار نہیں کرتے لیکن اسے خوب سمجھ لیجئے کہ رسالت محمدیؐ کے اقرار سے حضورؐ کے زندہ ہونے نہ ہونے کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کا تعلق تو اس بات سے ہے کہ محمدؐ کو رسول بنا کر اللہ نے جو شریعت نازل فرمائی تھی وہ آج بھی اسی طرح واجب التعمیل اور زندہ جاوید ہے جس طرح پہلے تھی۔ حضورؐ کی طبعی موت کا اعتقاد رکھنے سے تو محمد رسول اللہ کو کلمے سے خارج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہاں جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضورؐ پر کبھی موت وارد ہوئی ہی نہیں وہ ضرور اُن آیات کو قرآن سے خارج کر چکے ہوں گے جن میں سے دو کا ابھی ذکر (بزبان صحابہؓ) ہوا اور اسی نوع کی دوسری آیات بھی انکے نزدیک منسوخ و معطل ہوں گی۔ مثلاً:-

| | |
|---|---|
| كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ | ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے |
| اور۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ | زمین پر جو کچھ بھی ہے اسے ضرور فنا ہونا ہے۔ |

تُف ہے اس عقل پر جو محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کو سینے سے لگائے۔

(۴) حضورؐ فرشتوں کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے،

اسے مان لینے میں ہمارا کوئی نقصان نہیں، لیکن اس نکتہ پر ضرور غور کر لینا چاہیئے کہ فرشتے اللہ کی وہ مخلوق ہیں جن میں سرتابی و سرکشی کی صلاحیت ہی نہیں رکھی گئی۔ وہ انس و جن کی طرح اس اختیار سے نہیں نوازے گئے کہ چاہیں تو ربانی احکامات کی تعمیل کر کے ثواب کمائیں اور چاہیں تو بغاوت و معصیت کر کے عذاب کا سامان کریں ایسی حالت میں ان کی طرف رسول مبعوث کرنا تحصیلِ عبث ہوگا۔ رسالت اللہ تعالیٰ کا کوئی کھیل نہیں ہے ایک مقصدی شے ہے۔ رسولوں کے ذریعہ اللہ اپنی ہدایات پہنچاتا ہے۔ تاکہ بندے اپنے رب کو پہچانیں اور عبادت

[illegible]

مکمل مطیع فرمان ہیں لہذا ان کے لئے رسول کی بعثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تاہم اگر کسی کو یہ کہہ کر خوشی ہوتی ہے کہ رسول اللہؐ فرشتوں کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے تو ہمیں اسکے تعاقب سے کوئی دلچسپی نہیں۔

## سالی اور بہنوئی

**سوالؒ:۔** از ابوظفر۔ مقام نامعلوم۔

بہنوئی اور سالی (بیوی کی بہن) کے ساتھ تعلق کی نوعیت کیا ہے جب کہ بیوی بقید حیات ہو۔ سورۂ نساء کی آیت۔ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ (دو بہنوں کو بیک وقت قید نکاح میں لانے کی حرمت پر نص صریح ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا سالی کے ساتھ معاملہ کی نوعیت بھی ویسی ہی ہوگی جیسی دیگر محرمات مثلاً اپنی ماں اور بہن کے ساتھ؟ کیا سالی کے لئے بہنوئی سے پردہ کرنا ضروری ہے جس طرح کسی غیر سے کیا جاتا ہے یا پردے کے حدود میں کچھ نرمی ہے۔ کیا سالی بہنوئی کے ساتھ عام حالات میں سفر کر سکتی ہے۔ کیا عام حالت میں بہنوئی سالی سے جسمانی خدمت لے سکتا ہے۔ مثلاً سر میں تیل ڈالنا یا پاؤں ہاتھ یا جسم دابنا وغیرہ؟ امید ہے بہنوئی اور سالی کے تعلق سے پیدا ہونے والے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو فرمائیے۔

**الجوابؒ:۔**

سالی اور دیگر محرمات میں فرق یہ ہے کہ سالی کی حرمت مشروط ہے اور دیگر محرمات کی غیر مشروط۔ بیوی مر جائے یا اسے طلاق دیدی جائے تو اس کی بہن سے نکاح اسی طرح جائز ہو جاتا ہے جس طرح کسی بھی نامحرم عورت سے۔ لیکن ماں اور بہن اور خالہ وغیرہا کی حرمت دائمی ہے۔ کوئی صورت نہیں کہ کبھی ان سے نکاح کا جواز نکلے۔

سالی کا بہنوئی سے پردہ تو ضروری نہیں ہے لیکن جسمانی

خدمت اور بے تکلفانہ تعلقات میں اُن حدوں کا لحاظ ضروری ہے جن کا لحاظ اسلام باپ اور بیٹی تک کے معاملہ میں کرتا ہے۔ جوان بیٹی اور باپ تک کے مابین اسلام نے کچھ ایسے آداب قیود رکھے ہیں کہ نفس امّارہ اور شیطان کی دراندازی کا امکان بعید سے بعید ہو جائے تو سالی اور بہنوئی کے مابین تو لازماً ایسی تمام احتیاطیں بہت ضروری ہیں جن کے بغیر نفسانیت کو اُبھرنے اور دسیسہ کاری کرنے کا موقع میسر آسکتا ہو۔

بہنوئی اگر شیخ فانی کے درجے کو پہنچا ہوا ہے یعنی اتنا بوڑھا ہے کہ اس میں رجولیت اور جنسی رجحان کا تصور نہیں کیا جاسکتا تو معمولاً نہیں بلکہ ضرورۃً ایک جوان سالی اسکے ہاتھ پاؤں دبا سکتی ہے۔ سر میں تیل ڈال سکتی ہے۔ ہمراہ سفر بھی کر سکتی ہے لیکن جسم دبانے کے ساتھ ضرورۃً کی قیدیوں ضروری ہے کہ بلا سے بہنوئی بوڑھا سہی لیکن سالی تو جوان ہے اور مردانہ جسم کا لمس اس کے اندر جنسی رجحان کو مشتعل کر سکتا ہے۔ یہ اشتعال اگرچہ بہنوئی کی ذات سے غیر متعلق ہو لیکن یہ بجائے خود فتنہ کا دروازہ ہے اور اس کے نتیجے میں عورت کی ذہنی رو غلط راہوں پر بہک سکتی ہے۔

اسلام کے مطلوبہ معیارِ عفت و عصمت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو پھر صرف سالی بہنوئی ہی کے معاملہ میں نہیں تمام ہی مرد و زن کے معاملات میں آدمی خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کونسے روابط درست ہیں اور کون سے نہیں۔ کن مراحل تک اختلاط روا ہے اور کہاں سے انقطاع ضروری ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ حقیقی بھائی اور بہن کو بھی ــــ اگر وہ بوڑھے نہ ہوں۔ اسلام ایک گھر یا ایک کمرے میں بلا ضرورت خلوت گزیں ہونے سے روکتا ہے۔ وہ یہ بھی اجازت نہیں دیتا کہ دونوں پلنگ ملا کے سوئیں یا آپس میں ہاتھا پائی کے انداز کا مذاق کریں حالانکہ بہن اور بھائی کے رشتے کا تقدس بچپن ہی سے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے اور جنسی رجحان کی نمو اس تقدس کی موجودگی میں کافی بعید از قیاس ہے لیکن واقعات شاہد ہیں کہ یہ تقدس مات بھی کھا جاتا ہے جنسی جذبہ ایسی قوی جبلت ہے کہ اس پر کڑی ہی نگرانی کے بند نہ باندھے جائیں تو اس کا طوفان بعض مرتبہ احساسِ تقدس اور ورع و تقویٰ کے بڑے بڑے ایوانوں کو بنیادوں سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اسی لئے ذہنی تقدس کے ساتھ ضروری ہے کہ عملاً بھی اُن آداب و قیود کو ملحوظ رکھا جائے جن سے اس تقدس کو غذا ملتی ہے۔ نہ یہ کہ نفسِ امّارہ کو اُبھرنے اور مشتعل ہونے کا موقع دیا جائے۔

جب بھائی اور بہن کا بھی یہ معاملہ ہے تو نامحرم مرد و زن کے معاملات تو اور بھی زیادہ احتیاط کے محتاج ہیں۔ وہاں تو کوئی ذہنی تقدس بھی نہیں پایا جاتا۔ وہاں جنسی رجحانات کو اُبھرنے اور کھل کھیلنے کی زیادہ آزادی ہے۔ مثلاً سالی اگرچہ اس کی بہن کے زوجیت میں ہوتے ہوئے حرام ہے، لیکن وہ بہن اور ماں جیسی محرم نہیں ہے۔ اس سے بہنوئی کا کوئی خونی رشتہ نہیں۔ اس کے لئے کسی تقدس کا احساس بھی بہنوئی کے قلب و ذہن میں نہیں پایا جاتا۔ اس سے جنسی تعلق قائم کرنے کی وہ نوعیت نہیں ہے جو خدانخواستہ کسی محرم سے ہے۔ لہٰذا اس کے معاملہ میں اور بھی حزم و احتیاط ضروری ہے۔ فافهموا تدبروا!

## ایصالِ ثواب

**سوال :—** (ایضاً)

ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا قرآن و حدیث میں صحابۂ کرامؓ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے اسکے جواز پر کوئی ہدایت ملتی ہے؟ کیا جسمانی عبادت مثلاً نماز روزہ تلاوتِ قرآن وغیرہ کا ثواب مُردوں کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ کسی شخص کی وفات پر رشتہ داروں کا مجلس قرآن خوانی منعقد کرنا کیسا ہے؟ آج کل باقاعدہ مساجد میں قرآن خوانی کا اعلان کیا جاتا ہے اور نمازیوں کو ٹھہرنے اور تلاوت کرنے کی فرمائش کی جاتی ہے۔ کیا یہ مزاجِ شریعت سے مطابقت رکھتا ہے؟ بلکہ اب تو جذبۂ مسابقت اور متقربین کے لئے مواقع فراہم کرنے کا منظر بھی سامنے

آرہا ہے۔ دیگر افراد میں بھی یہ جذبہ پرورش پا رہا ہے کہ ہم بھی اپنے وفات پانے والے رشتہ داروں کے لئے مسجد میں تلاوت کا اہتمام کریں، بلکہ کچھ آگے بڑھ کر اپنے اپنے سلسلے کے بزرگوں کے لئے بھی قرآن خوانی کا شوق پیدا ہو رہا ہے۔ براہِ کرم مسئلہ کی اصل نوعیت نیز رواجی طریقہ پر سیر حاصل تبصرہ فرمائیں۔

**الجواب:۔**

اس موضوع پر ہم اپنے خیالات کا اظہار بارہا کر چکے ہیں۔ علماء کے درمیان اس بارے میں تقریباً اتفاق ہی ہے کہ ایصالِ ثواب کی ایک حقیقت ہے لیکن کیا ہر نوع کی عبادتوں کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جا سکتا ہے یا بعض انواع اس سے مستثنیٰ ہیں؟ یہ مختلف فیہ ہے۔

ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے فرائض و واجبات کے علاوہ جو بھی نیک عمل کرے اس کا ثواب دوسروں تک پہنچانے کے لئے وہ دعا کر سکتا ہے۔ صدقہ و خیرات ہو یا قرآن خوانی یا نفل روزہ نماز۔ اب یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ وہ دعا قبول کرے یا نہ کرے۔ ایصالِ ثواب کا جذبہ ایک اچھا جذبہ ہے جو ایثار، سخاوت اور خاکساری پر دلالت کرتا ہے۔ چھوڑیئے کہ فی الواقع بھی ثواب منتقل ہوتا ہے یا نہیں۔ نہ ہوتا ہوگا تو خود صاحبِ عمل کے حساب میں جمع ہو جائے گا۔ لیکن ذاتی مفاد و غرض سے بلند ہو کر محض دوسروں کے نفع کی خاطر کام کرنے کا مظاہرہ تو اس سے ہوا۔

ہاں بحث طلب یہ ہے کہ ایصالِ ثواب کے صحیح طریقے کیا ہیں۔ تو ان کے بارے میں ہماری رائے وہی ہے جو دوسرے امورِ خیر کے بارے میں ہے کہ ان کی ادائگی خود ساختہ رسوم اور ایجاد کردہ قیود و آداب کی بجائے سادگی اور شرعی توسع کے ساتھ کرنی چاہئے۔ مرحوم کے لئے قرآن پڑھیئے مگر یہ رسم مت جاری کیجئے کہ جب تک دس بیس آدمی یکجا ہو کر قرآن نہ پڑھ لیں مُردہ دفن ہی نہ ہو سکے۔ یہ اجتماعی قرآن خوانی کے لئے نہیں بنیں نہ انکا یہ مصرف قرونِ اولیٰ میں نظر آیا۔ پھر یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو مساجد میں جمع ہو کر قرآن خوانی کی دعوت دی جائے۔ تلاوتِ قرآن عبادت ہے اور عبادتوں میں ہم بس انھی حدود اور دوائر میں رہنے کے قائل ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول اور خلفائے راشدین نے واضح کر دیا ہے۔ یا پھر ائمہ مجتہدین نے قرآن و سنت کی روشنی میں ان پر اجماع کیا ہے۔ ایک جگہ بیٹھ کر بہت سے آدمیوں کا قرآن پڑھنا اس پہلو سے تو مفید کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح بعض وہ لوگ بھی تلاوت کر لیتے ہیں جو اپنے طور پر شاید اس کا وقت نہ نکالتے۔ لیکن یہ فائدہ اس نقصان کے مقابلے میں بہت کم ہے کہ عبادت کا ایک نیا انداز اور نئی شکل نکال کر بدعت کی فہرست میں اضافہ کیا جائے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ جہاں ایک بدعت جنم لیتی ہے وہاں سے ایک سُنت اُٹھالی جاتی ہے۔ یہ فرمودہ سورج کی طرح روشن ہے جس کی بصیرت ماری نہیں گئی وہ جائزہ لے لے کہ جن حلقوں میں بدعات رواج پا گئی ہیں وہاں سنتوں کا وجود ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ ایاکم و المحدثات۔

## خرد کا نام جنوں

**سوال:۔ از احمد حسین۔ آسام۔**

آپ نے تجلی کے ستمبر و اکتوبر کے مشترک شمارے میں عبد الرحمٰن خان الٰہ آبادی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری کے متعلق ارقام فرمایا تھا کہ:۔

> "ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مولانا مودودی کی دینی فکر کو سراہنے والا قیام جیسی بدعتِ صریحہ کا مرتکب ہوتا ہوگا۔"

آپ نے صرف اندیشہ ظاہر کیا تھا مگر حافظ صاحب نے اپنے رسالہ "الوار الاسلام" بابت جنوری ۶۲ء میں ایک اداریہ لکھ کر غیر ارادی طور پر خود ہی انکشاف فرما دیا ہے کہ وہ قیامِ میلاد کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ صاحب

اپنے مذکورہ بالا پرچہ میں "خدارا تفریق پسند علماء سے اسلام کو بچا" کے تحت رقم طراز ہیں :-

"بھدوہی ضلع بنارس میں راقم الحروف (حافظ ابو محمد امام الدین صاحب) ہی کی زیر صدارت ایک جلسۂ سیرت ہوا۔ حضرت مولانا ابو الوفا صاحب شاہجہانپوری بھی اسٹیج پر رونق افروز تھے۔ مولانا صبغۃ اللہ انصاری فرنگی محلی نے تقریر کرتے ہوئے اچانک قیام کر دیا مولانا ابو الوفا بھاگ بھی نہ سکے دوزانو مؤدب بیٹھ گئے سارا مجمع کھڑا صلوٰۃ وسلام پڑھ رہا تھا۔ مولانا بیٹھے تھے، ساتھ دیا صرف جماعت اسلامی کے ایک مقامی ہمدرد نے جو مولانا کے داعی تھے اس وقت مولانا کی پوزیشن اتنی مضحکہ خیز تھی کہ مجھ کو بھی ترس آرہا تھا"

خط کشیدہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ حافظ صاحب موصوف بھی قیام کرنے والوں ہی میں تھے۔ مجھے سخت حیرت اس بات پر ہے کہ مولانا شاہجہانپوری کی اس پوزیشن کو انھوں نے مضحکہ خیز کہا ہے۔ حالانکہ مضحکہ خیز تو حافظ صاحب اور جماعت کا یہ جلسہ کا حال تھا۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ جو بدعت سے اجتناب کرے اس کی اس پوزیشن کو مضحکہ خیز کہا جائے اور جو بدعت پر نکیر نہ کرے بلکہ خود بھی اسی بدعت کا ارتکاب کرے وہ قابل ستائش۔

اللہ اور رسول ؐ کے نزدیک لائق صد آفریں ہے مولانا ابو الوفا صاحب کی یہ پوزیشن جسے حافظ صاحب مضحکہ خیز بتا رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ ایسے لوگوں کی ہمدردی سے جماعت اسلامی بچی رہے جو دعویٰ تو ہمدردی کا کریں مگر اس کے دستور سے انحراف بھی کریں۔ مخالفین جماعت کا یہ الزام کہ جماعت اسلامی والے گفتار کے ذریعہ قرآن وسنت کا ڈھول تو خوب پیٹتے ہیں مگر ان کا کردار قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ میرا خیال ہے کہ حافظ صاحب موصوف جیسے لوگ ہی جماعت کے ہمدرد بن کر دوسروں کو الزام تراشی کا موقع دیتے ہیں۔

## الجواب :-

ہمیں بعض اور ذرائع سے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ حافظ امام الدین صاحب میلاد میں قیام کے قائل بھی ہیں اور عامل بھی۔ جو اقتباس آپ نے ان کے اداریے سے دیا وہ پوری طرح اس کا مظہر ہے کہ قیام کی بدعت انکی نگاہ میں نہ صرف یہ کہ بدعت نہیں بلکہ سراسر محمود اور موجب اجر و ثواب ہے۔

پھر جس عنوان کے تحت انھوں نے یہ سب لکھا ہے وہ بھی اس بات کا مظہر ہے کہ اتحاد و اتفاق اور رواداری کو وہ یکسر غلط معنی میں لے رہے ہیں تفریق و تنفر بے شک نہایت بری شے ہے اور رواداری و فراخ قلبی کے محمود ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن اسے رواداری نہیں ذہنی مرعوبیت کہیں گے اگر آدمی دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنے عقیدے کے خلاف عمل پر آمادہ ہو جائے۔

ہمیں نہیں معلوم امام الدین صاحب جیسے دانشمند اور سرد گرم چشیدہ کے علم و فہم نے کس بنیاد پر یہ بدعت قیام کو مستحسن قرار دے لیا ہے جب کہ معمولی سا غور و فکر بھی اس حقیقت کو منکشف کرنے میں کافی ہے کہ یہ قیام اُسی شجر خبیث کے برگ و بار میں سے ہے جس کی جڑیں افراط و غلو اور شرک کی زمین میں پھیلی ہوئی ہیں۔ آخر صلوٰۃ وسلام کیوقت کھڑے ہو جانے کا اس کے سوا کیا مطلب ہوتا ہے کہ کھڑا ہونے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا یقین رکھتا ہے یہ یقین جس عقیدے کا ماحصل ہے وہ یہی تو ہے کہ رسول اللہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہیں۔ ممکن ہے حافظ صاحب اور بعض دیگر حضرات اس عقیدے کا شعور و احساس نہ رکھتے ہوئے محض تابع اہل کے طور پر ہی قیام کر لیتے ہوں لیکن دنیا کے سب سے بڑے گناہ شرک کی دنائت و قباحت تو اس درجہ ہے کہ محض صورۃً بھی اعمالِ شرکیہ کا ارتکاب

کسی موحد کو گوارا نہ ہونا چاہئے۔

آپ نے درست کہا کہ زیر بحث معاملہ میں مولانا ابوالوفاؒ کی پوزیشن اللہ اور رسولؐ کے نزدیک لائقِ صد آفریں ہے۔ لیکن حافظ صاحب نے بھی اپنے نقطہ نظر سے غلط نہیں کہا ہے۔ وہ اللہ اور رسولؐ اور آخرت کی بات نہیں کر رہے بلکہ خالص دنیاوی نقطۂ نظر سے رائے زنی فرما رہے ہیں۔ دنیا کا حال آپ دیکھتے ہی ہیں کہ اگر رشوت خور محکمے میں ایک ایسا ملازم پھنس جاتا ہے جو رشوت سے گریز کرتا ہو تو اس کی پوزیشن مضحکہ خیز ہی ہو جاتی ہے۔ یا مثلاً ترکی اور مصر و شام میں کوئی داڑھی والا مسلمان پہنچ جائے تو وہاں کے اکثر و بیشتر حلقوں میں خود مسلمان ہی اس کی طرف ایسے مضحکہ اڑانے والے انداز میں دیکھتے ہیں جیسے اس کے ماتھے پر سینگ اُگ آئے ہوں۔

مغرب زدہ سوسائٹی میں ہم جیسا کوئی ملا پھنس جائے تو اس کی پوزیشن واقعی مضحکہ خیز ہو جاتی ہے۔ دور کیوں جائیے اپنے پاکستان ہی میں یہ حال ہو چلا ہے کہ سوسائٹی کے بیشتر حصے میں داڑھی کو استہزاء کی نظر سے دیکھا جاتا ہے خود ہم نے اپنے کانوں سے ایک روشن خیال جوان کا یہ تجیب زیارک سُنا کہ عجیب مصیبت ہے دیوبند سے جسے دیکھو داڑھی لگائے چلا آرہا ہے۔

ہمارے قلب پر بجلی سی گری۔ لیکن تجربے نے بتایا کہ یہ تنہا اس نوجوان کا ذہن نہیں، بلکہ یہ تو تہذیب نوی کی راہ میں تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی پاکستانی سوسائٹی کا وہ عام ذہن ہے جو موسم بہار کے گل بوٹوں کی طرح تیزی سے پھل پھول رہا ہے۔ اب ظاہر ہے ایسے ماحول میں تو ہماری اور ہم جیسے دوسرے داڑھی والوں کی پوزیشن مضحکہ خیز ہی ہو جائے گی۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ اعمال اگر خیالات ہی کا مظہر ہوتے ہیں تو صلوٰۃ و سلام کے وقت کا قیام یقیناً ایک ایسے غلو آمیز عقیدے کا اعلان و اظہار ہے جس کے لئے قرآن و سنت میں کوئی بنیاد نہیں، بلکہ قرآن و سنت جہراً و علانیاً اس کی مذمت کر رہے ہیں۔ اگر حافظ صاحب کو بیچ جیسے دلائلِ قاہرہ دستیاب ہو گئے ہیں جن سے یہ بدعت دائرۂ استحسان میں آگئی ہو تو انھیں اپنے رسالے میں ان کا انکشاف کرنا چاہئے۔ ہمارے نزدیک تو یہ منکرات میں داخل ہے اور منکرات کے بارے میں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے کہ ان کی حتی الوسع مخالفت کرو۔ انھیں ممکن ہو تو زور و قوت سے کچل دو اور نہ ممکن ہو تو کم سے کم زبان ہی سے برا کہتے رہو۔ زبان بھی پکڑلی جائے تو دل میں برا سمجھو۔ اگر دل سے بھی برائی نکل گئی تو ایمان کا کوئی درجہ باقی نہیں۔

اس سلسلے میں اگر دورِ حاضر کے ایک ممتاز اور صاحب تقویٰ عالم مولانا بدر عالم میرٹھی ثم مدنی کا وہ نصیحت نامہ پڑھ لیا جائے جسے "بدعت کیا ہے" نامی کتاب کے تازہ ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ برائی کے باب میں مصالحت اور درگذر کا طرزِ عمل اختیار کرنے والے ایک ہم ہی تو ہی دو بے حسی سے تعبیر نہیں کر رہے، بلکہ اونچے درجے کے اولیاء اللہ بھی ایسا ہی کہتے اور سمجھتے چلے آئے ہیں رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

## گمراہی کے مقدس راستے

### سوال :- (الیتاً)

ایک کتاب "تجلیات مدینہ" ہے جس کے مصنف مولانا الحاج احتشام الحسن صاحب کاندھلوی ہیں جو تبلیغی جماعت کے رکن ہیں اور متعدد تبلیغی کتابوں کے مصنف بھی۔ آپ کا تعلق دیوبندی مکتب خیال سے بھی ہے۔

اسی تجلیات مدینہ کے صفحہ 9 پر وہ حدیث نقل کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے اپنے نور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا اور آپؐ کے نور سے جمیع مخلوقات پیدا کی گئی۔

لیکن آپ نے دسمبر ۶۲ء کے تجلی میں لکھا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے کسی اور کا قول ہے۔

مگر علماء متقدمین اسے حدیث کہتے ہیں لیکن اسکی سند

یں، کتاب ہے۔ علماء کا ایک گروہ اسے ضعیف کہتا ہے تو دوسرا گروہ صحیح کو موضوع کہنے والے بھی علماء گذرے ہیں یہ مجھے معلوم نہیں۔ آپ کو ان کے نام معلوم ہوں تو تحریر کریں۔

اسی کتاب کے صفحہ ۹ پر مصنف نے آداب زیارت مدینہ منورہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ :۔

"جمہور علماء محققین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں۔ رسول اللہؐ اب بھی اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں۔ ان کی حالتوں اور ان کی نیتوں اور ان کے ارادوں اور ان کے دل کے خیالوں سے اللہ رب العزت نے آپؐ کو باخبر کیا ہے اور یہ سب امور آپ پر اس طرح روشن اور واضح فرمائے کہ ان میں کوئی پوشیدہ باقی نہیں رہی۔ پس اس بارگاہِ عالی کی حضوری میں اپنی حرکات وسکنات ونیات وخیالات کی سخت نگرانی اور پوری نگہبانی کرے" الخ

ایسی بے سند باتوں سے اہل بدعت دلیل پکڑ سکتے ہیں کہ دیکھو اللہ کے بتانے سے حضورؐ کو علم غیب حاصل ہے کہ دلوں کے بھید آپ پر منکشف ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے کہ دلوں کے بھیدوں، انسان کے ارادوں اور نیتوں سے اللہ ربّ العزت نے آپؐ کو باخبر کیا ہے۔ قرآن اور سنت میں اس کی دلیل کیا ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ایک دیوبندی مکتبِ فکر کا عالم بھی ایسا لکھ سکتا ہے آخر وہ کون سے علماء محققین ہیں۔ انکا نام کیوں نہیں بتایا گیا۔ ہمارے دیوبندی علماء ہی شرک اور بدعت کی حمایت کرنے لگے تو اس ملک میں شرک وبدعت کی بیخ کنی ناممکن ہے۔

## الجواب :۔

ہم نے دسمبر ۷۵ء میں لولاک لما کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حدیث نہیں کسی امتی کا قول ہے۔ یہی ہم آج بھی لکھتے ہیں اور یہی مرتے دم تک لکھتے رہیں گے۔ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط طور پر کسی قول کی نسبت ہمیں پل بھر کو گوارا نہیں۔ بس چلے تو ایسے تمام اقوال کو دریا برد کر دیں جنھیں غلط طور پر سرکارِ رسالتؐ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

رہی وہ روایت جو آپ نے نقل فرمائی تو اسے اگرچہ بعض علماء نے حدیث کا لقب دیا ہے اور نتائج کو ملحوظ رکھے بغیر صحیح کہہ گذرنے تک کی جرأت کر گئے ہیں۔ لیکن درایت وتحقیق کی گہرائی میں جانے کے بعد اس کا موضوع اور یکسر ناقابلِ اعتبار ہونا اتنا متیقن ہو جاتا ہے کہ ہمیں تو قسم کھا لینے میں بھی تکلف نہیں۔

آخر مطلب کیا ہوا کہ اللہ نے محمدؐ کو اپنے نور سے پیدا کیا؟ محمدؐ بشر تھے۔ بشر آدم کی اولاد ہے۔ آدم مٹی سے پیدا کئے گئے جس پر قرآن بار بار متنبہ کرتا ہے۔ کیا مفہوم ہے اس کا کہ محمد کو اللہ نے اپنے نور سے تخلیق کیا!

جہاں تک اسناد کا تعلق ہے اس روایت کی ایک بھی سند اس لائق نہیں کہ اسے کوئی وزن دیا جائے لیکن سند کی گفتگو تو بعد میں ہو گی پہلے اس کے ناقلین ومبلغین یہ تو بتائیں کہ وہ مطلب کیا لے رہے ہیں۔ کیا انکا منشاء یہ ہے کہ رسول اللہ کو اسی طرح اللہ کا جزء مان لیا جائے۔ جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا مان لیا ہے۔ یا کچھ اور مقصد ہے؟

اس طرح کی روائتوں کو عوام میں پھیلانے کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کی کرم خوردہ توحید کی زندگی بیشترکانہ اوہام کی کچھ اور جونکوں کا اضافہ ہو جائے تبلیغی جماعت کے معظم افراد کی متعدد کتابیں ہماری نظر سے گذری ہیں ہمیں افسوس ہے کہ یہ حضرات روایات کے بارے میں احتیاط نہیں برتتے یہاں تک کہ بعض ایسے بزرگ بھی جن کے علم وفضل قابلِ رشک ہیں روایت وحکایت کے میدان میں درایت کا دامن بالکل ہی چھوڑ کر آگے قدم بڑھاتے ہیں۔

صفحہ ۹ سے جو اقتباس آپ نے دیا ہے وہ بھی اسی نوع کا ہے کہ اس کے سپردِ قلم کرنے والے کے بارے میں سوائے اس کے کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ نہ تو اسے "جمہور علماءِ محققین" کی اصطلاح کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا شعور ہے۔ نہ اسے یہ معلوم ہے کہ جن مریضوں کا وہ روحانی علاج کرنے چلا ہے انھیں مرض کس نوع کا ہے۔ نہ وہ یہ احساس رکھتا ہے کہ کونسی بات کس مخاطب پر کیا اثر کرے گی۔ بس بے معنی ملفوظات کی طرح جو جی میں آیا نشر کرتے چلے گئے۔ اب جتنی آیتیں اللہ نے اپنی مخصوص صفتِ علم کے بیان میں نازل فرمائیں۔ مثلاً اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى وغیرہ وہ سب رسول اللہؐ پر منطبق کرتے چلے جائیے۔ کون ہے جو ان کی زبان و قلم پر پہرے بٹھائے۔

بالکل جھوٹ ہے۔ بلکہ سخت جسارت اور بہتان ہے یہ کہنا کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی نیتوں اور ارادوں تک سے باخبر ہو سکتا ہے۔ جس رسولؐ پر ہم ایمان لائے ہیں وہ تو زندگی میں بھی ایسا نہیں تھا کجا کہ بعد رحلت۔ اس کا اپنی قبر میں زندہ ہونا اور بات ہے لیکن جب حقیقی دنیاوی زندگی ہی میں وہ علیمٌ بذات الصدور نہیں تھا عالم الغیب نہیں تھا۔ مافوق البشر نہیں تھا تو اس بعد کی زندگی میں یہ سب کیسے ہو سکتا ہے جس کے بارے میں حتمی طور پر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس نوع کی زندگی ہے۔ اس کے کیا حدود ہیں۔ اس سے کس طرح کے اوصاف منسوب ہیں۔

اللہ تعالیٰ بے شک اپنے بعض اوصافِ عالیہ کا پرتو بفرقِ مراتب بندوں پر ڈالتے رہتے ہیں۔ انسانی علم، ارادہ، ایجاد، اقدام، یہ سب صفاتِ ربانی ہی کے مظاہر ہیں اس نے اپنے انبیاء کو وقتاً فوقتاً بعض امورِ غیب سے بھی بذریعہ وحی مطلع فرمایا ہے اور غیر انبیاء کو بھی القاء کے طور پر کبھی کبھی مغیبات کا کچھ علم دیدیتا ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا کوئی وصف پورا کا پورا کسی مخلوق کے کالبد میں رکھدے جب کوئی کہتا ہے کہ رسول اللہؐ کو تمام ماکان وما یکون کا علم اللہ نے دیدیا۔ وہ نیتوں اور ارادوں سے بھی باخبر ہیں۔ ان سے کسی کا کوئی حال مخفی نہیں تو اس کا مطلب سوا کیا ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنی پوری کی پوری صفتِ علم رسول اللہؐ کو عنایت کر دی۔ یہ اتنا ہی غلط ہے جتنا یہ عقیدہ کہ مسیحؑ اللہ کے بیٹے تھے۔ اس کی تردید جس طرح قرآن نے مکمل کر دی ہے اسی طرح اللہ کے سوا کسی اور کے غیب داں ہونے کی بھی تردید مکمل کر دی ہے۔ متوخر الذکر کی تاویلیں کرتے ہو تو پھر عیسائیوں کو بھی لم یلد ولم یولد جیسی آیتوں کی تاویل میں معذور مان لو۔ وہ بھی تو اپنے عقیدے کی نت نئی تاویلیں ہی کرتے ہیں۔ وہ بھی تو ایسے ہی نکتے تراشتے ہیں جیسے رسول اللہؐ کو عالم الغیب قرار دینے والے تراشتے ہیں۔ کیا صرف یہ دلیل مسیحؑ کو ابن اللہ قرار دینے کے لئے کافی ہو سکتی ہے کہ مسیح خود ابن اللہ نہیں بن گئے تھے، بلکہ اللہ نے اپنی قدرت سے انھیں بیٹا بنا یا تھا۔ اگر نہیں ہو سکتی تو یہ دلیل رسول اللہؐ کو عالم الغیب بتانے کے لئے کیسے کافی ہو سکتی ہے کہ وہ خود عالم الغیب نہیں بن گئے، بلکہ اللہ نے اپنی قدرت سے بنا دیا تھا!

جب ہم جماعتِ تبلیغی یا فضلائے دیوبند میں سے کسی کی زبان یا قلم سے غالی اور مبتدعانہ خیالات کی تراوشں دیکھتے ہیں تو بے اختیار یہ مصرعہ زبان پر آجاتا ہے :—

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فسادِ عقائد سے بچائے۔ بدعملی تو معاف ہو سکتی ہے۔ لیکن عقائد ہی بگڑ گئے تو کہیں ٹھکانا نہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔

## نزولِ قرآن اور تفسیرِ صدیقی

**سوال ۳۰:**۔ از محمد اشفاق حسین۔ حیدرآباد دکن۔

تجلی دسمبر ۶۲ء میں میرا ایک سوال بعنوان "تفسیر القرآن" قرآن مجید کے نزول سے متعلق شائع ہوا تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں کے ایک عالم صاحب نے اپنی تفسیر بنام "تفسیر صدیقی" میں انزال اور تنزیل کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "قرآن شریف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

دوبارہ پورا ایک دفعہ ہی اترا اور پھر وقتاً بوقت اصلی تبلیغ ہوتی رہی"۔ آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "جس دعوے کو آپ ان (مفسر موصوف) سے منسوب کر رہے ہیں وہ تو دو اور دو پانچ کی طرح غلط ہے"

لیکن حال ہی میں یہاں کے ایک ماہنامے کے فائل دیکھتے وقت "درس تفسیر صدیقی" کے عنوان سے جو کہ مفسر موصوف کے افادات پر مشتمل ہے۔ اسی موضوع پر چند مزید باتیں علم میں آئیں جنھیں ذیل میں نقل کر رہا ہوں:-

"نَزَّلَ اور اَنْزَلَ کے معنوں کا فرق واضح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عربی میں اِنْزَالٌ دفعۃً اتارنے کو کہتے ہیں اور تَنْزِیْلٌ رفتہ رفتہ جزو جزواً اتارنے کو قرآن شریف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پورے کا پورا ایک دفعہ ہی اترا لیکن ظاہری اعتبارات کے مدنظر وقت بہ وقت تھوڑا تھوڑا بغرض تبلیغ بھیجا گیا۔ قرآن کے انزال اور تنزیل کے فرق کی بابت دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا۔ احکام کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو بغرض تشہیر عوام ہوتے ہیں اور ایک صرف مخصوص افراد کو مطلع کرنے کے لئے جسے عرف عام میں "راز" کہا جاتا ہے ان میں سے ہر ایک کا حکم بالکل الگ ہے۔ ایک قانون یا حکم اس کے بنانے والوں کے ذریعہ بن تو جاتا ہے لیکن عوام پر اس کا نفاذ صرف اسی وقت ہوگا جب کہ اس کی تشہیر کی جائے اور اس سے قبل خود واضعانِ قانون یا ارکانِ حکومت بھی جو فی الاصل اس قانون یا حکم سے واقف تو رہتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں کر سکتے اسی طرح حضورؐ پر بھی سارا قرآن یک وقت اتار دیا گیا یا لوح محفوظ پر بھی آپ نے اسے دیکھ لیا۔ لیکن جب تک وہ بحیثیت قانونِ الٰہی بغرضِ نفاذ آپ کے پاس روانہ نہیں کیا گیا اس وقت تک آپ نے اس کا اظہار نہیں فرمایا۔

براہ مہربانی ایک بار پھر تکلیف گوارا فرما کر جواب دیجئے کہ یہ کہاں تک درست ہے؟

**الجواب:-** بڑا دکھ ہوتا ہے اس صورت حال سے کر دیا جاتا ہے "چھوٹا منھ بڑی بات" کا مصداق بنتے ہوئے ایسے بزرگوں پر گرفت اور احتساب کا فریضہ انجام دینا پڑتا ہے جن سے ہم علم، عمل اور عقل ہر چیز میں کم ہیں۔ لیکن جس منصب کو ہم نے اپنے لئے اختیار کیا ہے وہ ہر آئینہ اس کا متقاضی ہے کہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں ذرہ برابر لاگ لپیٹ اور تامل و تساہل سے کام نہ لیا جائے۔ اللہ علیم و دانا ہے کہ بزرگوں پر نقد و جرح کرتے ہوئے ہم ہرگز کسی ذہنی استکبار میں مبتلا نہیں ہوتے مگر یہ بھی ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ دین کے معاملہ میں ہم مرعوبیت کی راہ اختیار کریں

یہ تمہید ہم نے اس لئے اٹھائی کہ ہمیں یاد ہے دسمبر [illegible] میں جب تفسیر صدیقی سے متعلق چند سوالات پر ہم نے کلام کیا تھا تو متعدد خطوط ہمارے پاس ایسے آئے تھے جن میں ہماری اس جرأت کی بڑی مذمت کی گئی تھی کہ بڑے سے بڑے عالم پر زبانِ اعتراض دراز کرنے میں ہم تامل نہیں کرتے اور خود کو خدا جانے کتنا بڑا علامہ تصور کرتے ہیں۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ اپنے آپ کو ہم ایک طالب علم سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے نہ انشاء اللہ مرتے دم تک سمجھیں گے۔ ہاں یہ عیب ہم میں ضرور ہے اور مرتے دم تک رہے گا کہ کسی بزرگ کے ساتھ دس بیس بھاری بھرکم القاب و آداب لگا کر ہمیں ان کی کورانہ نیاز مندی پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ جناب عبد القدیر صدیقی کو شمس المفسرین استاذ العلماء حبر العلوم خاصۃ القرآن علامۂ دہر حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرت مدظلہ لکھا جاتا ہے تو شوق سے لکھا جائے لیکن ہم صرف اس چیز کو دیکھیں گے جو ان القاب و آداب سے چھن کر آئے گی۔ وہ مصفّا ہوگی تو سبحان اللہ اور غبار آلود ہوگی تو نقد سے نہیں چوکیں گے۔

ھُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِہٖ وَعَلَیْہِ تَوَکَّلْنَا۔

اب سوال کا جواب سنیے :-

فاضل مفسر نے انزال و تنزیل کے باہمی فرق میں نکتہ سنجی کرتے ہوئے یہ نہیں سوچا ہے کہ اس کے عواقب و مضمرات کیا ہوں گے۔ وہ اگر ذہنی استحضار اور منطقی شعور سے کام لیتے تو یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ انزال و تنزیل کا بیان فرمودہ فرق ہرگز ایک لطیفے سے زیادہ نہیں ہے۔ پھر بطور استدلال جو تفصیل انھوں نے پیش کی ہے وہ تو اور بھی لایعنی ہے۔ انھیں یہ بھی مستحضر نہیں رہا کہ قرآن میں صرف احکامات ہی نہیں ہیں اخبار بھی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر پہلے ہی پورے مضامین قرآن سے باخبر ہو گئے تھے تو ان کا کوئی طرز عمل کسی بھی وقت ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا جو ان اخبار سے ناواقف ہونے پر دال ہو۔ تفصیل ہم ابھی پیش کریں گے۔ پہلے یہ دیکھئے کہ انزال و تنزیل کا جو فرق انھوں نے بیان کیا ہے اسکے لئے لغت عربی میں کوئی سند ہے۔ اگر ہے تو تفسیر میں اسے پیش کرنا چاہیئے تھا۔ نہیں پیش کی تو ظاہر ہوا کہ بنیاداً ہی ان کا دعویٰ بے ثبوت ہے۔

پھر لغت کو بھی چھوڑیئے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کی مختلف آیتیں ایک دوسرے کی مفسر ہوتی ہیں۔ قرآن نے جن الفاظ کو جن جن معانی میں استعمال کیا ہے وہ اپنی سند خود آپ ہیں اور ان کے مقابلے میں ہر دوسری سند ثانوی درجہ رکھتی ہے۔ اب ذرا آپ قرآن اٹھا کر دیکھیں تو پچاسوں جگہ انزال کے صیغوں کا استعمال دیکھیں گے۔ لیکن مشکل ہی سے کچھ مقامات پر دفعتہً اتارنے کا مفہوم پیدا کر سکیں گے۔ بیشتر جگہ یہ باب خالی اُتارنے کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ عام اس سے کہ وہ اُتارنا دفعتہً ہو یا تدریجاً۔

ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں :-

(۱) قرآن کے شروع ہی میں متقین کی صفت بیان ہو رہی ہے :-

| | |
|---|---|
| وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۔ | جو ایمان لائے اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے (انبیاء پر) نازل کیا گیا۔ |

اب غور کیجئے۔ اُنْزِلَ دونوں بار انزال ہی سے آیا ہے نہ کہ تنزیل سے۔ صدیقی صاحب کے دعوے کے مطابق انزال سے مقصود اُس قرآن کی طرف اشارہ ہوتا ہے جسے نزول سے قبل پیغمبر کو عطا کر دیا گیا تھا یا پیغمبر نے اسے لوح محفوظ پر دیکھ لیا تھا۔ یہ بعد میں نجماً نجماً نازل ہونے والا قرآن مقصود ہو تو انزال نہیں تنزیل کا باب استعمال ہونا چاہیئے۔

مگر ملاحظہ کیجئے۔ اس آیت میں تو صاف طور پر اسی نجماً نجماً نازل ہونے والے ہی قرآن کا ذکر ہے۔ اسی قرآن پر ایمان لانا مومنین کے لئے ممکن تھا اور اسی پر وہ ایمان لائے۔ اگر انزال میں دفعتہً اُتارنے کا مفہوم شامل ہوتا تو یہاں اُنْزِلَ نہیں نُزِّلَ ہونا چاہیئے تھا۔

(۲) صدیقی صاحب کے دعوے کا اقتضاء تھا کہ اللہ تعالیٰ جہاں کہیں اس نجماً نجماً نازل ہونے والے قرآن کا تذکرہ کریں باب تنزیل کا صیغہ استعمال فرمائیں۔ کیونکہ باب انزال سے تو صدیقی صاحب کے دعوے کی رو سے وہ دفعتہً نازل ہونیوالا قرآن مراد ہوتا ہے جس کا کوئی تعلق عام بندوں سے نہیں، بلکہ صرف محمدؐ کے لئے اسے مخفی طور پر دفعتہً نازل کیا گیا۔

لیکن کثیر آیات میں سے صرف چند آیات ملاحظہ کیجئے۔ جن میں یہ اقتضاء پورا نہیں ہوا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (یہ اسلئے کہ وہ کفار ناپسند کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے نازل کیا) وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ اس چیز پر جسے اللہ نے نازل کیا) اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ (فرماں برداری کرو اس کی جو تم سب کی طرف نازل کیا گیا) وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ (اور چلو اس عمدہ بات پر جو تم سب کی طرف اُتری) اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا (ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی)

ایسی ہی کسی آیتیں قرآن میں دیکھ ڈالئے۔ اظہر من الشمس ہے کہ ان میں نازل شدہ شے سے وہی آیات مراد ہیں جو وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہی ہیں اور سالہا سال میں قرآن کی مکمل شکل اختیار کر سکی ہیں۔ نہ کہ وہ قرآن جو حضورؐ کو بقول صدیقی صاحب پہلے ہی مخفی طور پر دیدیا گیا تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً وہی ہے وہ جس نے آسمان سے پانی نازل کیا، اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً — اور — وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ بارش سے قبل بادل آتے ہیں۔ ہوائیں چلتی ہیں۔ آثار ظاہر ہوتے ہیں تب کہیں جاکر بارش ہوتی ہے اور بارش بھی ہمیشہ یکبارگی دھواں دھار نہیں ہو جاتی۔ بار ہا بونداباندی ہوتی ہے۔ برائے نام ترشح جاری رہتا ہے۔ اگر انزال کا مطلب کسی شے کو دفعتہً پورا کا پورا اُتارنا ہوتا تو بارش کے لئے یہ باب کبھی استعمال نہ ہوتا۔ وہ نہ تو ہمیشہ دفعتاً آتی ہے نہ تمام بارش کا یکلخت نازل کر دینا کوئی مفہوم رکھتا ہے —— پھر یہ بھی دیکھ لیجئے کہ اسی بارش کے لئے قرآن نے باب تنزیل بھی استعمال فرمایا ہے۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اس سے معلوم ہوا کہ انزال و تنزیل دونوں ہی یکساں مفہوموں میں استعمال ہوتے ہیں اور یہ بالکل ضروری نہیں کہ دفعتہً نازل کیجانے والی چیزوں ہی کے لئے باب انزال کا استعمال کیا جائے۔

---

لفظی بحث سے ہٹ کر اب قرآن کے اُن داخلی شواہد کو دیکھئے جو صدیقی صاحب کے دعوے کی علانیہ تکذیب کرتے ہیں لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ہماری ساری گفتگو اس مفہوم پر ہے جو صدیقی صاحب کی پیش فرمودہ عبارت سے سمجھ میں آتا ہے ان کا منشاء یہ تو نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہؐ نے لوح محفوظ والے قرآن کا صرف ایسا ہی نظارہ کیا ہوگا جیسے ہم طاق میں رکھی ہوئی کسی مجلد کتاب کو ایک نظر دیکھ لیں اور اس کے مضامین سے آگاہ نہ ہوں۔ اس کے برخلاف ان کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ پر دیکھ لینے کا مطلب قرآن کے تمام مضامین کو دیکھ لینا ہے اور اسی منشاء کی تائید اس دوسرے امکان سے ہوتی ہے جو تقدم کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یعنی سارا قرآن بیک وقت حضورؐ پر نازل کر دیا گیا۔ نزول قرآن کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ حضورؐ اس کے مطالب و مضامین سے بے خبر رہے ہوں۔

صدیقی صاحب کی پوری ہی عبارت اور اسکے متعدد الفاظ ان کا یہی مافی الضمیر ظاہر کرتے ہیں کہ پورے قرآن کے الفاظ و معانی حضورؐ کو پہلے ہی سے معلوم ہو چکے تھے مگر ان کی حیثیت ایسے راز کی تھی جس کا انکشاف بعد میں ہوتا تھا۔

اب نمونۃً چند قرآنی شواہد ملاحظہ فرمایئے :-

(۱) حضورؐ نے ایک نابینا کی آمد پر تیوری چڑھائی۔ اللہ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ فرمایا۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى اگر حضورؐ پہلے ہی مضامین قرآن سے آگاہ ہوتے تو کیسے ممکن تھا کہ وہ کیفیت ظاہر فرماتے جس کے عنداللہ ناپسندیدہ ہونے کا انھیں علم ہو چکا تھا

(۲) غزوۂ بدر میں جب ستر کے قریب کفار قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے تو سوال اٹھا کہ انھیں قتل کر دیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔ حضورؐ صحابہؓ سے مشورہ کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ قتل کی رائے دیتے ہیں، لیکن دیگر صحابہ فدیہ لے کر چھوڑ دینے کو پسند کرتے ہیں اور سرکار رسالتؐ کی رحمدلی بھی اسی فیصلے کا ساتھ دیتی ہے لہذا قیدی فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اب دیکھئے اللہ اس فیصلے پر کیسی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے :-

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ

نبی کو زیبا نہیں ہے کہ جبتک خوب خونریزی نہ کر لے اپنے یہاں قیدیوں کو رکھے تم سامان دنیا کے طالب ہو اور اللہ کے یہاں مطلوب ہے آخرۃ اور اللہ ہی

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (انفال ۹۶)

قوی اور حکمت والا ہے۔ اگر یہ ایک ایسی ہی بات نہ ہوتی جسے اللہ نے مقدر فرما دیا تھا تو تمھیں اس فدیہ کے بدلے بڑا عذاب پہنچتا جو تم نے قیدیوں کے بدلے وصول کیا ہے۔

+ + +

+ + +

اللہ اکبر۔ کس شان سے اللہ ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ سُن لو اے نبی کو الوہی صفات سے متصف کرنے والو! یہ سرزنش یہ تنبیہ یہ ڈانٹ ان لوگوں کو دی جا رہی ہے جن میں رسول اللہؐ بھی شامل ہیں اور اس فعل پر دی جا رہی ہے جو رسول اللہؐ ہی کی رضامندی سے عمل میں آیا ہے۔

خیر یہ تو دوسرے موضوع کی بات تھی۔ کہنا یہ ہے کہ کیا کوئی مسلمان اس بات کا تصور بھی کر سکتا ہے کہ اگر حضورؐ کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دینا اللہ کو اس قدر ناپسند ہوگا تو وہ پھر بھی ایسا ہی کرتے؟ العیاذ باللہ۔ پیغمبر کے لئے متصور ہی نہیں کہ وہ قصداً مرضیاتِ الٰہی کے خلاف کرے۔

(۳) ایک گھریلو قضیے میں حضورؐ قسم کھا لیتے ہیں کہ آئندہ شہد نہیں چکھوں گا۔ اللہ اسے پسند نہیں فرماتے ارشاد ہوتا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ

اے نبی تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے۔ تم اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہو۔

+ + + +

پھر تہدید ہی پر بس نہیں کی۔ حکم ہوا:۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ

(اللہ نے ایسی قسموں کا توڑ دینا تم پر ضروری قرار دیا ہے جو مناسب نہ ہوں)

ذرا سوچئے۔ اللہ کا رسولؐ پہلے ہی تمام قرآن سے آگاہ ہوتا تو کیا یہ واقعہ پیش آ سکتا؟ کیا وہ جانتے بوجھتے ایسی قسم کھاتا جو اللہ کے نزدیک اس درجہ ناموزوں ہوتی کہ اسے توڑ دینے کا حکم نافذ ہوتا۔ حاشا حاشا۔

(۴) ایک غزوے سے واپسی پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کا بہتان تراشا جاتا ہے پناہ بخدا۔ اللہ تعالیٰ آیات نازل فرماتے ہیں کہ یہ افترا ہے۔ زوجۂ رسول پاکدامن ہیں۔ اب ذرا غور کیجئے کہ یہاں سوال کسی حکم کا نہیں، بلکہ ایک اطلاع اور خبر کا ہے۔ اگر حضورؐ پہلے ہی سے پورے قرآن سے آگاہ ہوتے تو کیا وہ تمام رنج و تعب نعوذ باللہ ایک ڈرامہ تھا جس کا مظاہرہ تقریباً ایک ماہ تک حضورؐ کے حرکات و سکنات اور اقوال و افعال سے ہوتا رہا اور کیا حضرت عائشہ رض کی بے گناہی کا وثوق رکھنے کے باوجود حضورؐ عائشہ رض سے یہ بات کہہ سکتے تھے کہ "اگر تم سچ مچ کسی گناہ میں مبتلا ہو گئی ہو تو اللہ سے استغفار کرو۔"

---

آغاز وحی کا قصہ دیکھئے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا (لقد خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ بخاری) لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور پہلے ہی پورا قرآن لوح محفوظ میں ملاحظہ فرما چکے تھے یا ان پر سارا کا سارا نازل کیا جا چکا تھا تو پہلی ہی آیات کے نزول پر جان کا خوف کیا معنی جب کہ معلوم ہے کہ ابھی تو مجھے بہت دنوں زندہ رہنا ہے اور پورے قرآن کو نجماً نجماً نازل ہوتا ہے۔

پھر حضرت خدیجہ رض انھیں ورقہ بن نوفل کے پاس لے جاتی ہیں وہ اطمینان دلاتے ہیں کہ حیرت و خوف کی کوئی بات نہیں۔ یہ تو وہی فرشتہ تھا جسے موسیٰؑ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ آپ پیغمبر بنائے گئے ہیں۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہ سکتا جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کر دے گی!

دیکھ لیجئے کہ قصۂ ہجرت اور ما بعد کے واقعات ضروری حد تک خود قرآن میں موجود ہیں۔ ان کا علم

حضورؐ کو ہوتا تو ورقہ بن نوفل سے لوٹ کر یہ سوال کرنے کے کوئی معنی نہیں تھے کہ کیا واقعی یہ لوگ مجھے شہر بدر کر دیں گے ؟

حاصل یہ کہ کوئی بنیاد صدیقی صاحبؒ کے دعوے کی کہیں موجود نہیں۔ ہاں تردید ہر اعتبار سے واضح ہے۔ لیکن ان معروضات کے جواب میں اگر وہ یہ کہنے لگیں کہ میرا منشاء یہ نہیں تھا کہ حضورؐ قرآن کے مضامین و مطالب سے بھی پہلے ہی آگاہ ہو چکے تھے تو ہم کہیں گے کہ اول تو مفسر بننے سے قبل بات کہنے کا وہ متین طریقہ سیکھنا چاہئے جو مافی الضمیر کے اظہار میں دھوکا نہ دے دوسرے اس نکتہ کا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا کہ حضورؐ نے قرآن کا محض طائرانہ نظارہ فرما لیا تھا۔ یا وہ آپؐ پر ایک بند کتاب کی طرح نازل کر دیا گیا تھا جس کے اندر کا کچھ بھی علم آپؐ کو نہ ہوا۔ آخر لا حاصل نکتہ سنجیاں کرنا اور ان پر شدومد سے زور دینا وقت اور انرجی کی بربادی نہیں تو اور کیا ہے۔ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔[1]

## اَلْوَائِدَۃُ وَالْمَوْءُودَۃُ فِی النَّارِ

**سوال نمبر ۱:۔** از عبدالباری۔ رحیم آباد (ضلع رحیم یار خان)

مجھے چند احادیث کے اشکالات ذہنی الجھن کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں امید ہے کہ جواب بذریعہ تجلی عنایت فرمائیں گے۔ احادیث سلسلہ وار درج ہیں۔

(۱) پہلی حدیث یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف اور دوسری کتب حدیث میں ہے کہ الوائدۃ والموؤدۃ کلاھما فی النار جس کے معنیٰ و مفہوم بالکل واضح ہے۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ زندہ درگور کرنے والی عورت تو ہے ہی جہنمی لیکن دفن شدہ (موؤدہ) بچی کس جرم میں جہنم کی سزا بھگتے گی۔ کسی نے یہ تاویل کی ہے کہ "موؤدۃ" سے مراد "موؤدۃ لہا" ہے۔ لیکن یہ توجیہ اس لئے وزنی نہیں ہے کہ وائدہ اور موؤدۃ لہا کا مفہوم بالکل متحد ہو جاتا ہے۔ بہرحال "موؤدۃ" بچی دنیا میں بھی مظلوم ہے اور حدیث کا ظاہری مفہوم لیا جائے تو آخرت میں بھی مظلوم ہے۔ کیونکہ دنیا میں اسے زندہ قبر تک سفر کرنے کی سزا دی گئی اور آخرت میں جہنم کی آگ میں رسید کرنے کی سزا ملے گی تو ظالم اور مظلوم کا کیا امتیاز رہا۔ حالانکہ اللہ کے دربار میں مظلوم کی دادرسی کی جائے گی ؟[2]

## الجواب:۔

معلوم نہیں آپ نے کس کتاب سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ جہاں تک مشکوٰۃ کا تعلق ہے اس میں تو کلاھما کے الفاظ نہیں ہیں۔ ان الفاظ کے ہونے نہ ہونے سے اگرچہ معنیٰ میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن مناسب یہی تھا کہ جب آپ نے مشکوٰۃ کا حوالہ دیا ہے تو الفاظ اسی سے نقل کرتے۔

اس جملۂ معترضہ کے بعد ہم مختصراً جواب عرض کریں گے کہ ہمارے نزدیک وائدہ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو زمانہ جاہلیت کے عرب میں دائیوں اور دودھ پلانے والیوں کی حیثیت میں معروف تھیں۔ قابلہ، اَنّا یا آیا جو چاہے کہہ لیجئے۔ انھی کا یہ کام بھی تھا کہ جس بچی کو زندہ دفن کرنا ہے اسے بغرض عمر گود میں یا پیدل قبر تک لے جائیں اور گاڑنے کے سفاکانہ فعل کو اپنی سرکردگی میں تکمیل کو پہنچائیں۔ یہ سب کچھ وہ پیشے کے طور پر کرتی تھیں اور معاوضہ لیتی تھیں۔

موؤدۃ کا مصداق ہمارے نزدیک وہ افراد ہیں جن کے ایما اور حکم پر یہ فعل خبیث ارتکاب میں آیا ہے خصوصاً وہ بے رحم باپ اس کا اولین مصداق ہے جس پر اس جرم کی سب سے زیادہ اور حقیقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

اس تصریح سے واضح ہوگیا کہ موؤدۃ سے موؤدۃ لہا مراد لینے میں وائدہ اور موؤدۃ لہا کا مصداق و مفہوم متحد نہیں بلکہ الگ الگ ہی رہتا ہے۔

لیکن کیا اس مختصر سے جواب سے وہ ساری الجھنیں دور ہو گئیں جو اس حدیث کے بارے میں پہلے بھی پائی جاتی رہی ہیں اور آج بھی اُن طلباء کے ذہنوں میں موجود ہیں جن کے اساتذہ مشکوٰۃ اور ابوداؤد پڑھاتے ہوئے گہرے فکر و تدبر سے کام نہیں لیتے بلکہ لگی بندھی روایتی باتوں پر اکتفا

---

[1] یہ جواب کتابت ہو چکا تھا کہ حضرت صدیقی صاحب کے انتقال کی خبر ملی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ہم ان کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں [illegible]

کرتے ہیں۔

نہیں۔ ضرورت ہے کہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر اطمینان بخش گفتگو کی جائے اور دلائل سے ثابت کیا جائے کہ حدیث کا جو مفہوم ہم نے بیان کیا ہے وہی واحد اور قطعی ہے کوئی دوسرا مفہوم اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ ضرورت اس لئے بھی ہے کہ مشکوٰۃ کے بڑے بڑے قدیم و جدید شارحین نے اس حدیث کی شرح میں اذعان و وثوق کا نہیں تذبذب اور بے یقینی کا رویہ اختیار کیا ہے اور اس رویہ کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ سمجھدار طلباء کے اذہان میں اشکال و اشتباہ کے کانٹے چبھے رہ گئے ہیں۔ نیز اردو تراجم اور جدید اردو شروح میں بھی ہمارے علم کی حد تک کسی نے اس سعی میں کامیابی حاصل نہیں کی کہ تمام ظاہر و مخفی گوشے پوری طرح منقح کردے اور طالب علم محض خوش اعتقادی کے طور پر نہیں بلکہ عقل و منطق کی روشنی میں علیٰ وجہ البصیرت کسی قطعی فیصلے پر پہنچ جائے۔

---

تذبذب اور بے یقینی کے رویہ سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شارحین کے نزدیک اولیٰ اور مقدم توجیہہ یہی ہے کہ موءودۃ سے مراد وہ لڑکی نہیں ہے جسے زندہ درگور کیا گیا۔ بلکہ موءودۃ لھا ہے یعنی جس کے ایماء پر دفن کیا گیا۔ لیکن اوّل تو خود اس توجیہہ میں ایک لطیف خامی ہے جو فہیم طلباء سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ یہ کہ موءودۃ لھا میں مؤنث کی ضمیر استعمال کی گئی جس کا منشاء یہ نکلا کہ اصل مجرم زندہ درگور بچی کی ماں ہے نہ کہ باپ۔ حالانکہ جیسا ہم واضح کریں گے اصل اور حقیقی مجرم باپ ہے نہ کہ ماں۔ حالانکہ اگر کسی درجے میں تبعاً ماں کو بھی مجرم مان لیا جائے تو یہ بہرحال ضروری تھا کہ ضمیر مذکر ہی کی استعمال کی جائے تاکہ اصلی مجرم کی نشاندہی ہوسکے۔

دوسرے شارحین نے دو اور تاویلوں کو بھی ساتھ ساتھ بیان کردیا اور ان پر نکیر نہیں کی۔ حالانکہ وہ تاویلیں فاسد تھیں اور ہرگز اس لائق نہیں تھیں کہ انھیں ممکن القبول سمجھا جائے۔ اس طرزِ عمل کا کھلا مطلب یہ تھا کہ مذکورہ بالا پہلی توجیہہ پر بھی انھیں وثوق نہیں ——— لیکن ہماری ناقص رائے میں یہ حدیث سوائے اس واحد مفہوم کے جو ہم نے عرض کیا کسی اور تاویل و توجیہہ کی متحمل نہیں ہے۔ اس رائے کی وضاحت میں قدرے تفصیل اختیار کرنی ہوگی۔ شارحین کی بیان فرمودہ مزید دو توجیہات میں سے ایک توجیہہ یہ ہے کہ بچیوں کو زندہ دفن کرنے کا رواج چونکہ کافروں میں تھا اور وہ مدفونہ بچی بھی کافر ہی ہوتی تھی۔ لہٰذا وہ اور اس کے ماں باپ سب جہنمی ہوئے۔ اس تاویل کی بنیاد اس غلط عقیدے پر ہے کہ کافروں کے نابالغ بچے بھی دوزخ ہی میں جائیں گے۔ یہ عقیدہ بعض احادیث کے سطحی اور یک رُخے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ زیر بحث حدیث سے متصل قبل ہی ایک حدیث ہے جس سے بادی النظر میں دھوکا ہوتا ہے کہ واقعی ہر کافر زادہ دوزخی ہے چاہے وہ تین چار ہی سال کی عمر میں فوت ہوگیا ہو۔ اسی لئے متعدد علمائے احناف بھی یہی خیال کر گزرے ہیں کہ کافروں کے بچے دوزخی ہوں گے۔ لیکن ہم اس طرح کے اہم فکری معاملات میں کورانہ تقلید کے قائل نہیں ہیں۔ اکثر احناف کی کچھ بھی رائے ہو لیکن بات وہی ہے جو امام نوویؒ نے فرمائی۔ یعنی یہ کہ تمام احادیث مختلفہ اور آیاتِ قرآنیہ میں تطبیق دینے کے بعد قول راجح یہی ہے کہ کافروں کے نابالغ بچے جنت میں جائیں گے۔ ہم ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ یہ صرف قول راجح ہی نہیں ہے واحد صحیح ترین قول ہے جس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا قول درست نہیں۔

تاہم یہاں اس مسئلہ کی بحث نہیں اس لئے صرف اتنا ہی عرض کردینا کافی ہوگا کہ غیر مسلم بچوں کو جہنمی تسلیم کرنے کی بنیاد پر موءودۃ کا مصداق ایسی مظلوم بچی کو سمجھنا جسے زندہ گاڑ دیا گیا ہے بڑا وحشتناک ہے۔ اس توجیہہ سے اسلام کی بے نظیر اقدارِ عدل کے دامن پر ایسا بدنما داغ آتا ہے کہ سوائے کورانہ عقیدت کے اس پر مطمئن ہونے کی کوئی راہ نہیں۔

دوسری تاویل یہ بیان کی جاتی ہے کہ جس لڑکی کے

رندہ درگور رلے جانے کا واقعہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے الوائدۃ والموءودۃ فی النار کے الفاظ فرمائے، ہوسکتا ہے وہ بالغ رہی ہو۔ لہٰذا بالغ کی حیثیت میں وہ مکلف ہے اور مکلف کو جہنم میں ڈالدینا خلافِ عدل نہیں۔ گویا تاویل کرنے والے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جس تہذیب و تمدن کے بارے میں گفتگو تھی اُسے تو اللہ کے رسولؐ نے نظر انداز فرمادیا اور موءودۃ کے جہنمی ہونے کی اطلاع اس بنیاد پر دی کہ وہ کافرہ تھی۔

حیرت ہے اس صریح الغلط توجیہہ کو نہ صرف قدماء نے لائقِ بیان سمجھا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس سے اشکال رفع ہوجاتا ہے بلکہ دورِ حاضر کے محقق محمد ناصر الدین البانی نے بھی اپنی کتاب میں یہ الفاظ لکھ دیئے ہیں[1]۔

فجائز ان تلك الموءودة — جائز ہے یہ بات کہ وہ موؤدہ
كانت بالغة فلا — بالغہ ہو پس اس صورت میں
اشكال [illegible] جلد اوّل۔ — اشکال باقی نہیں رہتا

لیکن محاورات اور قواعدِ زبان کو بالکل ہی بالائے طاق نہ رکھ دیا جائے تو سامنے کی بات ہے کہ موءودۃ کا بالغ ہونا جہنمی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ گفتگو ایک خاص جرم و گناہ کے سلسلے میں ہو رہی ہے۔ کفر و اسلام کی بحث کہاں ہے۔ کافرِ وائدہ (گاڑنے والی) بھی ہے۔ لیکن ارشادِ رسولؐ میں اس کے جہنمی ہونے کی علت کفر نہیں ہے، بلکہ گاڑنے کا ذلیل فعل ہے۔ اسی طرح موءودۃ کا مطلب اگر مظلوم لڑکی ہی لے لیا جائے تو چاہے وہ بالغ ہو یا نابالغ جہنم کی بشارت کا تعلق اس خاص فعل ہی سے ہوگا۔ یعنی واحد مطلب یہی نکلے گا کہ چونکہ وہ گاڑی گئی اس لئے جہنمی ہے!۔

سب جانتے ہیں کہ سوال اگر قاتل یا سارق یا زانی یا شراب خور کے بارے میں ہو تو جواب کا تعلق قتل اور سرقے اور زنا اور شراب خوری کے اوصاف سے ہوگا نہ کہ سیرت و کردار کے دوسرے پہلووں سے۔ عدالتی پیمانے پر بھی ایک مثال دیکھئے کیونکہ اللہ کے رسولؐ جج اور قاضی بھی تھے۔ آپ کے تمام ہی فیصلے۔ چاہے وہ ظاہری قوانینِ شریعت پر مبنی ہوں چاہے مخفی اُمور کی بشارت کے انداز کے ہوں بہر صورت عادل و تدبیر کی اعلیٰ اقدار کے حامل ہوں گے۔

فرض کیجئے ایک فرض شناس جج اپنے ہمسائے زید کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ چور اُچکا ہے۔ آوارہ ہے، بدقماش ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اس کے آگے زید کے خلاف کوئی مقدمہ پیش نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس پولیس ایک دن زید کو مجروح و مضروب حالت میں جج کے سامنے لاتی ہے اور دعوےٰ کرتی ہے کہ اسے طلحہ نے ناحق زخمی کردیا ہے۔ طلحہ بھی گرفتار شدہ عدالت میں موجود ہے۔ جج بیانات لیتا ہے گواہ طلب کرتا ہے اور انجام کار یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ جاتی ہے کہ اس کیس میں زید واقعتہً مظلوم اور طلحہ ظالم و جارح ہے۔

اب بتلایئے کیا یہ بات اس فرض شناس جج اور قانونِ عدل کے شایانِ شان ہوسکتی ہے کہ وہ طلحہ کے ساتھ زید کو بھی اس بنیاد پر سزا دے ڈالے کہ وہ چور اُچکا ہے۔ بدقماش ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک اعلیٰ درجے کے دانش ور اور مدبر جج کے ذہن میں یہ تصور تک گذر سکتا ہو کہ مار پیٹ کا جو کیس اس کے سامنے ہے اس کا بے لاگ فیصلہ کرنے کی بجائے مظلوم زید کے اُس کردار پر اپنے فیصلے کی بنیاد رکھے جس کی کوئی گفتگو اس کیس میں نہیں ہے۔

ہم سمجھتے ہیں ایسا نہ تو کوئی منصف مزاج جج کرسکتا ہے نہ قانون اس کی اجازت دیتا ہے نہ کوئی بیرسٹر ایسے کسی فیصلے کی معقولیت تسلیم کرسکتا ہے جو زیرِ بحث معاملات کے عوض کسی خارج از بحث اور غیر متعلق نکتہ پر استوار کیا گیا ہو۔

جب یہ بات ہے تو اُس واقعہ کو بھی اسی سطح پر رکھ کر دیکھئے جس کے سلسلے میں حضورؐ نے زیرِ بحث الفاظ

[1] اس کتاب کا صرف جزِ اول ابھی چھپا ہے۔ بڑے سائز کے ۷۷۶ صفحات ایک محترم دوست کی عنایت سے یہ ہمیں میسر آگئی ہے (ع)

صادر فرمائے تھے کچھ لوگ ایک عورت کا واقعہ بیان کرتے ہیں جس نے لڑکی کو زندہ دفن کیا تھا۔ اس عورت اور مدفونہ لڑکی کے کفر و اسلام کی کوئی بحث نہیں ہو رہی ہے۔ روئے زمین کا سب سے بڑا منصف اور متدین جج صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ صادر فرماتا ہے کہ الوائدۃ والموؤدۃ فی النار تو یہ کیسے ممکن تصور کیا جاسکتا ہے کہ اس فیصلے کی بناء بجائے موضوع کلام کے موؤدۃ کے اس کفر پر ہو جس کا اس موقع پر کوئی سوال ہی درپیش نہیں تھا۔ بالکل نہیں۔ یہ بڑی بعید از قیاس اور بارد تاویل ہے۔

غور کیا جائے تو مدفونہ کے بالغہ ہونے کی صورت میں تو اس کی مظلومیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ننھے بچے نہ طاقت رکھتے ہیں نہ قوی احساس۔ انھیں نہ تو ابھی دنیا اور اسکے لذائذ سے اتنا گہرا ذہنی تعلق ہوتا ہے کہ اس سے جدا ہونے کا تصور ان کے لئے بہت زیادہ اذیت دہ ہو نہ ان کے احساس و ادراک کی صلاحیتیں ابھی اتنی ترقی یافتہ ہوتی ہیں کہ غیر معمولی ذہنی و روحانی کرب کی مورد بن سکیں۔ انھیں تو اکثر حالتوں میں یہ بھی علم نہیں ہوسکتا کہ انھیں کہاں لیجایا جا رہا ہے۔ بس جس وقت گڑھے میں رکھا گیا اس وقت انھیں علم ہوگا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے لیکن اس علم سے پیدا شدہ اذیت کی مدت بھی نسبتاً مختصر ہی ہوگی کیونکہ ایک جوان لڑکی کے مقابلے میں پھول سی نازک بچیوں کا چراغ زندگی جبر و سفاکی کے تند جھونکوں میں جلد ہی بجھ جائے گا۔ اسکے برخلاف جو لڑکی جوان ہوگئی ہے اس کے احساسات تو کہیں زیادہ قوی ہوں گے۔ اسے تو دنیا سے کہیں زیادہ انس ہوگا۔ وہ تو اپنے زندہ درگور کئے جانے کے تصور سے کہیں زیادہ اذیت محسوس کرے گی اور اسی تناسب سے شدید جذبۂ مدافعت بھی اس کے اندر پیدا ہوگا۔ اس کے کرب و ابتلا کی مدت بھی نسبتاً زیادہ ہوگی کیونکہ اسے تو ہوش سنبھالتے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ جانوروں کے اس معاشرے میں اس کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ اس کے سن شعور کا ایک ایک لمحہ اس بدنصیب انسان کی طرح گذر رہا ہوگا جس کیلئے پھانسی کا فیصلہ صادر ہو چکا ہو۔ پھر جب آخری مرحلہ آئے تو جانکنی کی مدت بھی اس پر مقابلۃً طویل ہوگی اور قدرتی طور پر وہ مدافعت و مزاحمت بھی کرے گی جس کے نتیجے میں سفاک گاڑنے والوں کو اس سے زیادہ بے رحمی اور تشدد کی ضرورت پیش آئے گی جتنی ننھی بچیوں کے گاڑنے میں پیش آسکتی ہے۔

ذرا دل پہ ہاتھ رکھ کر فیصلہ کیجئے کہ کیا یہ صورت حال مقابلۃً زیادہ بے رحمانہ نہیں ہے۔ کیا اس میں ظالم کا ظلم اور مظلومہ کی مظلومیت کئی گنی نہیں ہو گئی ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہے اور یقیناً اثبات ہی میں ہونا چاہئے تو کس دل گردے سے آپ یہ رائے قائم کرسکیں گے کہ جس صورت میں مظلومیت کی کیفیت و کمیت کم ہو اس صورت میں تو مظلومہ جنت میں جائے گی لیکن جس شکل میں مظلومیت المضاعف ہو جائے اس شکل میں رسول اللہؐ مظلومہ کے جہنمی ہونے کا فیصلہ صادر فرمائیں گے۔ حاشا ثم حاشا۔

ہم نے جتنا بھی غور کیا شارحین کی اس روش کو اثرات کے اعتبار سے ضرر رساں ہی پایا کہ حدیث مذکور کا ایک قطعی مفہوم بیان کرنے کے عوض وہ ان تاویلات کو بھی برابر کا امکانی درجہ عطا کرتے رہے جو اسلام کے ناقابل تغیر محکم اور متفق علیہ تصورات عدل پر غبار اُڑاتی ہیں۔ ہم اپنی حقیر فہم و درایت کے سہارے واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس حدیث کا صرف ایک ہی مفہوم ہونے کے کیا دلائل ہیں اور کس لئے ہمیں اصرار ہے کہ دوسری ہر تاویل معقولیت سے بعید ہے۔ وباللہ التوفیق وعلیہ توکلنا

---

محاورات و اصطلاحات کا متفق علیہ قاعدہ ہے کہ ان کے الفاظ کو لغت اور صرف و نحو کی کسوٹی پر نہیں کسا جاتا بلکہ جس معروف و معلوم مفہوم میں وہ روزمرّہ استعمال ہوتے ہیں اس کے سوا کسی اور مفہوم کا تصور تک نہ تو سامع کے ذہن میں آتا ہے نہ خود قائل کے ذہن میں کوئی اور مفہوم ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے کہ دنیا نے ہمارے ساتھ

بری بالقصا بجا ہیں۔ تو سامع فوراً سمجھ لیتا ہے کہ ہماری
مراد دنیا نہیں اہل دنیا ہیں اور تمام اہل دنیا نہیں بلکہ کچھ
افراد ہیں۔ "دنیا" تو ظاہر ہے کہ اس زمین کا نام ہے جس پر
ہم بستے ہیں۔ وہ کسی کے ساتھ کیا ظلم اور کیا انصاف کرے گی
لیکن محاورہ یوں ہی ہے کہ دنیا بول کر اہل دنیا مراد لی
جائے۔

یا مثلاً کہا جاتا ہے کہ روس خدا کا منکر ہے۔ امریکہ
مہذب ہے، چین جارح ہے وغیرہ۔ تو کسی کو یہ سمجھنے میں دیر
نہیں لگتی کہ یہ اوصاف ملکوں کے نہیں بلکہ ملک والوں
کے ہیں۔

اسی طرح کتنی ہی مثالیں بہ ادنیٰ تعمق آپ ڈھونڈ سکتے
ہیں جن میں ظاہری و لفظی مفہوم کی بجائے متعینہ اصطلاحی
مفہوم ہی مسلّم ہوا کرتا ہے۔

اب آئیے۔ حدیث سے قبل قرآن کو دیکھیں کہ اس میں
بھی موؤدہ کا ذکر آیا ہے۔

سورۂ تکویر میں ہے۔ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ
بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (اور جب زندہ در گور لڑکی مسئول
ہوگی کہ کس جرم میں قتل کی گئی)

تو کیا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کی نصوص
صریحہ اور اٹل قوانین عدل کے برعکس اللہ کے یہاں
بیچاری وہی معصوم بچی جوابدہ اور محاسبہ کا ہدف ہوگی
جسے بے رحم ہاتھوں نے سنگدل ماں باپ کے ایماء پر زندہ دفن
کر دیا ہے۔ پناہ بخدا۔ وہ اللہ جو واشگاف طور پر اعلان
کرتا ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (کوئی
متنفس کسی دوسرے کے گناہ کی سزا میں نہیں گرفتار ہوگا) جو
انداز بدل بدل کر آگاہ کرتا ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا جو متنبہ کرتا ہے کہ میں عادل ہوں۔ ذرہ برابر ظلم
کسی پر نہیں کروں گا وہ کیا ایسا ظالم ہو سکتا ہے کہ معصوم
بچیوں کو ان کی انتہائی مظلومیت کا اجر و ثواب دینے کے
عوض ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے سوال کرے کہ بتاؤ
تم کیوں زندہ دفن کی گئیں؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر معلوم ہوا

کہ موؤدہ کے مسئول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے
بارے میں وہ اشقیاء مسئول ہوں گے جو اس شقاوت کے
مرتکب ہیں جن کے ایماء پر اور جن کے ہاتھوں سے ہولناک
بے دردی کا یہ ڈرامہ تکمیل کو پہنچا ہے۔ یہ مراد اسی طرح کسی
دلیل کی محتاج نہیں جس طرح دنیا سے اہل دنیا اور ملک سے
اہل ملک مراد لینا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

آپ کہتے ہیں زید نے طلحہ کی جان لے لی۔ کیا بھولے
سے بھی کسی سننے والے کے دل میں یہ خیال گزر سکتا ہے کہ زید
نے طلحہ کے حلق میں ہاتھ ڈال کر اس کی جان نکال لی ہوگی۔
سننے والے کو معلوم ہے کہ زید نے ریوالور داغا تھا۔ اسمیں
سے گولی نکل کر طلحہ کے جسم میں پیوست ہوئی اور طلحہ مر گیا
جان کا خاتمہ کرنے والی شے براہ راست گولی تھی نہ کہ
زید۔ زید تو گولی جسم میں اُتار دینے کا صرف ذریعہ اور
وسیلہ بنا تھا۔ اترنے والی شے خود گولی تھی اور جان بھی
فی الحقیقت زید نے لی نہیں ختم کر دی۔ لیکن ان میں سے
کوئی تشویش سامع کے ذہن میں نہیں اُبھرتا، بلکہ وہ
محاورے کی روشنی میں سمجھ لیتا ہے کہ قتل کی ذمہ داری ریوالور
پر نہیں ریوالور چلانے والے پر ہے۔ جان جس گولی نے لی
قاتل وہ نہیں ہے۔ قاتل وہ ہے جو اس گولی کو طلحہ کے جسم میں
پیوست کر دینے کا ذریعہ بنا ہے۔

اسی طرح اذا الموؤدۃ سئلت کا ارشاد خداوندی
سن کر کسی بھی صحابی کے ذہن میں یہ سوال پیدا نہیں ہوا کہ
موؤدہ بیچاری کس لئے مسئول ہوگی، بلکہ انھوں نے
روزمرہ کی روشنی میں بلا تامل سمجھ لیا کہ موؤدہ کے مسئول ہونے
کا مطلب فی الاصل ان لوگوں کا مسئول ہونا ہے جو معصوم
بچی کو زندہ درگور کرنے کے مرتکب اور ذمہ دار ہیں۔ یہ روزمرہ
ان کے لئے جانا پہچانا تھا۔ انھوں نے ارشاد خداوندی
اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا پر بھی یہ سوال پیغمبر سے
نہیں کیا تھا کہ عہد تو غیر مرئی شے ہے اس سے کیونکر محاسبہ
ہوگا۔ انھیں معلوم تھا کہ عہد کے مسئول ہونے کا مطلب
ان لوگوں کا مسئول ہونا ہے جو عہد کر رہے ہیں فعل عہد

سے فاعل مراد ہے۔ یعنی معاہد۔ اسی طرح انھیں ارشادِ باری کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا [لہ] کے بارے میں بھی یہ سمجھنے میں ادنیٰ سا تأمل نہیں ہوا تھا کہ مَاْتِیًّا کے معنی آتِیًا لئے گئے ہیں اور مفعول کو اسم فاعل کے معنی میں بولا گیا ہے

سورۂ مائدہ دیکھئے۔ فرمایا گیا:۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔

اور جب اللہ نے پوچھا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو الٰہ قرار دے لو۔

یہ آیت صحابہؓ نے سنی تو ان کے ذہن میں پل بھر کو بھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ اللہ تو خود ہی ہر چیز سے واقف ہیں پھر کیوں حضرت عیسیٰؑ سے ایسا سوال کیا گیا۔ آگاہی کے باوجود سوال ایسے ہی افعال کے بارے میں کیا جاتا ہے جو لائق محاسبہ ہوں تاکہ مجرم اعتراف جرم کر کے قانوناً مستحق سزا ہو، لیکن حضرت عیسےٰؑ تو جرم کے مرتکب تھے ہی نہیں پھر بھی اللہ نے سوال کیا تو صحابہؓ نے سمجھ لیا کہ مقصود دراصل حضرت عیسیٰؑ سے سوال نہیں، بلکہ ان لوگوں کی تذلیل و تکذیب ہے جنھوں نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی ماں مریمؑ کو خدا بنا چھوڑا ہے۔

ان تمثیلات سے ہمارا منشاء یہ واضح کرنا ہے کہ محاورے، مخصوص اسلوب، اصطلاحی کلمات خالصۃً لغت اور الفاظ کے پیمانے سے نہیں ناپے جاتے، بلکہ ان کا ایک متعین مفہوم و منشاء ہوتا ہے۔ جب کسی صحابی نے سوال نہیں کیا کہ اے اللہ کے رسول! زندہ درگور لڑکی سے محاسبہ کرنا تو خود قرآن اور سرکار دو عالم کی تعلیمات اور عقل و قیاس ہر اعتبار سے ظلم ہے پھر کیوں اللہ تعالےٰ موؤدہ کو مسئول قرار دے رہے ہیں تو ثابت ہوا کہ موؤدۃ سے وہ افراد مراد لئیا جنھوں نے سنگدلانہ قتل کے اس بھیانک ڈرامے میں کسی بھی نوع سے شرکت کی ہو ایک ایسی ہی معلوم و معروف اصطلاحی بات تھی جیسے اخذ کرنے میں ادنیٰ سا تأمل بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ خود اللہ کے رسولؐ اور کسی صحابیؓ کو پل بھر کے لئے بھی تشویش نہیں ہوئی کہ اللہ نے ایک ایسی بات کیسے فرما دی جو خود اسی کے صریح و محکم ارشادات کی نقیض ہے۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے جب اللہ کے سچے رسولؐ نے یہ فرمایا تھا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم تو صحابہؓ نے فوراً پوچھا تھا کہ یا رسول اللہؐ کیا ظالم ہو تب بھی؟ اس پر حضورؐ نے تصریح کی تھی کہ ہاں ظالم کی مدد کا مفہوم یہ ہے کہ اسے ظلم سے روک دو۔

ثابت ہوا کہ صحابہؓ ایسے ارشادات کی تشریح ضرور دریافت کر لیتے تھے جن میں کوئی ابہام یا پیچیدگی ہو۔ تب کیا وہ یہ نہ پوچھتے کہ اے اللہ کے رسولؐ! موؤدۃ غریب کا جہنمی ہونا تو ناقابل فہم ہے؟ ضرور پوچھتے اگر محاورۃً وہ اس پر مطمئن نہ ہوتے کہ موؤدۃ سے مراد وہ افراد ہیں جن کے ایما پر لڑکی گاڑی گئی ہے۔

اس صورت حال کو ذہن میں رکھ کر اب ایک اور نکتہ پر غور کیجئے۔ یہ کہ زندہ درگور کرنے کے عمل قبیح میں سب سے بڑا مجرم بالیقین وہی ہوگا جو اس جرم کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہو اور جس کی مرضی و خواہش کے بغیر یہ وقوع ہی میں نہ آ سکتا ہو ہمیں یقین ہے آپ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ سب سے بڑا مجرم باپ ہے۔ آج بھی جب کہ عورتیں غلامی و مظلومی کی پہلی سطح پر نہیں ہیں اور اچھے خاصے مرد بیویوں کی نیاز مندی میں پیش پیش ہیں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ لڑکی کو زندہ دفن کرنے کے اہم ترین معاملہ میں ماں کی مرضی باپ کی مرضی پر غالب آ سکتی ہے۔ باپ آج بھی کم سے کم مشرق میں اتنا غالب اور مختار ہے کہ خدانخواستہ لڑکی کو زندہ دفن کرنے کا مسئلہ درپیش ہو تو یہ نہیں ہو سکتا کہ باپ نہ چاہے اور ماں لڑکی کو دفن کرا دے ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ ماں نہ چاہے اور باپ یہ شیطنت کر گذرے یہ حال جب آج ہے تو ذرا اس دور کا تصور کیجئے جب عورت غلاموں سے بدتر تھی۔ بے طرح مجبور و مقہور تھی۔ موم کی ایسی ناک تھی جسے مرد جس طرف چاہے موڑ توڑ لیتا تھا۔ اس زمانے



لہ مریم ۱۲*

کی گنجائش نہیں ہے کہ اس کا ذمہ دار سرتاسر مرد ہی تھا۔ مرد نہ چاہتا تو عورتوں کے لئے عملاً ممکن ہی نہیں تھا کہ اس شیطانی رسم کو اس کے علی الرغم چلا سکیں۔ علاوہ ازیں ماں کسی بھی زمانے کی ہو لیکن "مامتا" اس کی قوی ترین جبلت ہے۔ یہ محالات میں سے ہے کہ کسی بھی جذبہ و احساس کے نتیجے میں اس کے ذہن میں یہ تخیل جنم لے سکے کہ اپنی بچیوں کو زندہ گاڑ دینا چاہیئے۔ یہ تو مرد ہی تھا جس کی درندگی اور شقاوت نے ایک غالی و مفرط جذبۂ غیرت کی آڑ لیکر یہ سوچنے کی جرأت کی کہ بچیوں کو مار ڈالا جائے اور اس تخیل کو عملی جامہ بھی پہنا دیا۔ جب لڑکیوں کا زندہ دفن کر دینا ایک اٹل رواج کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا اس وقت بھی ماؤں کے سینے پھٹتے تھے وہ روتی تھیں، تڑپتی تھیں، ان کے کلیجے منہ کو آتے تھے ان کے بس میں اگر ذرا بھی ہوتا تو وہ اس رواج پر ہزار لعنت بھیجتیں۔ لیکن مرد نے ان کے محسوسات کی پروا نہیں کی اور اس تسلسل اور مستقل مزاجی کے ساتھ بربریت کا یہ ناپاک کھیل کھیلتا رہا کہ مائیں بھی مجبوراً اس کی عادی ہو گئیں۔ عادی نہ بھی ہوتیں تو اس دور کی عورت مرد کے مقابلہ میں کہاں کس سے احتجاج کرتی۔

الحاصل یہ کہ سب سے بڑا اور اصلی مجرم باپ تھا۔ اب سوچیے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے حضور اس جرم کی ایک داستان بیان کی گئی تاکہ معلوم کیا جائے کہ اس کے مرتکب کا اللہ اور رسول ؐ کی نگاہ میں کہاں ٹھکانا ہے تو کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ اللہ کے رسول ؐ سب سے بڑے اور اصلی مجرم کا تو ذکر تک نہ کریں اور نارِ جہنم کی وعید سنائیں صرف ان دو ہستیوں کے لئے جن میں سے ایک تو صراحتہً مظلوم ہے اور دوسری محض درمیانی واسطہ۔

ہماری عقل تو اسے ماننے سے صاف انکار کرتی ہے اگر آپ کہیں کہ اصل مجرم کا ذکر تو حضور نے لفظ وائدہ کے تحت کر دیا تو عرض کریں گے کہ وائدہ مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کا مصداق اگر آپ اس درمیانی عورت کو کیا کرتی تھی تو پھر مدفونہ کی "ماں" کو مانیں گے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے واضح کیا ماں ہرگز ہرگز اصلی مجرم نہیں ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مائیں خود اپنے ہاتھ سے اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو زندہ دفن کرتی تھیں تب بھی یہ حقیقت شبہ سے بالاتر ہے کہ اس عمل پر آمادگی مردوں ہی کے جور و تشدد سے ہوتی تھی۔ مرد ہی اس کے اسی طرح ذمہ دار تھے جس طرح فوج کے حملے کی ذمہ داری متعلقہ ملک کی حکومت پر ہوتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تنہا ماں مجرم قرار پائے اور باپ صاف بچ جائے۔

آپ اگر کہیں کہ وائدہ کے ذیل میں باپ بھی آ گیا تو یہ خلاف قیاس دعویٰ ہوگا۔ وائد (بصیغہ تذکیر) کہا جاتا تب تو یہ کہنا بجا ہوتا کہ وہ ماں بھی اس کے ذیل میں آ گئی جس کی مرضی اس رسم کی انجام دہی میں شامل ہو۔ قاعدہ ہے کہ تانیث و تذکیر کا برابر کا اجتماع ہو تو تذکیر کو فوقیت دے کر صیغے مذکر کے لائے جاتے ہیں اور مؤنث تبعاً اسمیں آ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اکثر پر حکم کل کا لگتا ہے۔ جیسے ہزار عورتیں اور چند مرد جمع ہوں تو اسے عورتوں کا مجمع کہا جائے گا فرض کیجئے کچھ واقعات ایسے بھی پیش آئے ہوں جن میں ماں ہی نے خوشی سے اپنی بیٹی کو گاڑ یا گڑوا دیا ہو تو انھیں استثنا اور شاذ کا درجہ حاصل ہوگا۔ وہ کلیہ اپنی جگہ مسلّم رہے گا کہ باپ ہی اصلی مجرم ہے۔ پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصلی مجرم کا ذکر ایسے صیغے سے فرمائیں جو کسی طرح اس کے لئے موزوں نہ ہو، بلکہ اس کے تحت بیچاری ماں بالکلیہ مجرم قرار پا جاتی ہو جو یا تو مجرم ہے ہی نہیں یا ہے تو کمتر درجے کی۔

بالکل نہیں۔ وائدہ سے مدفونہ کی ماں مراد لینا اور اس کے تحت باپ کو بھی شمار کر لینا جو اصلی مجرم اور سربراہ ہے بے بنیاد بات ہے۔ اس سے مراد وہی عورت ہو سکتی ہے جو عموماً اس جرم کو عملی اسٹیج سے گذارنے میں نمایاں حصہ لیتی تھی۔ اگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہو کہ کوئی مرد

یا کوئی باپ اس جرم کو انجام دے سب ہی واقعات سے
میں کوئی منافقہ نہیں، کیونکہ عموم و کثرت کے ساتھ
بچولیا عورتیں ہی اسے انجام دیا کرتی تھیں اور عموم و کثرت
ہی کا اعتبار کرکے صیغۂ تانیث ارشاد ہوا ہے۔

جب یہ طے ہوگیا کہ وائدۃ کے تحت اصل مجرم نہیں آسکتا تو اس کے سوا کیا چارہ رہ جاتا ہے کہ موؤدۃ میں اس کا شمول کیا جائے۔ یہ لفظ صیغۂ تانیث میں تو اس لئے آنا ضروری تھا کہ زندہ دفن کی جانے والی مظلومائیں لازماً لڑکیاں ہی ہوا کرتی تھیں۔ صاحبزادوں کو کسی نے نہیں گاڑا۔ لیکن صیغۂ تانیث کے باوجود جس طرح قرآن میں واذا الموؤدۃ سئلت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خود موؤدہ نہیں، بلکہ گاڑنے والے مسئول ہوں گے اور ان ہی سے یہ سوال ہوگا کہ کس قصور میں لڑکی زندہ درگور کی گئی۔ اسی طرح حدیث کے لفظ موؤدۃ سے بھی یہی مطلب ہوگا کہ جن افراد کے ایماء اور حکم سے لڑکی گاڑی وہ جہنمی ہیں۔ یہ مطلب نہ لیا جائے تو اس ہولناک خبر کے اظہار کی کوئی صورت نہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے مظلومہ کا حشر تو بیان کردیا، لیکن سب سے بڑے اور اصلی مجرم کے بارے میں سکوت کیا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر وائدۃ سے مراد اصل مجرم نہیں لئے جاسکتے تو آخر اس کی کیا ضرورت تھی کہ اصل مجرموں کا ذکر تو غیر صریح انداز میں آئے اور اس بچولیا عورت کا تذکرہ صریح طور پر ہو جو محض حکم کی بندی ہے معاوضے پر کام کررہی ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ جس انداز کو آپ غیر صریح کہہ رہے ہیں وہ غیر صریح ہے ہی نہیں محاورات اپنے مطالب کے لئے آخری حد تک صریح ہوتے ہیں۔ جب کسی نے کہا کہ روس منکرِ خدا ہے تو یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ اس میں روس بول کر اہلِ روس مراد لے لئے گئے ہیں اس لئے یہ اپنے مفہوم میں غیر صریح ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب قرآن نے وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ یا حدیث نے وَالْمَوْءُودَةُ فِي النَّارِ کہا تو یہ نہیں کہا

جا سکتا ہے کہ ... موؤدۃ ... لڑکی یا موؤدہ
لے کر مراد لی گئی ہے اس لئے یہ اپنے مفہوم میں غیر صریح ہے۔ یہ تو اسی طرح صریح ہے جیسے ہم یوں کہیں کہ زید گدھا ہے یا ہندہ شیرنی ہے۔ حالانکہ ہم نے یہ تصریح نہیں کی کہ انسان کو جانور قرار دینے سے ہمارا کیا منشاء ہے، لیکن سننے والے کو ہمارا صحیح منشاء سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی۔ ایسے ہی موؤدۃ کے جہنمی اور مسئول ہونے کی وعید سن کر یہ سمجھنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہئے کہ جہنمی اور مسئول وہ افراد ہیں جن کے ایماء اور مرضی سے زندہ گاڑنے کا فعل مردود انجام پایا ہے نہ کہ خود وہ مظلومہ جسے بہیمیت کا شکار بنا لیا گیا۔

رہا بچولیا عورت کا خصوصی ذکر تو اس کی ضرورت یہ واضح کرنے کے لئے تھی کہ جو شخص — مرد یا عورت — کسی فعلِ بد کا مرتکب ہوتا ہے وہ چاہے کسی اور ہی کے ایماء پر مرتکب ہوا ہو مگر مجرم وہ بھی ہے۔ بچولیا عورت مانا کہ دوسروں ہی کے حکم پر محض پیسوں کی خاطر تکمیلِ جرم کررہی ہے اور اس کی حیثیت مہرے سے زیادہ نہیں۔ لیکن یہ مہرہ تلوار اور ریوالور کی طرح بے شعور نہیں ہے۔ باشعور اور مکلف ہے لہٰذا اسے بھی مجرم قرار دے کر آگ میں ڈالا جائے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جس طرح گلا کاٹنے والی تلوار کو ہم سزا کا مستحق نہیں سمجھتے، بلکہ تلوار چلانے والے کو پھانسی پر لٹکاتے ہیں اسی طرح اس بچولیا عورت کو بھی نظرانداز کردیا جائے جو تلوار ہی طرح صرف آلۂ کار بنی ہے اصل مجرم نہیں ہے۔

---

عقلی استدلال سے فارغ ہوجانے کے بعد اب ایک نظر حضرت حسناء بنت معاویہؓ کی وہ روایت بھی دیکھ لیجئے جسے صاحبِ مشکوٰۃ نے ابوداؤد کے حوالے سے نقل کیا ہے
کسی نابینا نے حضورؐ سے سوال کیا کہ جنتی کون ہے؟
حضورؐ نے جواب دیا:-

النبی فی الجنۃ والشھید — نبی اور شہید اور بچے اور

| | |
|---|---|
| والوئید فی الجنۃ (کتاب الجہاد - فصل الثالث) | اور جسے زندہ درگور کیا گیا جنتی ہیں۔ |

+ + + +

یہاں اللہ کے رسولؐ نے صریح الفاظ میں خبر دی ہے کہ زندہ دفن کی ہوئی مظلومہ جنتی ہے اور بچے بھی جنتی ہیں۔ کھلی بات ہے کہ مولود کا لفظ عام ہے جس کا مصداق خالی مسلمانوں کے بچے نہیں ہوسکتے۔ بچے یہودی کے ہوں یا نصاریٰ کے، ہندو کے ہوں یا مجوسی کے اگر وہ بلوغ سے پہلے مرگئے ہیں تو المولود کے خانے میں آتے ہیں۔

جن حضرات نے المولود کے الف لام کا سہارا لے کر اس لفظ کو مسلمان ہی بچوں تک محدود رکھنے کی سعی کی ہے ان کا استدلال بے حد کمزور ہے لیکن یہاں موضوع بحث بچوں کا جنتی ہونا نہ ہونا نہیں اس لئے الف لام کی نحوی بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ اس حدیث نے زندہ درگور بچی کے جنتی ہونے کی صریح خبر دی ہے۔ لہذا الموؤدۃ فی النار کا یہی واحد مفہوم طے ہوجاتا ہے جسے ہم مصرح کرتے ہیں۔

---

شارحین نے تذبذب کی جو راہ اختیار کی اسکی خامی تو بے شک ہمارے قلم نے واضح کردی، لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے اسلاف کی یہ روش زہد، تقویٰ، خشیت الٰہی اور رواداری کی بناء پر تھی نہ کہ کم فہمی کی وجہ سے۔ وہ اس طریقہ کو حزم و احتیاط سے زیادہ قریب سمجھتے تھے کہ جس آیت یا حدیث میں ایک سے زیادہ معانی کی گنجائش ہو اس کا کوئی ایک قطعی مفہوم اپنی طرف سے معین نہ کریں، بلکہ اپنے مختار مفہوم کے ساتھ وہ دوسرے اقوال زرد ایات بھی بیان کردیں جن سے واضح ہوتا ہو کہ بعض لوگوں نے دوسرے مفاہیم بھی لئے ہیں۔ اسے سیرچشمی اور علمی رواداری کہنا بیجا نہ ہوگا۔

لیکن ہم جب تعقل پسند زمانے میں سانس لے رہے ہیں اس میں طالب علم یا معترض کی تشفی کے لئے یہ بات بہت ضروری ہوگئی ہے کہ اگر کسی ایک مصداق و مفہوم کے لئے مضبوط دلائل مہیا ہوجائیں تو قطعیت اور قوت کے ساتھ اسی کو ذہن میں اتارنے کی کوشش کی جائے اور متعدد تاویلات کی بھول بھلیاں کا دروازہ نہ کھلنے دیا جائے۔ اسی لئے ہمارے نزدیک متقدمین کی وہ تفاسیر و شروح جن کے بلند پایہ اور بیش قیمت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ انھیں عوام کے سامنے جوں کا توں رکھا جائے۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ فان اکون مصیبًا فالاصابۃ والھدایۃ کل من اللہ رب العٰلمین وان اکون مخطئًا فالخطیئۃ والزلۃ کل من نفسی فاستغفر اللہ ارحم الراحمین۔

---


# بدعت کیا ہے؟

## نیا اضافہ شدہ ایڈیشن

مروجہ فاتحہ — عرس و قوالی — نذر و نیاز — تیجہ، چہلم — الا بلا — تمام بدعات کیلئے ضرب کلیم — قرآن - حدیث، عقل اور نقل ہر اعتبار سے مضبوط دلائل — مجلد تین روپے — (مکتبہ تجلی دیوبند)

---

# روغن اکسیر دماغ

روغن اکسیر دماغ کوئی معمولی اشتہاری تیل نہیں قیمتی جڑی بوٹیوں اور مفید اجزاء کا مرکب ہے جو دماغی قوت اور بالوں کے لئے ٹانک کی حیثیت رکھتا ہے۔ دائمی نزلہ کو دور کرتا ہے بے خوابی رفع کرکے میٹھی نیند سلاتا ہے۔ دماغی محنت کرنے والوں کیلئے خاص تحفہ ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ ۷۵ پیسے

ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ

**ہلال فارمیسی دیوبند (یو۔پی)**

## مکاتیب زنداں

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی اور میاں طفیل احمد کے وہ خطوط جو انھوں نے جیل سے بھیجے

قیمت دو روپے

## (مولانا) آزاد کی کہانی

## (خود) آزاد کی زبانی

بہ روایت عبدالرزاق ملیح آبادی قیمت چھ روپے

## مکاتیب امام غزالیؒ

حضرت امام غزالیؒ کے ان نایاب اور گرانقدر خطوط کا مجموعہ جو سلاطین، وزراء اور اعیان و امرائے حکومت اور ائمہ و فقہائے دین کے نام لکھے گئے۔ مجلد پونے چار روپے

## معروف و منکر

از:- نعیم صدیقی

ریاست و حاکمیت، سیکولر اسٹیٹ اور اسلامی تحریک جیسے مسائل پر دل آویز گفتگو۔ قیمت تین روپے۔

## مکاتیب سلیمانؒ

مولانا مسعود عالم ندویؒ کے نام مولانا سید سلیمان ندوی کے خطوط۔

قیمت سوا تین روپے

## تخریب و تعمیر

از:- جناب نعیم صدیقی

قیمت تین روپے

## راہِ عمل

از:- مولانا جلیل احسن ندوی:- ایمانیات، عبادات، معاملات اور تمام ہی شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کا ایمان افروز مجموعہ۔ احادیث مع ترجمہ۔ پونے چار روپے

## مسئلہ سود

از:- مولانا مفتی محمد شفیع صاحب:- جس میں جاہلیت عرب کے ربوا اور مہاجنی سود پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے سود کی اقتصادی تباہ کاری کا اثبات کیا گیا ہے سوا روپیہ

دنیائے اسلام کے مشہور مصنف ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی دو کتابیں

**علیؓ۔ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں** سات روپے آٹھ آنے

**عثمانؓ:- تاریخ کی روشنی میں** چھ روپے

## اردو کا مقدمہ

ایک ایسی عدالت کی کہانی جہاں آپکو شعراء بھی ملیں گے اور ادیب بھی، نیتا بھی ملیں گے اور صحافی بھی، اردو کے وکیل اور وکیل مخالف کی دلچسپ بحثیں اور دوسرا معلومات افزا مواد۔ قیمت ایک روپیہ۔

## مضامین البلاغ

مولانا آزاد کے بعض اہم مضامین۔ مثلاً الدین والسیاست، فلسفۂ اجتماع اور جنگ، ماہ ربیع الاول وغیرہا کا مجموعہ۔ قیمت پونے چار روپے۔

## سلاطین ہند کی علم پروری

ایک تحقیقی کتاب جس میں غیر مسلم مؤرخین و مفکرین کے بیانات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی علم دوستی اور رواداری کے تحت سنسکرت اور دیگر ہندوستانی زبانوں کی سرپرستی میں بھی بخل نہیں برتا۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

**مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)**

المنجد:- عربی کی شہرہ آفاق لغت المنجد اردو ترجمے اور تصاویر کے ساتھ۔ قیمت مجلد ستائیس روپے۔

شمس نوید عثمانی

# کیا ہم مسلمان ہیں؟

## اسلام — ایک بے پناہ سچائی

یہ دنیا —— خدا سے مایوس اور مذہب سے بیزار نام نہاد مہذب دنیا جو خدائے حیّ و قیوم کے بجائے سائنس کے بے حس آلات پر اعتماد کرتی ہے —— جو حقیقت آشنا بصیرت کے بجائے خوردبینوں کے کمزور شیشوں پر دل و جان سے فدا ہے۔ جو حق کوشی کو چھوڑ کر حق پوشی کے فن پر فخر کرتی ہے اور جو سچائی پر طاقت کو اور سوزِ دروں پر قوتِ بازو کو فوقیت دیتی ہے —— ہاں یہی مغرور دنیا خواہ اور سب ہی کچھ کر چکی ہو لیکن کبھی یہ نہیں کر سکی کہ انسان کے قلب و روح کی گہرائیوں میں گھس جائے اور وہاں نفرت و انتقام کے اُبال کو ٹھنڈا کر کے اسے اطاعت و سپردگی کے لطیف ترین جوش میں تبدیل کر دے۔ محبت اور نفرت کے پُراسرار جذبات —— تہلکہ ڈالنے والے عظیم ترین جذبات پر قابو پانا "جھوٹ" کے لئے کبھی بھی ممکن نہیں ہوا۔ یہ کام ہمیشہ سچائی نے کیا ہے دھوکے اور جہل سے ہمیشہ انسان کی فطرتِ صالحہ نے نفور کیا ہے اور "سچ" کو جہاں کہیں محسوس کیا ہے فی الفور اس کی عظمت کے آگے جذبات نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ نفس اور ضمیر کی کشمکش میں سچائی کے اعتراف بالجہر اور اعلائے کلمۃ الحق کی توفیق صرف ان مٹھی بھر انسانوں ہی کو حاصل ہوتی رہی ہے جو سچ کو جاننے کے بعد اس کو ماننے اور استعمال کرنے کی جرأت پیدا کر سکے ہیں —— یہ وہ نقطۂ عروج ہے جہاں آدمی خوب محسوس کر لیتا ہے کہ اس دنیائے فانی میں جو شے ہر شے سے زیادہ قیمتی اور عزیز ہے وہ زندگی نہیں، بلکہ سچائی پر جان دینا ہے - زندگی۔ حقیقی زندگی کا پہلا سانس ہی آدمی اس وقت لیتا ہے جب اس کے خون کا آخری قطرہ تک سچائی کو اپنے کردار کی "لوحِ محفوظ" پر نقشِ دوام بنا دینے کے کام آ جائے۔

اس زاویئے سے جب ہم اسلام کا تاریخی مطالعہ کرتے ہیں تو ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ کس طرح اور کس حد تک اسلام کے پیغام نے اپنے جانی دشمنوں کے جذبات پر فاتحانہ اثر کیا۔ اس نے صرف یہی نہیں کیا کہ وقت کی سرکش سیاسی قوتوں کو پست و زبوں کر کے دکھایا —— مٹھی بھر انسانوں کی ننھی ٹولی نے آہن و فولاد میں ڈوبی ہوئی غنیم کی صفوں کو پرِ کاہ کی طرح ہوا میں اڑا کر رکھ دیا —— اور چٹانوں کی صلابت رکھنے والے شاہی قلعوں کو عرب کے پیدائشی غلاموں کے قدموں پر خم کر دیا۔ بلکہ اس نے اس سے بھی زیادہ حیرتناک فتح یہ بھی حاصل کی کہ جو انسان پوری قوت سے اس کا نام سننے سے جلتے تھے ان کی نفرت کو محبت اور سپردگی کے سانچوں میں ڈھال دیا —— جذبات کے طوفانی دھاروں کا رُخ بدل دیا۔ دل کی دھڑکنوں میں تہلکے ڈال دیئے —— آرزوؤں کی قسمت بدل دی اور جذبات و خیالات کی اَن دیکھی دنیاؤں کو مسخر کر کے ایک انسان کو بالکل دوسرا انسان بنا کر

دکھادیا — اسلام بھی اگر انسان کی "شاطرانہ دماغ" کی کوئی سیاسی اور نظریاتی تخلیق ہوتا تو جو لوگ ہوش و حواس کے عالم میں اس کے نام سے متنفر تھے اور اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے میں پسینے پسینے ہوئے جاتے تھے کبھی بھی اسلام کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ اپنا کر اس کی راہ میں پروانہ وار قربانیاں پیش کرنے کی تحریک نہ پا سکتے — بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ جو دشمن ایک دو دن نہیں — سالہا سال تک اپنی دولت اور خون پسینے کو اسلام کو مٹا دینے کی راہ میں پانی کی طرح بہاتے رہے ہوں — جن کی پوری زندگی "اسلام دشمنی" کے مرکز پر سمٹ گئی ہو جو اس نفرت کے خوں آشام جنون میں اپنی رات کا سکون و آرام تج چکے ہوں وہ اچانک اسلام کو جھوٹ سمجھتے ہوئے اس پر اس طرح قربان ہو جائیں کہ جس کا خواب بہت سے سچائیوں کو ماننے والے بھی نہ دیکھ سکیں۔ اگر تاریخ انسان کے اپنے ہی ماضی کی کہانی ہے اور یہ کہانی ہمارے مستقبل کی میزان فکر و عمل میں کوئی بھی وزن رکھتی ہے تو اسلام کی اس نفرت سوز — انقلاب آفریں سچائی سے زیادہ سچا اور وزنی کوئی واقعہ اس تاریخ کے دامن میں موجود نہیں —

---

سہیل بن عمرو بھی اسلام کے ایک ہی "تاریخی دشمن" رہ چکے تھے جن کو اس پیغام کو خود قبول کرنا تو کیا دوسروں کو قبول کرتے دیکھنا بھی شاق تھا لیکن ان کی تقدیر کی ستم ظریفی سے جب اسی انسان کے گوشت و خون سے بنا ہوا اسکا اپنا بیٹا" مسلمان" ہو گیا تو سہیل کی اسلام دشمنی جنون کی حد تک پہنچ گئی۔ گلی گلی اور سڑک سڑک پر وہ اس نفرت کی آگ اگلتے پھرتے — زہر میں بجھی ہوئی تقریروں سے اسلام کے خلاف نفرت و انتقام کا آتشیں اشتعال پھیلاتے — لوگوں کو پکار پکار کر جمع کرتے اور کہتے کہ ان کی زندگی کا سب سے پہلا کام اس "پیغام" کو موت کے گھاٹ اتار دینا ہے — باپ کے مجنونانہ ظلم و استبداد کی یہ مہم "غیروں" ہی کو تختہ مشق بنانے پر اکتفا نہیں کر رہی تھی، بلکہ اس نے پوری بے رحمی اور سفاکی کے ساتھ شفقت پدری کی شہ رگوں کو بھی کاٹ دیا تھا اور "باپ" کے ہاتھوں نے اپنے مسلمان بیٹے کو آہنی زنجیروں میں جکڑ کر قید و بند میں گھٹ گھٹ کر مرنے کیلئے چھوڑ دیا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جو محمد عربیؐ کے چاہنے والے انسانوں کے لئے ایک ناقابل برداشت گستاخ ترین کافر کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ جس کو رسول کریمؐ کے خلاف زہرناک لاف گزاف میں ڈوبا ہوا دیکھ کر عمر ابن خطابؓ کی غیرت حق بار بار خدا کے رسولؐ کے سامنے یہ اجازت حاصل کرنے کے لئے تڑپ تڑپ کر آتی تھی کہ "میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے دانتوں کو پاش پاش کر دوں" — یہی وہ انسان تھا جو اسلام کے خلاف پہلی جنگ — جنگ بدر میں کفر کی صف اولیں میں پیچ و تاب کھاتا ہوا نظر آیا۔ یہی وہ شخص تھا جس کے کفر کے مشتعل غلو نے صلح حدیبیہ کی دستاویز میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کاٹ دینے کی پہلی آواز اٹھائی تھی۔ یہی وہ اسلام کا آخری مخالف تھا جس نے اس وقت بھی اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی جب مکہ پر مسلمانوں کی چڑھائی ہو رہی تھی اور بڑے بڑے "اشتہاری مجرم" فرار و مصلحت کی راہیں تلاش کر رہے تھے۔ لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ ظالمانہ طاقت کا طلسم ٹوٹے اور مظلوم سچائی فاتحانہ شان سے حیات و کائنات کے روشن افق پر نمودار ہو — کفر و شرک کے ہزاروں سال تک دیے ان انسانوں کے قدموں پر اوندھے منہ گر رہے تھے، جن کو ضعیف و ناتواں سمجھ کر ان کے گھروں اور بستیوں سے تہی دامن اور بے دست و پا کر کے نکالا گیا تھا۔ لیکن آج اسکے باوجود ان کے فاتحانہ سر ایک نامعلوم طاقت کے احترام سے جھکے ہوئے تھے — نفرت و انتقام کے خلاف جوابی ردِ عمل کے بجائے ان کے سینے محبت و انسانیت کے جوش سے پھٹے جاتے تھے — ہاتھوں میں چمکنے والی نیزہ و براں تلواروں سے زیادہ ان کے سوز دروں کا یہی وہ "تیر نیم کش" تھا جو سہیل کے قلب میں ترازو ہو گیا — ہتھیاروں سے صرف سر جھکائے جا سکتے ہیں مگر اخلاق کی زد میں پتھریلے دل جھک جاتے ہیں۔ سہیل نے مایوسی کے ساتھ حبیب رسول خداؐ سے "امان"

چاہی تو ان کو کامل یقین تھا کہ اس کے جواب میں ان کی گردن اڑا دی جائے گی اور زبان قلم کر دی جائے گی اور اس طرح ان کی عمر بھر کی اسلام دشمنی کا حساب پل بھر میں ہمیشہ کے لئے چکا دیا جائے گا۔ لیکن جس باپ نے اپنے بیٹے کو حق پسندی کے جرم میں بدترین عقوبتوں کے شکنجے میں کسا تھا اس بیٹے نے آج باپ کی دردناک پکار سُنی۔ وہی آج ایک سچا انسان ثابت ہوا اور وہی اپنے باپ کی جاں بخشی کی درخواست رسولِ خدا تک پہنچانے کے کام آیا۔ سہیل اس دوران میں مایوسی کی کرب انگیز کیفیت میں زندگی کے سانس گن رہے تھے بیٹے کی غمگساری میں خون کے فطری جوش کی توجیہ کی جا سکتی ہے، مگر محمد عربیؐ اپنے جانی دشمن پر کیوں ترس کھانے لگے! سہیل یہی سوچ رہے تھے اور ان کا وہ ماضی ایک ہولناک تصویر کی طرح ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا جب وہ اسلام — خدا اور محمدؐ کے خلاف ملک کے طول و عرض میں آگ لگاتے پھرتے تھے۔ لیکن سہیل یہ دیکھ کر حیرت و عقیدت سے سکتے میں آ گئے کہ رسالت کا کشادہ سینہ اپنے اتنے بڑے دشمن کے لئے بھی تنگ نہیں اور یہ کہ ٹھیک اس وقت جب عمر بھر کے طویل جرائم کی آخری سزا دی جانی تھی۔ رحم طلبی کی ایک پشیمان پکار پر محمد عربیؐ نے انکی طرف رقّت و شفقت کے نرم بازو پھیلا دیئے ہیں — یہ سہیل کی زندگی کا وہ پہلا دن تھا جب ان کی زبان نے حضورؐ کے اخلاق کو بے ساختہ خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا "محمد کبھی بھی بُرے نہ تھے۔ میں نے انکو بچپن میں بھی نیک دیکھا تھا اور بڑے ہو کر بھی ان کو نیک ہی پا رہا ہوں۔" یہ الفاظ کسی شاعر کے الفاظ نہ تھے۔ — یہ کسی چاہنے والے کی مبالغہ آرائی نہ تھی — یہ کسی عزیز یا دوست کی اندھی محبّت کا جوش نہ تھا — یہ دشمنِ جاں کے الفاظ تھے۔ جو گھر کی خطرناک تنہائی میں چھپا ہوا ایک انسان خود ہی کہہ رہا تھا اور خود ہی سُن رہا تھا۔ نہیں! یہ زبان کی چند جنبشوں سے ڈھلے ہوئے الفاظ نہ تھے۔ یہ دل کی دھڑکنیں تھیں — یہ احساسِ حق کی زلزلہ انگیز دھمک — پہلی دھمک تھی جو باطل اور جھوٹ کی ہٹ دھرمیوں کی ایک عمرِ دراز کی بنیادیں ہلا چکی تھی۔ یہ نفرت و انتقام کی وہ آخری ہچکی تھی جو صرف حق آشنا ہونٹوں پر سنائی دیتی ہے — آخر حق و صداقت کا یقینی اثر شروع ہوا اور اپنی تکمیل کے مرحلے طے کرنے لگا اور جنگِ حنین سے واپسی پر آنحضرتؐ نے دیکھا کہ سہیل کے لئے حق کی تڑپ اب ناقابلِ برداشت ہو چکی ہے۔ وہ آئے — عمر بھر کا دشمن آیا اور ابنِ اسلام کے قدموں کو فرطِ شوق سے لپٹ گیا جس پر کبھی وہ ٹھوکریں کے نشانے لگانے میں زندگی کا واحد لطف محسوس کیا کرتا تھا۔

احساسِ حق — اعترافِ حق ہی کی منزل پر نہیں ٹھہرا — اب وہ حق و صداقت کی قیمت چکانے کیلئے تلافیٔ مافات کی حدت میں سلگ رہے تھے۔ وہ زندگی جو انھوں نے پورے تمرّد و تکبر کے ساتھ اسلام کی دشمنی میں گذاری تھی وہی زندگی اب ان کی نظر میں ایک "فردِ جرم" تھی جس کا خیال کر کے وہ اس طرح بے کل ہو جاتے جیسے ان کی دل کی ایک ایک دھڑکن میں نشتر اُتر گئے ہوں۔ عملی گناہوں کا کفارہ زبانی دینا منظور نہ تھا — عملی کفارے کے بعد بھی ان کی روح کسی طرح تسکین نہ پاتی تھی آخر قسمت نے ان کو وہ عظیم مواقع دیئے جن کے ذریعے ان کو ضمیر کی یہ پھانس نکال دینے کی حسین فرحت حاصل ہوئی — حضورؐ کی وفات کے بعد جب منافقوں اور ڈھلمل عقیدہ لوگوں نے ارتداد کا فتنہ اُٹھایا تو یہ سہیل ہی تھے جو تلواروں کی چھاؤں میں جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے "اسلام — اسلام!" کا نعرۂ شوق بلند کرتے سُنے گئے۔ وہی سہیل جو اسلام کی بنیادیں ڈھایا کرتے تھے اسلام کی گرتی ہوئی دیواروں کو اپنے پورے وجود کے سہارے روکنے کی دُھن میں لپٹے جا رہے تھے۔ وہی شخص جو اسلام اور کفر کے دوراہے پر ننگی تلوار اُٹھائے کبھی ایمان لانے والوں پر "تزن" بجلیے کی وحشت ناکیوں میں گم تھا آج پوری قوت سے گرج رہا

"یاد رکھو! جس شخص نے اسلام سے باہر ایک قدم نکلنے کا ارادہ کیا اس کا سر تن سے جدا کر کے خاک و خون میں لتھیڑ دوں گا۔" وہی سہیل رضؓ جو کبھی اپنے بیٹے ابوجندل رضؓ کو اسلام لانے کے جرم میں پابجولاں کر کے وحشیانہ مظالم ڈھایا کرتے تھے ——— ہاں اسی سہیل رضؓ نے اسلام کی راہ میں اپنے بیٹے عبداللہ کی گردن کٹا دی اور تعزیت کرنے والوں کو اس نعرۂ مستانہ سے گنگ کر دیا "میرا بیٹا شہادتِ حق کی راہ میں کام آیا۔ مجھے مبارکباد دو! میں کیسا خوش نصیب ہوں ——— میں ایک شہید کا باپ ہوں جس کا بیٹا رسولِ کریم ﷺ کے ارشادات کے مطابق وہاں کام آئے گا جہاں کوئی کام نہیں آ سکتا!"

اسلام نے اس انسان کے سینے میں جذبات کا جوش ہی نہیں بصیرت و ہوش کا ٹھنڈا نور بھی بھر دیا تھا۔ کفر کی دولت میں جو شخص عصبیت کے زہریلے ناگ کی طرح پھنکارتا تھا وہ خدا کی بندگی اور حق کی حلقہ بگوشی کے بعد اپنی انصاف پسندی اور حقیقت پسندانہ اعتدال میں اپنا جواب آپ تھا۔ معرکۂ شام کے سلسلے میں جب حضرت عمر ابن خطاب رضؓ نے اپنی بزمِ مشاورت میں اس ترتیب سے لوگوں کو مشورہ کے لئے بلایا جس ترتیب سے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا اور اس طرح غلاموں نے اپنے آقاؤں کے مقابلے میں شرفِ فضیلت اور تقدیم کا اعزاز حاصل کیا تو ابوسفیان رضؓ کے اندازِ طبیعت پر یہ بات گراں گذری۔ سہیل رضؓ کے لئے یہ واقعہ غیرتِ حق کو جوش میں لانے کے لئے کافی تھا۔ اگرچہ وہ خود اس مشورے میں تقدیم سے محروم لوگوں میں تھے لیکن اعلائے حق میں پہل کا شرف یہاں ان کی تقدیر میں لکھا تھا۔

"اے لوگو!" سہیل رضؓ کی نوائے حق بلند ہوئی ——— "ان سابقون الاولون کی تقدیم پر بگڑنے کے بجائے تمہیں اپنے آپ پر خفا ہونا چاہئے! یہ وہ خوش نصیب ہیں جو اس وقت اسلام کے دوست تھے جب ہم اسلام کے بدترین دشمن تھے۔"

اسلام اب ایک مقناطیسی کشش کی طرح ان کے قلب و دماغ کو مطالعۂ حق کی طرف کھینچے لئے جا رہا تھا۔ ایک طرف وہ جہاد کی راہوں میں خونِ حیات کے قطرے پیش کر رہے تھے تو دوسری طرف ان کی آنکھیں کتاب اللہ کے اوراق پر آنسوؤں کی بارش کر رہی تھیں ——— وہ شخص جو قرآن پڑھنے والوں پر کبھی بلائے بے درماں بن کر ٹوٹ پڑتا تھا۔ قرآن کا لفظ لفظ اس کے جذباتِ عبودیت میں تلاطم پیدا کئے دیتا تھا۔ قرآن شریف پڑھتے جاتے اور روتے جاتے تھے ——— اور گلوگیر آواز کتاب اللہ کے الفاظ کو سینے سے لگائے سینے کی گہرائیوں میں بیٹھ جاتی تھی۔ حق کوشی نے دل میں درد اور دماغ میں حقیقت پسندی کا وہ نور پیدا کر دیا تھا کہ جاہلی عصبیت کی فضا اس کے شفاف نور میں نہا گئی تھی۔ کسی نے ایک بار کہا "تم معاذ رضؓ کے گھر جا کر قرآن پڑھتے ہو ——— وہ تو ایک خزرجی ہے اور تم . . . ."

"کیا کہہ رہے ہو!" سہیل رضؓ کے سینے میں جاہلی عصبیت کے بجائے اعترافِ حق میں پچھڑ جانے کی دیرینہ خلش جاگ اٹھی "کیا کہہ رہے ہو! ——— اسی شوخیٔ فکر نے ہماری یہ درگت بنائی کہ لوگ خداشناسی میں ہم پر بازی لے گئے ——— کاش۔ ہم پہل کرنے والوں میں ہوتے! ——— کاش!! مگر خدا کا شکر ہے کہ اسی نے ہمیں بچا لیا ورنہ اگر ہم کفر کی موت ہی مر جاتے تو ہمارا انجام کیا ہوتا! ——— نہیں! میں معاذ رضؓ کی خدمت میں جاتا رہوں گا۔ ضرور جاتا رہوں گا۔"

اور یہ کہتے کہتے ان کی آواز تھرتھرائی اور آنکھوں میں مقدس آنسو جھلملا گئے۔ سر سینے پر ڈھلک گیا اور سینہ میں دھڑکتا ہوا دل کسی نیم بسمل پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگا۔ یکایک نہ جانے ان کو کیا یاد آ گیا تھا! ——— کونسی ظالم یاد تھی جس نے حال کو ماضی کی پہنائیوں میں دھکیل دیا تھا اور یاد کرنے والا اپنے وجود تک کو بھول گیا تھا۔ سوچ اور اضطراب میں سینے پر ڈھلکا ہوا سر پھر اٹھا ——— آنسوؤں سے گلنار پُرنور ایمانی آنکھیں مخاطب کے چہرے پر جم گئیں۔ چہرے پر جذبات کی دھوپ چھاؤں کا منظر کانپ گیا اور لرزتی ہوئی آواز ایکبار

پھر سب [illegible] دن پر سیاہی [illegible] - اس وقت مجھے اس دن کی یاد آ رہی ہے جب میں خدا کا بندہ ہوتے ہوئے یہ بات نہ جانتا تھا کہ میں خدا کا بندہ ہوں - جب ایک درخت کے سائے میں ایک خدا کے بنائے ہوئے دو طرح کے انسان — کافر اور مومن یکجا ہوئے تھے اور حدیبیہ کی دستاویزِ صلح لکھی جا رہی تھی — اس وقت ہی وہ بدنصیب انسان تھا جس نے پاگلوں کی طرح چیخ چیخ ماری تھی کہ کاغذ پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ برداشت نہیں جا سکتے — مٹاؤ — ان کو مٹاؤ! — اور ... آج میں ان الفاظ پہ خود کو مٹا دینے کی حسرت میں تڑپتا ہوں تو مجھے اپنی زندگی کا یہ تاریک واقعہ جان کنی سے زیادہ روح فرسا محسوس ہوتا ہے — اے ضرار! میں خدا کے رسول کے سامنے جاتا ہوں تو مجھے اپنے وہی الفاظ تیر و نشتر بن کر روح میں گھستے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اور مجھے حضور سے آنکھیں ملاتے ہوئے شرم آتی ہے!"

---

کیسے تھے وہ لوگ بھی جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں - ان کی غیرتِ حق، غیرتِ ایمانی آخر کیا چیز تھی جو ان کے ایامِ کفر کی بداعمالیوں پر خون کے آنسو رلاتی تھی — جو نادانی کی خطاکاریوں پر اس طرح سر افگندہ و دل فگار تھے جیسے کسی نے جان بوجھ کر حق و صداقت کی عدالت میں کوئی سنگین جرم بقیدِ ہوش و حواس کیا ہو! لیکن ہم ٹھیک اسی سنگین جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں — ہم نے حق کی گود میں شعور کی پہلی آنکھ کھولی — ہم پیدائشی مسلمان ہیں - ہمیں کفر کی ہوا تک نہیں لگی - مگر اس کے باوجود ہمارا احساسِ گناہ پتھر ہے — پتھر سے زیادہ سخت ہے — ہم ایامِ ایمان کی سیاہ کاریوں کی فردِ جرم اٹھائے ہوئے اپنے خدا کی "عدالتِ محشر" کی طرف یوں ہنستے کھیلتے جا رہے ہیں جیسے دوزخ کی آگ اور جنت کی ٹھنڈی چاندنی میں کوئی فرق نہیں! جیسے خدا کی رحمت اور خدا کے قہر و جلال میں تمیز کرنے کی حس ہی ہمیشہ کیلئے ماری گئی ہو! اے واے برحال ما! ہم مسلمان ہیں! — کیا ... کیا ہم مسلمان ... ہیں؟! — نہیں! — کیا ہم مسلمان ہیں؟ —

## (۳)

عبداللہ بن امیہ کو "اسلام دشمنی" اپنے باپ کی طرف سے ورثے میں ملی تھی - نفرت و انتقام کا آتشیں لاوا ان کی رگ پے میں خون بن کر گردش کر رہا تھا - یہ دشمنی ان کو اس المناک حد تک لے گئی تھی جہاں آدمی کا زاویۂ نظر یکسر الٹ کر رہ جاتا ہے — جہاں "جھوٹ" ایک پایۂ ناز حقیقت اور خود سچائی ایک مضحکہ خیز جھوٹ نظر آنے لگتی ہے - جہاں انسان اپنے ضمیر کی موت پہ رو پڑنے کے بجائے سچائی کو دیکھ کر نفرت سے ہنستا ہے — دیوانہ وار قہقہے لگاتا ہے -

اس "ٹریجڈی" کی ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ نے قریشی زعما اور معزز سربراہوں کے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اس ماحول نے شروع سے ان کو یہ بات سمجھائی تھی کہ دنیا کی قدر و منزلت ہی وہ پیمانہ ہے جس سے کسی کی عظمت کو ناپا جا سکتا ہے - ان کی نظر میں ان کے باپ "ایک عظیم شخصیت" تھے - کیونکہ مکے کی سوسائٹی ان کو سر اور آنکھوں پر بٹھاتی تھی — قریش کے سربرآوردہ کافر ان کی نظر میں اونچے لوگ تھے اس لئے کہ ان کی سماجی قیادت اور معاشی خوشحالی کا وزن قدم قدم پر محسوس کیا جاتا تھا - بھلا وہ "اسلام" ان کے جذبات کو کیا اپیل کر سکتا تھا جو غلاموں اور غریبوں، لاچاروں اور بے کسوں کے درمیان ظاہر ہوا — فاقوں کی آنچ میں تپتا ہوا "اسلام" — زخموں اور رستے ہوئے آبلوں کی ٹیسیں سہتے چور چور اسلام — جو ایک ان دیکھے معبود کے قدموں کو چھونے کے لئے آنکھوں دیکھی تمام دنیا کی ٹھوکریں برداشت کر رہا تھا - ابھی عبداللہ انسانی زندگی کے اس انقلابی موڑ سے بہت دور تھے جہاں زندگی اپنے حقیقی خالق کا تعارف حاصل کرتی ہے تو تخلیق کی یہ پوری بیکراں کائنات ایک تنگ و تاریک زندان میں تبدیل ہو جاتی ہے اور انسان کی آخری آرزو یہ اور صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی جان جاں آفریں کے قدموں پر جتنی جلد نثار کر دے اتنا ہی بہتر ہو — جنت اپنی کے سرا [illegible] وہ جہاں [illegible]

جنت کی خوشبو سونگھ کر انسان شہادت کے لہو میں نہا جانے کے لئے تڑپ اُٹھتا ہے ۔۔۔ ابھی عبداللہؓ ایمان ویقین کے اس لطیف موزوں سے ناواقف تھے ۔۔۔ کفر و شرک کی قہرانیت کے مقابلے میں ابھی حق پسندوں کے کمزور ڈھانچے ہی ان کو دکھائی دے رہے تھے ۔ ان کے روشن اور تابناک سینے اور فولادی ایمان ویقین نہیں ۔۔۔ اس لئے پھٹے پرانے چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی "کمزوری" کو گرجتی چمکتی "طاقت" کے منہ آتا ہوا دیکھ کر وہ سوائے اس کے اور کیا کرتے کہ چیتھڑوں کی پوری قوت سے ہنس پڑیں اور حقارت و استہزاء کی شدت سے قہقہہ لگاتے چلے جائیں ۔۔۔ وہ ابھی یہی کر رہے تھے ۔ ان کے باپ کا قہر و غضب ایک شکل میں اسلام پر شعلہ باری کر رہا تھا تو عبداللہ کی ابھی سرد مہری اور حقیقت ناآشنا قہقہوں کی بوچھاڑ دوسری شکل میں حقیقت کشی کی یہی مہم کے طول و عرض میں چلا رہی تھی ۔

"کیا ۔۔۔ تم خدائے واحد کے فرستادہ ہو ؟" عبداللہ نے بے رحمانہ وگستاخانہ شرارت سے خدا کے رسولؐ کو سرِراہ چھیڑتے ہوئے کہا ۔ "جی ! کیا آپ ہی خدا کے رسول ہیں ؟"

سوال کرنے والا جس انداز سے سوال کر رہا تھا وہ کس قدر جارحانہ ہوگا اس ہستیؐ کے لئے جس کے احساسات پر نزاکت احساس کی انتہائیں ختم ہوتی تھیں ۔ گستاخی اور خون آشام زندگی کے موڑ نے سوال کرنے والے انسان کو ایک ایسے جانور کی شکل میں ڈھال دیا تھا جس کو حیوانیت بھی دیکھ لے تو شرم سے سر جھکا لے ۔ لیکن آج زندگی کی زد میں وہ انسان کامل تھا جو دشمنوں کو پیار کرتا تھا ۔ جو جانوروں کو بہترین انسان بنانے کے لئے ریگستان کے آتشیں ذروں کی پیاس اپنے خون دل و جگر کے آخری قطروں تک سے بجھانے کے لئے تیار تھا صرف اس توقع اور اس حسرت میں کہ آدمی اس آگ میں کوئلہ بن جانے سے بچ جائے جس کا ایندھن پتھر اور پتھر دل انسانوں کی ہڈیاں بننے والی ہیں ۔ بے حسی اور جراحت کاری کے اس سوال پر اس نے نفرت سے منہ نہیں موڑا ۔ قلب و روح کی دردمندانہ ٹیس کے ساتھ گوش برآواز ہو گیا اور فرطِ درد سے پکار اٹھا "ہاں ! اے پاگل انسان ! خود پر ظلم کرنے والے انسان ! تیرے سامنے اس وقت تیرے خدا کا آخری رسول ہی کھڑا ہوا ہے ۔ جس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ تجھے تیرے خدا کا آخری پیغام پہنچا دے اور بس ۔"

عبداللہ نے یہ الفاظ سنے اور تھوڑی دیر کو سناٹے میں آگئے ! ۔ یہ کون شخص ہے جو ان سے اس طرح باتیں کر رہا ہے کہ جیسے کوئی اپنا دل چیر کر دکھلا رہا ہو ! نفرت و حقارت کے جواب میں یہ شدید دردمندی ! ۔ مضحکہ اور استہزاء کے جواب میں یہ اتھاہ سنجیدگی کا وقار ! ۔۔۔ انکار و تردید کی ہٹ دھرمیوں کی ٹھیک زد میں سچائی کے لامتناہی یقین کا اٹل ثبوت ! ۔۔۔ لیکن جب دل اور نگاہ کے درمیان زنگ آلود فطرت کا "حجابِ مستور" پڑا ہوا ہو تو آدمی سب کچھ دیکھتا ہے اور کچھ نہیں دیکھ پاتا ! ۔۔۔ سب کچھ سن کر بھی یہ محسوس کرتا ہے جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں ۔۔۔ عبداللہ ابھی اسی المناک منزل میں تھے ۔ وہ کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ سچائی اپنے حسن و جلال کے ساتھ سامنے موجود ہے ۔۔۔ مگر آنکھیں دل کی گرہ نہ کھول سکیں تو عقیدت کی روشنی باطن کے زنگ خوردہ بند دروازوں سے ٹکرائی اور نفس کی اندھیر نگری میں گم ہو گئی ۔۔۔ انسان حق کو پا رہا تھا مگر خود کو ابھی نہ پا سکا ۔ روح نے اس نارسائی کے درد میں چیخ ماری لیکن ہونٹوں نے اس کو "وحشت زہرخند" میں اُلٹ دیا ۔ فطرتِ انسانی اندر ہی اندر سسک رہی تھی مگر ہونٹوں سے قہقہے نکل رہے تھے اور رسالت کے خلوص کا جواب دے رہے تھے ۔۔۔ انسانی خود فریبی کی اس قاتلانہ دیوانگی پر پیغمبرؐ کا دل بھر آیا ۔ پر اشکِ غم پر روتی ہوئی آنکھیں سوئے فلک اٹھیں اور وہ ہونٹ جن کو کبھی جھوٹ کی آلودگی نے چھوا تک نہ تھا دعائیہ سرگوشی میں جنبش کرنے لگے "اے خدائے واحد ! تو نہ خفا ہو جانا ! ۔۔۔ یہ بدنصیب تجھے جانتے نہیں ۔ تیرے رسول کو پہچان نہیں رہے ۔ ورنہ یہ ایسا نہ کرتے ! ۔ رحم کر ۔۔۔ اے ارحم الراحمین ! رحم فرما ! " ۔۔۔ اور "بدنصیب انسان" نے اس "درد" کی جو پذیرائی کی وہ یہ تھی کہ صداقت کی پیمائش کے لئے شعبدوں کا پیمانہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا "میں تمھیں

[illegible] زمین سے اچانک پانی کا ایک چشمہ نکال کر دکھاؤ۔ یا صرف اتنا کرو کہ پلک جھپکتے تمہارے لئے ایک قصرِ زرنگار تعمیر ہو جائے۔"

زمین سے اچانک پانی نکال دینا اور چشم زدن میں سونے کا محل تیار کر دینا جتنا ناممکن تھا اس سے کہیں زیادہ ناممکن یہ تھا کہ یہی بے تکے مطالبے پیش کرنے والا کسی دن خود بخود اٹھے اور حق کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دے۔ اسلام کی تیر بہدف سچائی نے یہ ناممکن کر دکھایا۔

مکّہ سے خدا کا نام لینے والے ایک ایک کرکے نکال دیئے گئے تھے۔ بارہا احزاب کے میدانوں میں اسلام کو موت کے گھاٹ اُتارنے کی کوشش خود موت کے گھاٹ اُتر چکی تھی کہ ایک دن نہ جانے کیا سوچ کر عبداللہؓ مکّہ سے چل پڑے — وہ "اسلام" کی طرف جا رہے تھے۔ مگر اس کو مٹانے کے لئے نہیں اس کی ادائے حق پر مٹ جانے کے ذوق و طلب میں! — شاید یہ انقلاب اس دن شروع ہوا تھا جب مکّے سے محمد عربیؐ اور ان کے غلاموں کے جانے سے عبداللہ کے نزدیک ایک بھیانک خلا پیدا ہوا تھا — جب ڈھونڈے سے بھی کوئی ایسا انسان نہ ملتا تھا جو ظلم کے جواب میں ترس کھاتا ہو — جو جبیں کے خوں آشام قہقہوں سے گھائل ہو کر بھی جوابی حملہ نہ کرے — جو نفرت و حقارت کی ٹھوکروں پر بھی دعائے خلوص کے پھول برسائے — وہ اس سوز کو کیسے بھول جاتے جو بدترین سرد مہریوں کے جواب میں بھی سرد نہ ہوتا تھا — وہ اس درد بھری سنجیدگی کی یاد کو دل سے کس طرح نکال دیتے جو بدترین استہزاء کی زد میں بھی انسان دوستی کی شمع جلائے رکھتی۔ انھوں نے مکّے میں مسلمانوں کو زخم کھاتے بھی دیکھا تھا اور بدر و اُحد کے میدانوں میں تلوار اُٹھاتے بھی — مگر وہ جہاں بھی نظر آئے ان کے چہروں سے وہی حقیقت کی معصومیت ٹپکتی تھی — وہی سوز، وہی درد و گداز — وہی بے لوث سچائی کا سوز ان کی سیرت اور صورت سے جھلکتا دکھائی دیتا جس کو انھوں نے محمد عربیؐ کی ذاتِ گرامی میں ہمیشہ نقطۂ عروج پر دیکھا تھا۔ کردار کی یہ طاقت اور اخلاق کی یہ فاتحانہ تاثیر ہی تھی جو عبداللہ کے وجود میں ہر لحظہ نئی بیداریاں لا رہی تھی۔ اور آج وہ دھوکے کے ہر اندھیارے سے نکل آنے کے لئے بیتاب تھے۔ جو اسلام ان کی دل کی دنیا میں ہنگامہ اٹھاتے ہوئے تھا اس کو زبان پر لانے کی تڑپ انھیں حضورؐ کی تلاش میں کھینچے لئے جا رہی تھی۔ ماضی کے جرائم کا احساس رہ رہ کر ان کے ذوق و شوق کی پیش قدمی روک دینا چاہتا، مگر مستقبل بنانے کی بیکلی پھر آگے کو دھکیلتی لے جاتی۔ آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کی پشیمان صورت اس قابل نہیں کہ براہِ راست باریابی کی جسارت کی جا سکے۔ انھوں نے اپنی قریبی عزیزہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا سہارا لیکر حضورؐ سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ ہنس ہنس کر سینے پر زخم لگانے والے کو دروازے پر حاضر پاکر آپ کو مکّہ کا دورِ ستم یاد آ گیا — عبداللہ کی وہ ساری کہانی نظروں میں پھر گئی جس میں نفرت کے دلخراش قہقہے تھے — حقیقت کا خوں آشام مذاق تھا — دلدوز بے حسی کی مسلسل مشق تھی اور وہ سب کچھ تھا جو دلوں کو جوڑنے کا ہر نفسیاتی امکان ہمیشہ کے لئے ختم کر ڈالے۔ لیکن اس ظالم دشمن کی آواز سنکر جوابی انتقام کے جوش میں ٹوٹ پڑنے کے بجائے آپؐ نے ظالم کو صرف ستم یاد دلائے اور جراحتوں کی ٹیس سے مدھم آواز میں فرمایا "مکّے میں انھوں نے میرے لئے کونسی کسر اُٹھا رکھی تھی جسکو پورا کرنے کے ارادے سے اب یہاں آئے ہیں۔"

یہ تھی وہ لطیف سزا جو عمر بھر کے قہر و ستم کے جواب میں ایک گردن زدنی دشمن کو اپنے مکمل اختیار میں پا کر دی گئی — لیکن نہیں! — یہ "سزا" نہیں "انعام" تھا — یہ سختی نہیں ہمدردی تھی۔ مشیت چاہتی تھی کہ حق کی طرف جذباتی ذوق میں بڑھنے والا انسان مخالف جذبات کا دھکا برداشت کرے اور سچائی کی نئی پاکیزگی کو پانے سے پہلے ہر پرانی کثافت کو اذیت کی آگ میں تپا کر کندن بنا لے۔ عبداللہ نے اس لطیف سزا کا یہ فائدہ اُٹھایا — ناکامی اور آخری زیاں کے تصور سے وہ ماہیِ بے آب ہو گئے — مایوسی کی آخری اذیت نے تلافیِ مافات کے درد کو ناقابلِ برداشت حدوں تک پہنچا دیا — اور عبداللہ ان بلندیوں کو چھونے لگے جہاں حقیقت پسندی کے سیلِ رواں میں

انسان زندگی کی محبت باپ کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے ۔

" محمدؐ کے در سے ٹھکرایا ہوا انسان جینے کے قابل نہیں "

عبداللہؓ نے آخری جذباتی پیغام دیا " اگر میرے جرائم معاف نہ ہوئے تو عبداللہ خود کو موت کی سزا دے گا — میں دشت و صحرا میں تڑپ تڑپ کر جان دیدوں گا ۔ مگر اب اس دنیا میں واپس نہ جاؤں گا جس کی فضا میں کفر و شرک کا زہر ہے "

رحمت اللعالمین نے یہ پکار سنی تو عبداللہ کے اقدام کی پختگی نے ماضی کی ہر ذاتی تلخی یکسر بھلادی ۔ خدا کی طرف چلنے والے پر عفو و درگذر کا سینہ کھول دیا گیا اور عبداللہ نے محسوس کیا کہ ٹھیک اس سینے میں جس پر ان کے اپنے ہاتھوں نے سالہا سال زخم لگائے تھے رحمت و رافت کا دل پوری قوت سے دھک دھک کر رہا ہے ۔ محمد عربیؐ کے سینے میں دھڑکتے ہوئے دل سے مس ہو کر عبداللہ کی للّٰہیت میں تلاطم سا ہو گیا ۔ سچائی پر قہقہے لگانے والا انسان اب فکرِ آخرت کی تصویر بنکر رہ گیا زبان سے حق کی گواہی تسکین دینے کے لئے کافی نہ تھی ۔ اب تو ہر رگ و پے سے یہ شہادتِ حق خون کا فوارہ بن کر پھوٹ نکلنے کو بیتاب تھی ۔ مستقبل کو روشن بنا لینے کا یقین ہی اس وقت تک مکمل نہ ہوتا تھا جب تک ماضی کی سیاہ کاریوں کو آنسوؤں اور خون کے قطروں سے دھو ڈالا نہ جائے — تلافیٔ مافات کے اس اضطراب نے عبداللہ کے پورے وجود میں گرم گرم سیماب کوٹ دیا تھا ۔ وہ جہاد کے انتظار میں ایک ایک گھڑی گن کر گذار رہے تھے اور جب فتح مکہ ، جنگِ حنین میں جان دینے کی یہ حسرت نہ نکلی تو طائف کی مہم میں پروانہ وار شریک ہوئے اور اسلام پر پروانہ وار نثار ہو گئے ۔

یہ تھے وہ لوگ جنھوں نے تاریخی طور پر یہ ثابت کیا کہ اسلام کتنی بڑی کتنی قیمتی سچائی ہے — کھوکھلے عقیدوں کے تنزل قدموں کے لئے جس کی گرد تک پانا ممکن نہیں — اسلام جسکو لفظوں سے نہیں خونِ دل و جگر دے کر خریدا جا سکتا ہے — جس کی قیمت چکانے کی والہانہ تڑپ روح و جسم کی دیواریں توڑ کر باہر نکل آتی ہے — اور دل کی تمام دھڑکنیں شہادتِ حق کے الفاظ بنکر ہونٹوں پر گونجتی ہیں اور ہمیشہ کیلئے فضا کے سناٹے میں عجیب ہنگامہ برپا کر دیتی ہیں ۔

کیا ہماری زندگی میں بھی اسلام کی عظمت کا یہ عالم ایک دن — ایک ساعت کے لئے بھی گذرا ہے ؟ — اگر نہیں تو ان فاصلوں کا تصور کیجئے جو پیدائشی مسلمان ہونے کے باوجود ابھی ہماری زندگی اور حقیقی اسلام کے درمیان حائل ہیں ! — اسلام پر پیدا ہونا ایک چیز ہے اور اسلام پر مرنا دوسری چیز ! — کاش ہم سمجھ سکیں کہ اسلام پر پیدا ہونے سے مطمئن ہونے کے بجائے ہم یہ فکر کریں کہ جس زندگی کی رگ و پے میں دنیا پرستی رچی ہوئی ہو کیا اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ بسترِ جانکنی پر اس کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے آخری الفاظ " لا الٰہ الا اللہ و محمد رسول اللہ " کی شہادت دے رہے ہوں گے ؟ —


## بچوں اور کم قابلیت کے بڑوں کیلئے

## تین کتابوں کا روح نواز سیٹ

ان میں سے ہر کتاب عام فہم بھی ہے اور مستند بھی مقبول عام ہونے کے باعث کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں ۔

رسول عربیؐ ........ ایک روپیہ بارہ نئے پیسے

خلافتِ راشدہ حصّہ اول ........ ایک روپیہ

خلافتِ راشدہ حصّہ دوئم ........ ایک روپیہ

تینوں کی مجموعی قیمت تین روپے ۔

## فارسی تعلیم کا ایک عمدہ نصاب

جس کے ذریعے آپ بغیر معلّم کے بھی خود ہی اپنے بچوں کو فارسی سکھلا سکتے ہیں ۔

اصول فارسی مکمل ہر دو حصّہ ........ سوا روپیہ

معین فارسی ........ ۴۴ پیسے

درس فارسی ........ ۵۰ پیسے

نصائح فارسی ........ ۲۲ پیسے

(مکمل نصاب کی مجموعی قیمت دو روپے ۴۲ نئے پیسے)

مکتبہ تجلّی دیوبند (یو۔پی)

## مسلم یونیورسٹی اور جارحانہ فرقہ پرستی

ہندوستانی مسلمانوں کے مذہب، کلچر اور جان و مال پر جو یورشیں ہیں ان کا مبصرانہ جائزہ اور ممتاز لوگوں کے فرمودات پر نقد و تبصرہ۔ ڈھائی روپے

## فسادات جبلپور اور اسکے بعد

حال ماضی کی قبر میں دفن ہو جاتا ہے لیکن اس سے سبق حاصل کرنا جبھی ممکن ہے کہ وہ حافظے کی سطح پر زندہ رہے۔ اسی امکان کو پائندہ رکھنے کی ایک مؤثر، سنجیدہ اور فکر انگیز کوشش ہے۔ یہ کتاب
قیمت دو روپے

## ہندی سکھانیوالی باہنر کتابیں

ہندی اردو ماسٹر ...... ۳۰ نئے پیسے
اردو ہندی ماسٹر ...... ۵۰ "
ہندی اردو لغت ...... ساڑھے تین روپے
اردو ہندی لغت ...... ساڑھے تین روپے
ہندی دفتری مراسلات ...... دو روپے

## وہ — جنھیں کوئی نہیں جانتا

اس کتاب میں بہت سے ایسے شعراء کے جستہ جستہ اشعار جمع کئے گئے ہیں۔ جنھیں شہرت حاصل نہیں ہے، لیکن ان کی شاعرانہ صلاحیتیں خاصی نکھری ہوئی ہیں۔ دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت مجلد چار روپے

## بزم پیغمبرؐ

منتخب احادیث رسولؐ کا مفید ترجمہ و تشریح۔ سوا روپیہ

## جواہر رسالتؐ

قدم قدم پر کام آنے والی احادیث مع ترجمہ و تشریح

قیمت سوا روپیہ (یہ دونوں کتابیں ایک ساتھ طلب کرنے پر بجائے ڈھائی کے سوا دو روپے)

## وجد و سماع

### از شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

گانا بجانا۔ قوالی۔ عرس وغیرہ کے بارے میں بے نظیر گفتگو۔ پیش لفظ مدیر تجلی کا ہے
(ایک روپیہ)

## تعزیہ — علماء اسلام کی نظر میں

ایک مختصر لیکن مفید و جامع کتاب
چھ آنے

## مصر کے شہرۂ آفاق مصنف محمد حسین ہیکل کی دو بے نظیر کتابیں

**ابوبکرؓ** — خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حیات مبارک کا ہمہ گیر، جامع اور بھرپور مطالعہ۔ پانچ روپے

**عمر فاروق اعظمؓ** — خلیفۂ ثانی امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کی مفصل، مبسوط اور سیر حاصل سوانح حیات
قیمت نو روپے

**مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)**

(مولانا ابوالکلام آزادؒ کی چند کتابیں)...قرآن کا قانون عروج و زوال۔ ڈھائی روپے ● اسلامی جمہوریہ۔ ڈیڑھ روپیہ ● مسئلہ خلافت۔ پانچ روپے ● آزادی کی کہانی خود آزادؒ کی زبانی۔ چھ روپے ● مقالات آزادؒ۔ دو روپے ● نگارشات آزادؒ۔ چھ روپے ● عیدین۔ ڈیڑھ روپیہ ● مضامین البلاغ۔ ساڑھے تین روپے ● امر...

# جب اسلام کارفرما تھا

مولانا عبدالرؤف رحمانی

حضرت عمرؓ کا بھی ایسا ہی حال تھا۔ ایک صحابی حضرت عمرؓ کے دسترخوان بچھنے کے وقت عموماً رہا کرتے، لیکن حضرت عمرؓ کے کھانے میں شریک نہ ہوتے۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے ان سے سوال کیا کہ تم کبھی ہمارے کھانے میں شریک نہیں ہوتے اس کا سبب کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا اِنَّ طعامک خشنٌ غلیظٌ آپ کا کھانا بہت موٹا جھوٹا ہے میں نرم و ملائم غذا کا عادی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں چاہوں تو روز آرام و راحت کا کھانا لذیذ پُر تکلف غذا کھا سکتا ہوں میرے لئے یہ کچھ مشکل نہیں ہے کہ بکری کا گوشت بھنے اور باریک میدے کی پتلی روٹیاں بنیں اور منقّی اور کھجور کا مزے دار مشروب تیار ہو۔ یہ سُنکر حفصؓ نے کہا آپ لذیذ اور نفیس کھانوں سے پوری طرح واقف نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بے شک خوب جانتا ہوں لیکن میں عیش کی زندگی گذارنا نہیں چاہتا (منتخب کنزالعمال جلد چہارم صـ۴۱۲ـ وطبقات طبری الشعرانی جلد اوّل صـ۲۲ـ و سیرت عمر لابن الجوزی صـ۱۱۹ـ)

(۳) اسی طرح ایک اور شخص نے حضرت عمرؓ کے معمولی اور موٹے کھانے کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بیت المال کا اگرچہ میں مالک ہوں مگر اس کی ملکیت میری اپنی ذات کیلئے نہیں ہے۔ میری مثال ان چند مسافر ساتھیوں کی ہے جنھوں نے اپنے زادِ راہ کو ایک معتبر ساتھی کے سپرد کیا ہے کہ ان سب کے حسب ضرورت ان سب کے لئے خرچ کرے تو کیا یہ جائز ہوگا کہ ان کے خرچ میں سے کچھ اپنے لئے بچا کر مخصوص کرے قال لا یا امیرالمومنین قال کذالک مثلی ومثلھم اس نے کہا نہیں اے امیرالمومنین۔ فرمایا بس میری اور امت مسلمہ کی یہی مثال ہے۔ (منتخب کنزالعمال جلد چہارم صـ۴۰۳ـ بحوالہ ابن عساکر و سیرت عمر صـ۹۳ـ والسیاستہ الشرعیہ لابن تیمیہ)

(۴) سفرِ شام سے واپسی میں ایک دہقان نے آپ کی دعوت کردی اور خواہش کی کہ میرے گھر تشریف لاکر کھانا کھائیں۔ پوچھا تیرے گھر میں تصاویر ہوں گی؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا تم جاؤ کھانا یہیں بھیجدینا لیکن دیکھنا صرف ایک ہی طرح کا کھانا بھیجنا طرح طرح کی چیزیں ہرگز نہ بھیجنا۔ (منتخب کنزالعمال جلد چہارم صـ۴۱۵ـ)

۵ اور تو اور جب سفرِ شام میں آپ تشریف لے گئے تو اس وقت بھی آپ کے جسم پر بارہ پیوند والے کپڑے تھے آپ نے کوئی تکلف اس سفر کے لئے نہیں کیا۔ حالانکہ یہ سفر ایک انتہائی اہم سفر تھا۔ ایک ایسے حکمراں کا سفر تھا جس کی سطوت و عظمت کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن اسلام کے سچے خادم اور اللہ کے پاکباز بندے فاروق عمرؓ نے اس میں بھی وہی لباس زیب تن کیا جس میں چودہ پیوند تھے پھر لوگوں نے اصرار کیا تو آپ نے سفید مصری کپڑے پہنے اور ایک رومی گھوڑے پر سوار ہوئے لیکن پھر فوراً اتر پڑے اور فرمانے لگے اس کے استعمال سے مجھے تکبر اور تفاخر کی بو آتی ہے خدا میری لغزش کو معاف کرے لاؤ میرے وہی پیوند والے کپڑے لاؤ چنانچہ وہی پہنکر بطریق (پادری) کے پاس تشریف لے گئے ابوعبیدہ بن جراح نے اہل بلد کو پکار کر امیر المومنین آگئے فلما رأه البطريق عنقه ونظر اليه فزعق زعقة وقال هذا هو الذى صفته ونعته فى كتبنا۔ یعنی آپ کو دیکھ کر بڑے پادری نے ٹھنڈا سانس لیا اور کہنے لگا کہ ہماری کتابوں میں فاتح بیت المقدس کا جو حلیہ تھا وہ حلیہ اس خلیفہ میں موجود ہے۔ بیت المقدس کا دروازہ کھول دو (ثمرات الاوراق علی حاشیۃ المستطرف جلد ثانی صـ۱)

۶ آپ کے پیوند والے لباس کا سلسلہ کسریٰ و قیصر کے ممالک کے مفتوح ہو جانے اور مشرق و مغرب اور عرب و عجم کے مطیع ہو جانے کے بعد بھی قائم تھا صحابۂ کرام نے اکابر صحابہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ وغیرہ کو عرض کیا کہ آپ لوگ اس بارے میں حضرت عمرؓ سے گفتگو کریں۔ ان حضرات نے فرمایا کہ ہماری مجال نہیں حضرت علیؓ گفتگو کر سکتے ہیں پھر حضرت علیؓ نے کہا میری بھی ہمت نہیں البتہ ازواج مطہرات میں سے عزیزہ حضرت عائشہؓ و حفصہ رضی اللہ عنہما یہ گفتگو کر سکتی ہیں جب یہ حضرات ہمت کر کے پہنچیں اور فتوحات اسلام اور بیت المال کی ترقی کی تعریف کر کے کہنے لگیں۔ وفود العرب والعجم يردون عليك وعليك هذه الجبة رقعتها اثنتى عشرة رقعة عرب و عجم کا وفد آتا رہتا ہے اور آپ اسی جبّہ کو پہنکر ان سے ملتے ہیں جس میں بارہ بارہ پیوند لگے ہوتے ہیں پس آپ ملائم اور خوبصورت کپڑا پہنیں اور اچھی طرح کھائیں پئیں اور آنے والوں کو کھلائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ یہ سنکر روئے اور کہنے لگے آپ حضرات امہات المومنین ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور کپڑوں میں سادگی کا حال آپ کو معلوم ہے پھر بھی آپ عمرؓ کو دنیا کی لذائذ کی رغبت دلاتی ہیں یہ کہتے ہوئے آپ کے چہرے پر رنج و تأسف کے ایسے پرسوز آثار نمایاں ہوئے کہ امہات المومنین خود بھی رونے لگیں (احیاء العلوم جلد ۴ صـ۲۲۳ و منتخب کنز العمال جلد ۴ صـ۴۱۸)

حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے فرمایا بس قوت لا یموت یعنی قریش کے ایک عام آدمی کے برابر غلّہ اور حج وغیرہ کا خرچ اور سردی اور گرمی کے لئے دو حُلّے (دو جوڑے) ہمارے لئے کافی ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد سوم صـ۱۹۸ و تاریخ الخلفاء صـ۸۲ و سیرت عمرؓ صـ۹۵ و احیاء العلوم للغزالی جلد ثالث صـ۲۳۲)

۷ حضرت عمرؓ کفایت شعاری اور سادہ زندگی گذارنے کی تعلیم و تلقین بھی فرمایا کرتے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ ایک عمدہ قمیص پہنے ہوئے ہے فرمایا بکم اخذت قمیصك یہ کرتہ کتنے میں خرید ا اس نے جواب دیا کہ ۱۲ درم میں خریدا ہے فرمایا اگر کوئی چار درم والا خرید لیتے تو کیا حرج ہوتا اور پھر باقی چھ درم تمہارے دوسرے کام آجاتے (منتخب کنز العمال جلد اول صـ۴۲۳)

اسی طرح عام کھانے پینے میں کفایت کا حکم دیتے تھے علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں کل من رأه يشترى لحما يومين متتابعين يضربه جب کو مسلسل دو دن گوشت خریدتے ہوئے دیکھتے اُسے دُرّے سے مارتے اور فرماتے هلاّ طويت بطنك لجارك وابن عمك یعنی اپنے کام و دہن کی لذتوں پر اپنے ہمسایوں اور عزیز و اقارب کی خدمت کو کیوں نہیں مقدم رکھتے یعنی یہ پیسہ جو اپنا تم ہمسایوں اور عزیزوں پر بھی خرچ کرنا چاہئے تھا (طبقات کبریٰ جلد اول صـ۱۶ موطا امام مالک مع مسوی جلد ۲ صـ۴۰۰)

۸ حضرت عمرؓ اپنے سالاران لشکر کو لکھا کرتے تھے کہ سادہ زندگی اختیار کرو موٹا پہنو موٹا کھاؤ سخت کوشی کی عادت ڈالو دھوپ میں بیٹھو گھوڑے کی پیٹھ پر کود کر سوار ہو اور نشانہ

(الاشراف بلاذری بحوالہ حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط ص۲۳۳)

ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو گوشت کھاتے دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے کہا آج گوشت کھانے کو طبیعت چاہ رہی تھی پہلے تنبیہ فرمائی پھر ارشاد ہوا۔ کفی بالمرء سرفا ان یاکل کل ما اشتہاہ یعنی آدمی کے اسراف اور فضول خرچ ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر چیز کھایا کرے جو اس کا جی چاہے (منتخب کنز العمال جلد چہارم ص۴۱۸)

۹ عبدالوہاب شعرانیؒ حضرت فاروق اعظم کی سیرت میں لکھتے ہیں وکان رضی اللہ عنہ لا یجمع فی سماطہ بین ادامین یعنی کبھی اپنے دسترخوان پر دو قسم کا سالن نہیں جمع ہونے دیتے تھے ایکبار آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ نے آپ کے پاس بطور تحفہ کچھ گوشت کا سالن بھیجا اس میں تیل بھی ڈالا دیا حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ دو طرح کا سالن ہیں نہیں کھایا کرتا الفاظ یہ ہیں۔ ادامان فی اناء واحد لا اکلہ حتی القی اللہ مطلب یہ کہ گھی بھی ایک مستقل سالن ہے تو دو سالن کی کیا ضرورت ہے (طبقات کبریٰ للشعرانی جلد اول ص۱۸ و منتخب کنز العمال جلد چہارم ص۴۱۸ و تاریخ الخلفاء ص۹۶ و تہذیب الاسماء للنوویؒ جلد ثانی ص۱۲)

ایک بار آپ کے پاس کسی نے تازہ اور فربہ گوشت اور دودھ کھانے کے لئے پیش کیا۔ فرمایا ان میں سے ہر ایک مستقل سالن ہے میں دو سالن ایک وقت میں نہیں کھا سکتا یہ کہہ کر آپ نے کھانے سے انکار کر دیا (سیرت عمرؓ لابن الجوزی ص۱۱۱)

**اعلام!** یہ ساری سخت کوشی، زہد، پرہیزگاری اور قناعت صرف اپنی ذات کی حد تک تھی یا پھر اہل وعیال کے معاملہ میں لیکن اپنے عاملوں کیلئے اچھی خوراک کا انتظام فرماتے تھے علامہ شبلیؒ اس کی توجیہ میں لکھتے ہیں ان الحالۃ التی ہو علیہا وکان غیرہ علیہا ہان فی نفوس الناس ولم یحترموہ یعنی حضرت عمرؓ نے اگرچہ اپنے لئے نمک روٹی رکھا لیکن دوسرے عمال کے لئے روزانہ نصف بکری کا راشن مقرر کیا تھا تاکہ عمال اور حکام کی عزت افزائی ہو اور لوگوں کے قلوب میں ان کا احترام اور ان کی عظمت کا احساس پیدا ہو اور اس کے ذریعہ انتظام مملکت درست ومحفوظ رہے (کتاب الاعتصام جلد اول ص۲۴۸)

**کپڑوں کی سادگی!** کپڑوں کے استعمال میں یہی حال تھا کہ دو کپڑے تن ڈھانکنے کے لئے برابر میسر نہ تھے ایک بار حضرت عمرؓ جمعہ میں دیر سے تشریف لائے اور لوگوں کے دریافت کرنے پر فرمایا انما حبسنی غسل ثوبی ہذا ولم یکن لی ثوب غیرہ (سیرۃ عمرؓ ص۱۰۲) یعنی مجھے اسلئے دیر ہوئی کہ جو کپڑے میرے جسم پر ہیں انھیں دھو رہا تھا۔ ان کے علاوہ کوئی جوڑا میرے پاس نہیں ہے۔

۱۰ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ جمعہ میں دیر سے تشریف لائے اور دو کپڑے پہنکر آئے وہ دونوں نئے تھے جب منبر پر تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کو دو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا سب کو آپ نے ایک ایک کپڑا تقسیم کیا ہے آپ کو یہ دو کپڑے کیسے مل گئے؟ فرمایا بات یہ ہے کہ میرے پاس صرف ایک ہی کپڑا تھا جو آج عام مسلمانوں کے برابر مجھے بھی ملا ہے دوسرا کپڑا مطلق نہیں تھا پھر اپنے بیٹے عبداللہ کو مخاطب کرکے فرمایا وہ کپڑا جسے ہم نے ازار بنالیا ہے کیا وہ تمہارے حصہ کا کپڑا نہیں ہے انھوں نے کہا اللھم نعم جی ہاں وہ میرا ہی کپڑا ہے (صفۃ الصفوۃ جلد اول ص۱۰۶ وسیرت عمرؓ لابن الجوزی ص۱۲۲) اس سے معلوم ہوا کہ دور خلافت میں مسلسل دو کپڑے بھی ان کو میسر نہ تھے۔

۱۱ ابو عثمانؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ ان کے ایک ایک کرتہ میں بارہ بارہ پیوند لگے تھے (البدایہ والنہایہ جلد سابع ص۱۳۴ و مشاہیر الاسلام جلد اول ص۲۲۶) ان میں سے بعض بعض مختلف رنگ کے ہوتے اور بعض پیوند چمڑے کے بھی ہوتے تھے (سیرت عمرؓ ص۱۲۰ طبقات کبریٰ للشعرانی جلد اول ص۱۹ و مروج الذہب جلد ثانی ص۳۱۲ و احیاء العلوم للغزالی جلد رابع ص۲۲۸)

۱۲ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے زمانۂ خلافت میں حضرت کو خطبہ کی حالت میں دیکھا کہ وہ جس تہبند کو استعمال

مرا سے ہوتے تھے اس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے (منتخب کنز العمال جلد چہارم ص۴۰۸ و سیرۃ عمرؓ ص۱۸۱ و تاریخ الخلفاء ص۹۶)

۱۳ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے مونڈھے پر تین پیوند دیکھے جو ایک دوسرے کے قریب لگے ہوئے تھے اور پورے کرتہ میں چودہ پیوند تھے (تہذیب الاسماء جلد ثانی ص۵ و منتخب کنز العمال جلد چہارم ص۴۰۸ و سیرۃ عمرؓ ص۱۸۱ و موطا امام مالک مع مسوی جلد ثانی ص۳۶۶ و موطا امام محمد مطبوعہ کراچی ص۳۲۵)

۱۴ ایک بار حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ یزید بن ابی سفیان کے دسترخوان پر طرح طرح کا کھانا کھایا جاتا ہے اپنے غلام یرفاء سے کہا کہ جس وقت یزید کھانا کھانے کے لئے بیٹھے مجھے اطلاع دو چنانچہ حضرت عمرؓ اطلاع پاتے ہی اُن کے مکان پر پہنچے اور سلام مسنون فرما کر اندر داخل ہوئے تو انھوں نے کھانے میں حضرت عمرؓ کو بھی شریک کیا روٹی اور گوشت تو کھا لیا پھر بھنا ہوا گوشت کا پیالہ جب اندر سے آیا تو یزید نے اُسے بھی کھانا چاہا حضرت عمرؓ نے ہاتھ روک لیا اور ان کو بھی باز رکھا اور فرمایا ایک طرح کے سالن کے بعد دوسرے رنگ برنگ اور طرح طرح کے سالن سُنّت نبوی کے خلاف ہیں (کتاب الاعتصام جلد اول ص۳۴ منتخب کنز العمال جلد چہارم ص۴۱۴ احیاء العلوم جلد ثالث ص۹۰)

۱۵ حضرت علیؓ نے اپنے ایک عامل عثمان بن حنیف کو رنگ برنگ اور طرح طرح کے سالنوں کے استعمال سے منع کیا اور فرمایا کہ تم ان محتاجوں اور غریبوں کو دیکھو جو ایک طرح کے سالن سے بھی محروم ہیں (نہج البلاغہ جلد ثالث ص۸۲)

۱۶ ہرمزان کسریٰ شاہی خاندان میں معزز حکمراں تھا جب گرفتار ہو کر مدینہ ایک وفد کی معیت میں بھیجا گیا تو اس میں حضرت انسؓ اور احنف بن قیسؓ بھی تھے جب ہرمزان مدینہ سے قریب ہوا تو اس سے وفد نے کہا کہ اپنا شاہی لباس اور تاج وغیرہ پہن لے تاکہ اہل مدینہ اسے دیکھ کر عبرت پذیر ہوں جب وفد ہرمزان کو لیکر مدینہ میں داخل ہوا اس نے مسجد نبوی میں حضرت عمرؓ کو سوتا ہوا پایا ہرمزان نے پوچھا کہ حضرت عمرؓ کہاں ہیں وفد نے کہا یہ دیکھو سو رہے ہیں ہرمزان اس سادہ زندگی کو دیکھکر حیران ہو کر پوچھتا ہے ان کے حُجّاب اس کے باڈی گارڈ اور مصاحب وغیرہ کہاں ہیں؟ کیونکہ ہرمزان ان چیزوں کے بغیر کسی بادشاہ کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا لوگوں نے کہا یہ سب لوگوں میں آزادانہ رہتے ہیں۔ پہرہ چوکی نہیں رکھتے۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ جاگ گئے۔ معلوم کیا کہ یہ ہرمزان ہے حضرت عمرؓ نے اس سے کچھ سوال کیا اس نے کہا جواب دیتا ہوں۔ پہلے مجھے پانی پلا دیجئے اس نے کہا ایسا نہ ہو کہ پانی پینے سے پہلے آپ مجھے قتل کرا دیں۔ آپ نے فرمایا لا باس علیک (کچھ خوف مت کرو) اس کے بعد پیالہ میں پانی آگیا اس کے شاہی مزاج اور شاہی نفاست نے اس پیالہ کو دیکھ کر کہا لومتُّ عطشًا لما استطع ان اشرب فی مثل ھذا القدح (ایسے بھدے پیالے میں سے پانی نہیں پی سکتا خواہ پیاس سے میری جان جاتی رہے) پھر ایک پاکیزہ اور پسندیدہ برتن میں پانی آیا اس نے کہا پانی پینے میں تو مار اجاؤں چونکہ یہ کئی بار بدعہدی کر چکا تھا اسلئے بار بار ڈرتا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا لا باس علیک حتیٰ تشربہ۔ جب تک پانی نہ پی لو تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں اس نے کہا اب میں پانی نہ پیوں گا آخر حضرت عمرؓ نے جان بخشی کی اور وہ اسلام لے آیا۔ (اشہر مشاہیر الاسلام جلد اول ص۳۲۹) اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کی سادہ زندگی اور درویشانہ طرز معیشت کا حال اچھی طرح واضح ہے کہ ایسے معمولی اور سادہ برتنوں میں گذر اوقات فرماتے تھے جسکو امراء زمانہ ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کریں۔ حالی مرحوم نے خلفاء کرام کی سادہ زندگی کا کیا خوب نقشہ اپنی مسدس کے ایک بند میں پیش کیا ہے ؂

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت
نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت
فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگا یا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

۱۶۔ حضرت عمرؓ نے معمولی خرچ کے ساتھ سفر حج بھی ادا کیا چنانچہ مکہ سے مدینہ آنے جانے میں آپ نے کل سولہ دینار خرچ کئے پھر بھی یہ احساس تھا کہ ہم نے اس سفر میں بہت زیادہ خرچ کر دیا۔ (مروج الذھب جلد ثانی ص ۲۴۲)

۱۷۔ کھانے اور کپڑے میں حضرت عثمانؓ بھی کفایت شعار اور سادگی پسند تھے مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ جمعہ کے روز منبر پر حضرت عثمانؓ کو دیکھا گیا جو موٹا تہبند آپ پہنے ہوئے تھے اس کی قیمت چار پانچ درم یعنی سوا روپے سے زیادہ نہ تھی۔ (مستدرک حاکم جلد سوم ص ۹۶)

علامہ شعرانی لکھتے ہیں کہ عدن کا بنا ہوا ایک تہبند آپ کے استعمال میں رہتا جسکی قیمت چار پانچ درم سے زیادہ نہ تھی یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ خلیفہ تھے اور یہی حال کھانے کا تھا لوگوں کو بہترین کھانا کھلاتے اور خود گھر میں جا کر روزمرہ کا کھانا یعنی روٹی کو سرکہ یا زیتون سے کھا لیتے (طبقات کبریٰ للشعرانی جلد اول ص ۱۷ و منتخب کنز العمال جلد پنجم ص ۱۰)

۱۸۔ حضرت علیؓ کی سادہ زندگی تو مشہور ہی ہے ایک واقعہ علامہ ابو عبید قاسم بن سلام نقل کرتے ہیں کہ موسم سرما میں وہ ایک بہت پرانی چادر اوڑھے ہوئے کانپ رہے تھے کسی نے اعتراض کیا فرمایا بس یہی موٹی اور سادی چادر مجھے میسر ہو سکتی ہے اس کے علاوہ کوئی دوسری چادر میرے گھر میں نہیں (کتاب الاموال ص ۲۴۷)

۱۹۔ علامہ شعرانی لکھتے ہیں کہ کسی نے کہا آپ کیوں جاڑے سے کانپ رہے ہیں الا تاخذ لحافا من بیت المال بیت المال سے کوئی کمبل کیوں نہیں لے لیتے فرمایا: ما انقص المسلمین من بیت مالھم شیئا یعنی اپنے آرام وراحت کے لئے میں مسلمانوں کے بیت المال میں سے کچھ کم نہیں کرنا چاہتا ہوں (طبقات کبریٰ للشعرانیؒ جلد اول ص ۱۸)

۲۰۔ علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ عبد اللہ ابن ابی ہذیلؓ نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے بدن پر ایک موٹا کرتہ تھا جو پہنا ہونے کے ساتھ اس قدر ناسب اور چھوٹا تھا کہ آستین کھینچتے تو انگلی تک پہنچ جاتا اور جب چھوڑتے تو آدھے بازو تک پہنچ جاتا (استیعاب جلد ثانی ص ۴۶۵ و منتخب کنز العمال جلد پنجم ص ۵۸)

ایک بار تو یہ حال گذر گیا کہ منبر پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کوئی اس تلوار کو خرید لے تو میں اس کی قیمت سے ایک تہبند خرید لوں گا فلو کان عندی ثمن ما بعتہ اگر میرے پاس تہبند خریدنے کو دام ہوتے تو یہ اس محبوب تلوار کو نہ فروخت کرتا یہ حالات اس وقت کے ہیں جب آپ خلیفہ تھے (استیعاب جلد دوم ص ۴۶۵ و احیاء العلوم جلد ثانی ص ۲۲۱)

۲۱۔ حضرت عمرو بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے ان کے تہبند کو دیکھا اس میں متعدد جگہ پیوند لگے ہوئے تھے کسی نے کچھ کہا تو فرمایا ایسے کپڑوں سے دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے (منتخب کنز العمال جلد پنجم ص ۵۷)

۲۲۔ حضرت علیؓ کھانا بھی موٹا جھوٹا کھاتے تھے علامہ شعرانی لکھتے ہیں کان یعجبہ من اللباس ما قصر ومن الطعام ما خشن یعنی کپڑا کم وسعت والا پسند کرتے تھے اور کھانا موٹا جھوٹا (مروج الذھب جلد ثانی ص ۴۳۳ و مستدرک جلد اول ص ۱۴۳) آپ کا کپڑا تہبند وغیرہ زیادہ سے زیادہ دو روپے بارہ آنے کا ہوتا (تہذیب الاسماء جلد اول ص ۳۴۹ و احیاء العلوم جلد ثالث ص ۳۳)

آپ جب کوفہ تشریف لے گئے تو باوجود اس کے کہ عراق میں انواع واقسام کے کھانے تھے کبھی آپ نے مختلف قسم کا کھانا نہ کھایا ایک دن آپ کے سامنے فالودہ پیش ہوا تو فرمایا خوشبودار ہے خوش رنگ ہے خوش ذائقہ بھی ہوگا ولکنی اکرہ نفسی ان اعودھا ما لم تعتد ولم یاکل یعنی اپنے نفس کو ایسی چیزوں کا عادی بنانا نہیں چاہتا ہوں جن کا اب تک عادی نہ تھا یہ کہکر کھانے سے انکار فرمایا (منتخب کنز العمال جلد پنجم ص ۵۶ و احیاء العلوم جلد ثانی ص ۱۳)

۲۳۔ حضرت علیؓ نے ایک بار عاصم نامی ایک شخص کو ڈانٹا کہ تم نے ٹاٹ وکمبل وغیرہ پہن کر اور لذیذ کھانوں کو چھوڑ کر ایسی

سخت زندگی کیوں اختیار کی عاصم نے جواب دیا فما بالک فی خشونۃ مآکلک وخشونۃ ملبسک یعنی تو پھر آپ نے اپنے کھانے کپڑے میں کیوں ایسی تنگی اختیار کی ہے حضرت علیؓ نے فرمایا میرا حال تم سے جدا ہے خداوند کریم نے امراء و خلفاء پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ وہ غریب عوام جیسی زندگی گزاریں اور عیش و راحت کی پر تکلف معاشرت کے ذریعہ خود کو عوام سے ممتاز و برتر نہ بنالیں (کتاب الاعتصام للشاطبی جلد ۲ ص۳۵۸)

۲۴ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سادگی کا عجیب عالم تھا کہ جب آپ تخت نشین خلافت ہوئے تو شاہی غالیچوں، قالینوں، گدوں، شطرنجیوں، مسندوں میں سے کسی چیز کو استعمال نہ فرمایا بلکہ صرف ایک نمدہ بچھا کر بیٹھ گئے (طبقات ابن سعد جلد خامس ص۲۵۹)

پھر سواری کے لئے شاہی سواریاں پیش کی گئیں آپ نے انکار فرمایا قَرِّبْ اِلَیَّ بَغْلَتِی میرا خچر میری سواری کیلئے کافی ہے تمام ساز و سامان اور قیمتی گھوڑوں کے بارے میں فرمایا کہ ان سب کو فروخت کرکے ان کے دام بیت المال میں داخل کردو۔

۲۵ ایک بار آپ بیمار ہوئے تو کئی دن تک ایک ہی کپڑا آپ کے جسم پر رہا جو میلا ہوگیا تھا حضرت کے اقرباء نے آپکی بیوی فاطمہ سے کہا کہ آج امیر المومنین کو کچھ افاقہ ہے کپڑے بدل دو لوگ ملاقات و عیادت کے مشتاق ہیں کپڑے بدل جانے کے بعد ہم ان کو ملاقات کا موقع دیدیں وہ خاموش بیٹھی رہیں پھر جب دوبارہ کہا گیا تو فرمایا واللہ ماله غیرہ یعنی خدا کی قسم دوسرا کپڑا ان کے پاس موجود نہیں ہے (طبقات ابن سعد جلد خامس ص۲۹۱ وسیرت عمر بن عبدالعزیز مولفہ ابن عبدالحکم ص۴۸ البدایہ والنہایہ جلد ص۲۱۳)

۲۶ علامہ شعرانیؒ اپنے طبقات میں لکھتے ہیں کانت غلته خمسین الف دینار فلما ولی الخلافة صار ینفقها کل حین حتی ما بقی له غیر قمیص واحد لا یخلعه حتی یتسخ فاذا اتسخ غسله ومکث فی البیت حتی یجف (طبقات کبریٰ للشعرانی جلد اول ص۴۸)

یعنی آپ کی ذاتی آمدنی خلافت سے پہلے پچاس ہزار اشرفی سالانہ تھی لیکن خلافت کے بعد ہی ان رقموں کو ضعفائے اسلام میں اس طرح خرچ کرتے رہے کہ بجز ایک قمیص کے اور کوئی دوسرا کپڑا آپ کے پاس نہ ہوتا جسکو میلا ہونے تک برابر پہنتے رہتے میلا ہونے پر دھو لیتے اور خشک ہونے تک گھر میں ٹھہرے رہتے کیونکہ دوسرا کپڑا نہ ہوتا جسے پہنکر باہر آتے اور یہ کرتہ زیادہ سے زیادہ چار درہم (دس) کا ہوتا (البدایہ والنہایہ جلد تاسع ص۲۰۳ و مرآۃ الجنان جلد اول ص۲۱۱)

میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے پاس چھ مہینہ رہا ان کے جسم پر صرف ایک چادر دیکھی جسکو جمعہ تک پہنے رہتے اور جمعہ کو دھویا کرتے کان یغسله بنفسه من الجمعة الی الجمعة (تہذیب الاسماء جلد ثانی ص۲۳)

حالانکہ خلافت سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ذوق و مزاج کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ تیز خوشبو کے عطر استعمال کرتے، جب ہوا اڑتی اور خوشبو پھیلتی تو لوگ سمجھ جاتے کہ ادھر سے عمر بن عبدالعزیز گزر رہے ہیں شہزادگی کے زمانے میں امیر عبدالملک کی طرف سے ہزار دینار کا وظیفہ جاری تھا (سیرت عمر بن عبدالعزیز مؤلفہ عبداللہ بن عبدالحکم ص۲۱)

### سادی غذا

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی غذا بھی خلافت کے بعد نہایت سادی تھی ایک بار آپ کی پھوپھی آئیں کھانے میں صرف خشک روٹی اور نمک اور زیتون کا تیل تھا نصیحت کرنے لگیں اس سے ذرا بہتر کھانا کھائیے فرمایا لیس عندی یا عمه اس سے بہتر کا ہمارے پاس انتظام نہیں (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۶۲)

انگور آپ کو بے حد محبوب تھے خریدنے کے لئے بیوی سے کچھ قرض مانگا انہوں نے کہا میرے پاس بھی نہیں جب آپ کے پاس خلیفہ ہو کر نہیں تو میرے پاس کہاں سے ہوگا فرمایا آخرت کا عذاب سامنے ہے ورنہ خلافت میں تو بہت مال و زر ہے (البدایہ جلد تاسع ص۲۰۲)

ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بھائی زبان بن عبدالعزیز

آپ کے پاس گئے شام کا کھانا دیکھا کہ صرف مسور کی دال اور پیاز پر گذر ہو رہا ہے روٹی وغیرہ نہ دار دنصیحت کرنے لگے عمر ابن عبد العزیز نے فرمایا زبان بند کرو آئندہ میں کبھی اپنے راز کا افشا نہ کروں گا یعنی ایسا موقع نہ دوں گا کہ میرے بے تکلف کھانوں کو کوئی دیکھ سکے (سیرت عمر عبد العزیز ص۱۲۱ البدایہ والنہایہ جلد تاسع ص۲۰۹ و تاریخ الخلفاء ص۲۲۵)

۲۷ ایک راوی کا بیان ہے کہ بحالت خلافت جب آپ خطبہ دے رہے تھے تو دیکھا گیا کہ آپ کے کرتہ کا گریبان اور سامنے کے حصہ میں پیوند لگے ہوئے ہیں (طبقات کبریٰ للشعرانی جلد اول ص۴۲ و تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص۱۱۳)

دور خلافت سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے لئے چار چار سو دینار اور ہزار ہزار دینار کے کپڑے خرید کر آتے تو فرماتے بہت موٹا اور بہت گاڑھا ہے لیکن خلافت کی مسند پر آنے کے بعد جب دس بارہ درہم کا کپڑا آتا تو فرماتے بہت نرم و ملائم کپڑا ہے۔ (تہذیب الاسماء جلد ثانی ص۲ والبدایہ والنہایہ جلد تاسع ص۲۰۳ و مروج الذھب للمسعودی جلد ثانی ص۱۹۶)

ایک بار آپ نے آٹھ درہم کا کپڑا منگایا جب اسے دیکھا تو فرمایا بہت ملائم ہے ایک آدمی ہنسنے لگا فرمایا تو بلا وجہ ہنستا ہے کیا احمق ہو گیا ہے! اس نے کہا نہیں بات یہ ہے کہ جب آپ شہزادے تھے تو میں ہی آٹھ سو درہم کا ایک کپڑا ریشمین آپ کے لئے لایا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ بہت موٹا ہے اور آج آٹھ درہم والے کپڑے کو بہت ملائم کہہ رہے ہیں (سیرت عمر بن عبد العزیز ص۴۳)

یہی حال آپ کے بچوں کا تھا ان کے کپڑے جا بجا پھٹے ہوئے نظر آتے تو فرماتے میں تم قمیصات یا پوشتین اے عمیر بیٹے اپنے کرتہ پر پیوند لگا میں آج سب سے زیادہ محتاج ہوں (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبۃ الدینوری جلد ثانی ص۱۲۴)

۲۸ علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ ایک بار آپ نے ایک صاحبزادی کو آواز دی وہ حاضر نہ ہوئی تو آپ نے ایک خادم کو بھیجا کہ بلا کر لاؤ جب وہ آئیں تو پوچھا ما منعك ان تجيبي فقالت انی عریانۃ یعنی میرے پکارنے پر تم کیوں نہ آئیں انھوں نے جواب دیا کہ تن ڈھانکنے کو کپڑا نہ تھا میں کس طرح آسکتی تو ایک موٹے کپڑے کی طرف اشارہ کیا اور اسے ان کے استعمال کے لئے دیا (طبقات کبریٰ للشعرانی جلد اول ص۲۹)

۲۹ امام ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ لکھتے ہیں کہ جب بوقت وفات اپنے بچوں کو ایک نظر دیکھنے کے لئے بلایا تو وہ تیرہ یا چودہ لڑکے تھے نظر الیهم وقد لبسوا الخشن من قباطی مصر ناعم و رقت عیناه بالدموع (احیاء العلوم جلد ثالث ص۲۲۴ الامامۃ والسیاسۃ جلد ثانی ص۱۴۰ البدایہ والنہایہ جلد تاسع ص۲۱۷)

یعنی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو مصر کے عوامی قبطی کپڑے یعنی موٹے جھوٹے کپڑے سب کے بدن پر تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں۔


## حضرت ابوبکرؓ اور فاروق اعظمؓ

دنیائے عرب کے سحر طراز مصنف طہٰ حسین کی ایک ایمان افروز، دلچسپ اور روح پرور کتاب سلیس اردو لباس میں۔

قیمت مجلد چھ روپے بارہ آنے

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

## غنیۃ الطالبین
مع
فتوح الغیب
(اردو مع عربی)

شیخ الشیوخ حضرت عبد القادر جیلانیؒ کے شہرہ آفاق افادات عالیہ دو ضخیم جلدوں میں مکمل۔ قیمت چوبیس روپے۔

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

## آئینۂ حقیقت نما

مصنفہ :- مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

ہمارا اور مغربی مورخین گذشتہ برسوں سے ہندوستان پر مسلم فاتحین کے حالات کو تعصب کے زہر میں بجھے ہوئے قلم سے لکھ کر پیش کر رہے تھے اور مسلمان حکمرانوں کی ساری خوبیاں خرابیاں ہو کر رہ گئی تھیں۔ ایسے میں مورخ اسلام نے محققانہ قلم اٹھایا اور تمام الزامات کا مدلل اور دندان شکن جواب تاریخ کی روشنی میں لکھا جو "آئینۂ حقیقت نما" کے نام سے پیش کیا۔ یہ کتاب حیرت انگیز تاریخی معلومات کا خزانہ ہے۔ قیمت مکمل مجلد بارہ روپے۔

## البرامکہ

مصنفہ :- مولانا عبدالرزاق کانپوری

عالم اسلام کے نامور وزراء خالد برمکی، یحییٰ برمکی اور جعفر برمکی کون تھے، انھوں نے عہد عباسیہ میں کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان دانشور اور مدبر وزیروں کے عروج و زوال کی حیرت انگیز و عبرت انگیز داستان۔ مکمل مجلد بارہ روپے۔

## سفینۃ الاولیاء

دارا شکوہ کی مشہور و مستند کتاب سفینۃ الاولیاء کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں آنحضرت سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و امام اعظم ابو حنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو یوسفؒ، امام مالک بن انسؒ و امام شافعیؒ و ائمہ اثنا عشری و ازواج مطہراتؓ و اسلام کی مشہور و نیک خواتین اور اولیاء کرام کے جامع حالات از تاریخ ولادت تا تاریخ وفات کو مستند ماخذوں سے جمع کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد چھ روپے بارہ آنے۔

## تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ

حضرت مجدد اعظم کی زندگی اور ان کے فکر و نظر کی تشریح و توضیح از :- علامہ مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ قیمت مجلد چار روپے پچاس نئے پیسے۔

## مقالات جمال الدین افغانیؒ

چودھویں صدی کے مجدد اور مفکر جمال الدین افغانیؒ کے زندگی افروز، ولولہ انگیز، روح پرور، عزم آفریں اور داعیانہ عربی خطبات و مقالات کا شستہ اردو ترجمہ

قیمت مجلد چار روپے

## نظام الملک طوسی

الپ ارسلان کے وزیر کبیر ابو علی حسن بن علی کی مبسوط سوانح عمری۔ قابل اعتماد تاریخی مواد۔ مؤلفہ :- مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری مصنف البرامکہ قیمت بارہ روپے۔

## تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات

تاریخ کے بعض دلچسپ اہم اور تعجب خیز واقعات کا عبرت آموز بیان۔ قیمت تین روپے۔

## شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیبؒ

مشہور فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر کا بارہ سالہ روزنامچہ ۱۶۵۶ء تا ۱۶۶۸ء جس میں شاہجہاںؒ کے آخری دور کا حال، اور نگ زیبؒ کی بھائیوں سے کش مکش متعلق حقیقتیں کے پس پردہ واقعات اور اس دور کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالات کو نہایت دل کش انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

قیمت مجلد بارہ روپے

## حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

دنیائے عرب کے مشہور عالم و محقق استاذ ابو زہرہ کی بیش بہا عربی تصنیف کا نفیس اردو ترجمہ۔ امام ابن تیمیہؒ پر سب سے جامع، مبسوط اور سیر حاصل کتاب۔ ضخیم اور وسیع۔

قیمت مجلد اکیس روپے۔

## رسائل و مسائل

گوناگوں دینی و علمی سوالات کے جو مدلل اور مفکرانہ جوابات مولانا مودودی وقتاً فوقتاً دیتے رہے ہیں ان کے مجموعے کا نام رسائل و مسائل ہے۔ نکتہ رسی، زور استدلال، فہم و بصیرت، تدبر و تفقہ اور فصاحت و بلاغت کا گنجینہ۔ مکمل دو حصے۔

قیمت بارہ روپے

## تفسیر سورۂ والتین

از :- مولانا ابوالکلام آزادؒ۔ ہدیہ چھ آنے

اردو فارسی ڈکشنری :- اردو سے فارسی بنانے کیلئے ایک مختصر لیکن اہم مفید ڈکشنری۔ بارہ آنے • ترجمان فارسی۔ ایک روپیہ • مبتدیوں کی تجوید ۷۵ پیسے • بھارت کے تہوار ۔ ۶۲ پیسے • بھارت کے تہوار (ہندی میں) ۶۲ پیسے

## تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

حضرت مجددؒ نے کن حالات میں کس جیرتناک پامردی سے کس نوع کا کارنامۂ تجدید انجام دیا۔ اس بارے میں نہایت مفصل اور بلند پایہ کتاب۔ بہت دلچسپ اور دلنشین۔

قیمت مجلد چار روپے۔

## فارابی

تالیف:- عباس محمود (مصری)
ترجمہ:- رئیس احمد جعفری۔

معلم ثانی۔ حکیم ابو النصر فارابی کے فضل و کمال شخصیت حالات و سوانح، علمی مقام اور جدید فلسفہ و منطق کے مفصل اور مستند حالات۔ قیمت ایک روپیہ بارہ آنے۔

## تاریخ اسلام کامل

از:- مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔

یہ تین جلدوں کی ضخیم تاریخ دنیا بھر میں مشہور ہے۔ قدیم جدید تاریخوں کا نچوڑ سمجھئے۔ اسلام کی اس سے زیادہ جامع معتبر اور نفیس تاریخ اردو میں کوئی نہیں۔ روشن کتابت و طباعت، سفید کاغذ، حسین گرد پوش۔ تینوں جلدیں الگ الگ مجلد قیمت چھتیس ۳۶ روپے۔

## سفرنامہ ابن بطوطہ مکمل

مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ کے عربی سفرنامے کا شگفتہ ترجمہ۔ جناب رئیس احمد جعفری کے قلم سے

### سفرنامہ ابن بطوطہ کی چند خصوصیات

(۱) دنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان ایسی نہیں جس میں اس کتاب کا ترجمہ نہ ہوا ہو (۲) مشرق اور ایشیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اس منچلے سیاح کے قدم نہ پہنچے ہوں۔ (۳) سرزمین مغرب کے بعض مقامات کی بھی ابن بطوطہ نے سیاحت کی (۴) اور اپنے تأثرات و مشاہدات سفر پوری سچائی، بے باکی اور جرأت کے ساتھ قلم بند کر دیئے۔

قیمت مجلد پندرہ روپے

## فقہ الاسلام

اسلامی اصول و قوانین پر ایک عظیم عربی تصنیف۔ جس کا سلیس اردو ترجمہ نہایت سلیقے سے چھاپا گیا ہے۔ یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں سے ہر ایک معلوماتِ مفیدہ سے لبریز ہے۔ مجلد بارہ روپے۔

## اسلامی معاشیات

از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔

اسلامی علوم کی فہرست میں ایک جدید فن کا اضافہ۔ اسلام کے معاشی نظام کا ایک تحقیقی مرقع۔ روئے زمین کے مسلمانوں کے قلوب کی پکار کا بروقت جواب۔ مولانا گیلانیؒ کا مجتہدانہ کارنامہ۔ قرآنی آیتوں اور نبوی حدیثوں کے ایسے نئے تشریحی پہلو جو اس کتاب میں پہلی دفعہ پیش کئے گئے ہیں۔ مجلد بارہ روپے۔

## فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر

منکر حدیث کے رد میں ایک مبسوط، مدلل اور دلچسپ کتاب۔ ان کے ہر اشتباہ کا جواب، ان کے افکار کی پوست کندہ حقیقت اور ان کے موقف کی لغویت کا اثبات۔ پُر لطف اور دلنشین نقد۔ قیمت مکمل سہ حصہ ساڑھے تیرہ ۱۳ روپے۔

## حافظ ابو محمد امام الدین کی مفید تصنیفات

### ان کے مطالعہ سے روح ایمان تازہ ہوتی ہے

| | |
|---|---|
| سچے رسول کی سچی تعلیم | ڈیڑھ روپیہ |
| حضرت خدیجہؓ | ایک روپیہ |
| حضرت فاطمہ زہرہؓ | بارہ آنے |
| خاصانِ خدا کی نماز | بارہ آنے |
| نماز کے فضائل | ۱۵ آنے |
| خاصانِ خدا کا خوف آخرت | ایک روپیہ |
| ان چھ کتابوں کی یکجائی قیمت | ساڑھے پانچ روپے |

**مکتبہ تجلی** سے کتابیں منگانا "ایک پنتھ دو کاج" کے مرادف ہے۔ آپ کے ذوقِ مطالعہ کی تسکین بھی اور اپنے محبوب تجلی کی مدد بھی

دیوانِ غالب:- جدید کامل ترین ایڈیشن — ساڑھے پانچ روپے • بیان غالب شرح دیوان غالب — پونے سات روپے • کلیاتِ جگر — چار روپے • ارمغانِ حجاز (ڈاکٹر اقبالؒ) ساڑھے تین روپے • کلیاتِ اقبال — چھ روپے • کلیاتِ حالی — پانچ روپے • شرح بانگِ درا۔

مستقل عنوان

ابن العرب مکی

# مسجد سے میخانے تک

ہم دونوں ——— یعنی ملا اور علامہ ——— سفر حج کی تیاریاں اس طرح چپکے چپکے کر رہے تھے جیسے کوئی بڑا جرم کرنے جا رہے ہوں۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ہم جرم ہی کرنے جا رہے تھے۔ دراصل یہ طے ہوا تھا کہ گھر سے تو حاجیوں ہی کے ساتھ روانہ ہوا جائے گا۔ مگر بمبئی پہنچ کر ادھر ادھر گول ہو جائیں گے اور جب حاجی لوگ حج کر کے واپس ہوں گے تو ان میں رل مل کر پھولوں کے ہار ڈلواتے ہوئے گھر لوٹ آئیں گے۔

یہ پار سال کا قصہ ہے۔ مونچھوں پر تاؤ کی بات سن کر علامہ نے کچھ ایسی کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورا تھا جیسے ان کے مونچھ نہ اگنے کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہی ہو۔ میرا سٹپٹا گیا تھا کہ اب وہ پھر سفر ملتوی کرنے کی دھمکی دیں گی۔

"خدمت کیجئے بیگم" میں نے بڑی شفقت سے کہا "مونچھوں پر تاؤ دینا صرف محاورہ ہے، مگر ورنہ پر تاؤ دکھانا شائستگی کی علامت نہیں ہے۔ ویسے تم چاہو گی تو تاؤ دینے کے لئے تمہیں بھی بمبئی سے مونچھیں خرید دیں گے، وہاں ہر دوکان پر مونچھ ضرور ملتی ہے کیونکہ [illegible] کب کسی راہگیر پر ایکٹر بننے کا دورہ پڑ جائے اور ایکٹر بننے کی رسم اللہ کا آپ ہی سے ہوتی ہے۔"

"بس کیجئے" وہ بیزاری سے بولیں "آخر ان تیاریوں سے کیا فائدہ پہلے بھیا سے اجازت لینے کی تو کوئی ترکیب نکالئے۔"

میرے سینے پر گھونسہ لگا۔ واقعی مشکل ترین مسئلہ یہی تھا کہ ان کے بھیا یعنی ایڈیٹر آف تجلی سے اس خالص الخالص سفر حج کی اجازت آخر کیسے ملیگی۔ وہ یہ تو بار ہا کہتے رہے کہ منصب بلند ملا جب ان کو مجھے بٹھانے کوئی دفینہ ہاتھ آ گیا ہے۔ وہ ضرور جرح کریں گے کہ تم جو ہر مہینے کا آخری ہفتہ تم فاقہ کشی میں گذارتے ہو سفر حج کے لئے رقم کہاں سے لائے؟

اگر بتا دوں سچ سچ، کا جواز دے گا تو وہ بپھر پڑیں گے کیونکہ وہابیوں کو فیس تو لوں پر ہم ہی اعتقاد ہوتا ہے۔ اگر کہے کا کہ قرض لیا ہے تو ہاتھوں ہاتھ ان دو کانداروں کو پکڑ لائیں گے جو ہر مہینے پچھلا حساب دکھا کر سودا دینے کی دھمکی دیا کرتے ہیں اور پھر حضرت موصوف ہی یہی کہیں گے کہ الکوحل تو عصر کی آبرو ریزی کے لئے کچھ دے دلا کر ان کا منہ بھینچتے ہیں۔

پھر آخر کیا کہوں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ [illegible] یہ ہو گا کہ ملا اور علامہ دونوں کی مٹی خراب وہ مرے مارتے [illegible] دیکھیں گے۔ اگر معلوم ہو گیا کہ زاد سفر کا انتظام سید کلیم الدین نے کیا ہے۔

سید کلیم الدین کو تو آپ پہچانتے ہوں گے، وہی جو بہت دیر تک کالو قصائی کہلاتے رہے ہیں۔ یہ کالو فی الاصل کلیم ہی کی تصغیر تھی۔ جب تک یہ ڈنگر کاٹتے رہے تصغیر ہی ان کے لئے مناسب بھی تھی، مگر جب سودی قرض کا لین دین شروع کیا تو چند ہی سالوں میں کالو کلیم سے بدل گیا اور جب ان کا بینک بیلنس لاکھ سے اوپر پہنچ گیا تو الدین بھی انگوٹھی کی طرح فٹ ہو گیا۔ اور اب وہ نہ صرف کلیم الدین تھے بلکہ اس عالی شان بلڈنگ کے دروازے پر جو خوبصورت تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ کر کے اپنی رہائش کے لئے تیار کرائی تھی سیادت بھی دربانی کرنے آگئی تھی۔

یہی وہ مجھے حج کرانے پر آمادہ ہو گئے تھے یہ لطیفہ [illegible]

آپ سے کیا صرف یہی مشکل بتائی جاسکے گی۔ پھر بھی اس راز کو میں چھپاؤں گا نہیں۔ سخت دشواری یہ تھی کہ علامہ سے چھپا کے کیسے اجازت ملے۔ بہت سوچا۔ صوفی بدر الدین سے بھی مشورہ کیا مگر وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکے۔

اماں جتنا ہے بکی۔ سامنے سے اتنا ڈرتے ہیں تو چوبیاں پہ چڑھ بیٹھ جائیے"۔

"ہم سنتے ہیں صوفی صاحب مگر وہ ظالم چوزیوں پہ بھی ترس نہیں کھا سکتا"۔

"اماں تو یہ کافر ہے کیا آپ کا سالا؟"۔

"کافر کیا، کفر بلکہ کافرین کہئے، آپ پردیس میں رہے ہیں اس لئے اسے نہیں جانتے۔ سڑا ہوا وہابی ہے"۔

"نعوذ باللہ۔ مگر وجہ تو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگی۔ آخر نابکار مبارک سفر میں کیوں حائل ہو رہا ہے"

"وجہ کچھ بھی نہیں۔ اس کے بھیجے میں کسی طرح یہ بات نہیں اتاری جا سکتی کہ سید کلیم الدین کے دیئے ہوئے روپے سے حج ہو سکتا ہے ہم زوجین کے علاوہ آٹھ افراد اور بھی ہیں۔ کسی مولانا نے سید صاحب کو بتایا ہے کہ دس آدمیوں کو حج کرا دو تو سارا پیسہ پاک ہو جائے گا"۔

صوفی صاحب نے پُر ہیبت انداز میں آنکھیں پھڑپھڑائیں ——
"بات سوچنے کی ہے۔ شاید کلام پاک ہی میں تو لکھا ہے کہ ان الحسنات ...... یعنی وہ ...... کیا نام ہے نیکیاں برائیوں کو لیجاتی ہیں"۔

"جی ہاں، لیکن یہ وہابی لوگ قرآن کو بھی اپنی ہی طرح سے مانتے ہیں۔ میں اور آپ مل کر سو سال بھی ایڈیٹر تجلی کو سمجھائیں کہ دس حجوں کا ثواب تو بحرالکاہل بھی پاٹ سکتا ہے یہ دو سود کیا چیز ہے۔ مگر وہ نہیں مانے گا۔ آپ ہی کوئی ترکیب بتائیے کیسے اسے ہموار کیا جائے"۔

"ہم کیا بتائیں۔ ہمارا سالا ہوتا تو کان کھینچ کر گدی میں لگا دیتے"۔

"اس رُخ سے مت سوچئے وہ اندری قسم کا سالا ہے۔ فدوی تو آپ کی خدمت میں یہ امید لے کر آیا تھا کہ جناب بڑے صوفی ہیں صوفیوں کے پاس تالیف قلب کے بہت نسخے ہوتے ہیں۔ پہلے تو میں بہتیرا ایسے الجھے ہوئے معاملات میں صوفی بصیر الدین سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ انہیں اللہ نے بڑے سے بڑے مسئلے کو پانی کر دینے میں بڑا رسوخ دیا تھا"۔

صوفی صاحب دلیے بزرگانہ انداز میں مسکرائے جیسے میں نے کوئی بہت ناسمجھی کی بات کہہ دی ہو —— "اللہ تو ملا صاحب سبھی کچھ دیتا ہے مگر یوں نہیں دیتا۔ بغیر وسیلے کے خاک بھی نہیں ملتا۔ صوفی بصیر الدین صاحب سے ہم بھی واقف ہیں، انہیں جو کچھ ملا اجمیری داتا سے ملا۔ تین سال تک وہ درگاہ شریف میں بلا کھائے پیئے مراقبے میں بیٹھے تو معلوم نہیں! بہن کہاں ہیں؟"۔

"سنا ہے پنجاب میں ہیں۔ گذشتہ سال پنجاب کے ایک سیٹھ لے گئے تھے۔ اپنی لڑکی سے شادی بھی کردی تھی۔ پھر نہیں لوٹے..... خیر ان کا ذکر چھوڑیئے۔ آپ بھی خدا نخواستہ ان سے کم تھوڑی ہیں"۔

"دین ہے پیر دستگیری مگر....."

اچانک ان کے چہرے پر کسی نئے خیال کی پرچھائیں ابھری مگر کو جھلکے سے اداکر کے وہ ٹھہر گئے تھے۔ پھر با انداز آواز میں کہنے لگے۔

"اجی اگر آپ کا سالا نہیں مانتا تو مت جائیے۔ آپ کی جگہ ہم چلے جائیں گے"۔

"باپ رے..... بہت بہت شکریہ صوفی صاحب لیکن فدوی بہت گناہگار ہے، گر حج نہ کیا تو بخشش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

"اس کی فکر مت کیجئے" صوفی صاحب کے ہونٹوں پر فخریہ انداز کا تبسم تھا "اجمیر شریف ہمارے ساتھ چلئے گا میاں سے سفارش کرانا ہمارا ذمہ"۔

"سفارش..... یعنی ایڈیٹر تجلی میاں کی سفارش پر مان جائے گا"۔

"حول ولا قوۃ۔ میاں ایڈیٹر تجلی کیسا۔ ہم آپ کی بخشش کے لئے اجمیری خواجہ سے مولا کے یہاں سفارش کرا دیں گے۔ ان کی سفارش کبھی رد نہیں ہوتی"۔

"آپ تو صوفی صاحب مرنے کے بعد کا جغرافیہ لے بیٹھے۔ مجھے جیتے جی ثواب چاہئے"۔

"اچھا حج کو ہمیں بھجوا دیجئے ہم ثواب آپ کو ایصال کر دیں گے ایصال ثواب تو بہرحال برحق ہے"۔

"وہ تو ہے لیکن جہاز کی سیٹیں ہم میاں بیوی کے نام بک ہیں"۔

"اس کی بھی فکر مت کیجئے۔ ہمارے خالو صاحب کے بھانجے داماد کا لڑکا حج کے محکمے میں نوکر ہے۔ وہ سب انتظام کر دے گا"۔

جی میں تو آئی وہ زناٹے دار ہاتھ رسید کروں جو صوفی صاحب کے بھانجے داماد کا خالو بنا دے مگر اس اندیشے سے ضبط کرنا پڑا کہ وہ مرتے مرتے بھی ایڈیٹر تجلی کو سارا ماجرا سنانے سے نہیں چوکیں گے۔ یہاں تو اسکیم یہ تھی کہ اندر ہی اندر تیاریاں مکمل ہوں سالے صاحب کو ہوا بھی نہ لگے

پھر عین وقت پر کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے اجازت لے لی جائے۔ ملاقن کے لئے میں نے تین روپے گز کے لیڈی منٹن کا برقعہ بنوایا تھا۔ ایک درجن جوڑے تیار کرائے تھے۔ اپنے لئے سرج کی شیروانی اور پتلون سلنے دی تھیں۔ دوکانداروں کو اطمینان تھا کہ جب چاہیں گے ایڈیٹر تجلی پر چڑھ دوڑیں گے اور حسب معمول قرض ادا ہو جائیگا۔ ہمیں اطمینان تھا کہ اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ ادھر سید صاحب نے نوٹوں کی تھئی دی اور ہم نے حساب چکتا کیا۔

"آپ تو گم ہوگئے" ملاقن نے مجھے خواب خرگوش سے چونکایا "آخر بتائیے نا بھیا سے کیسے اجازت ملیگی؟"۔

"نہ ملے اجازت...... میں ان کا غلام تو نہیں ہوں.... اور یہ تو عادةً عرض کیا۔ دراصل کھوپڑی ان دنوں کچھ ایسی بنجر ہو رہی ہے کہ بالکل گدھا بن کر رہ گیا ہوں۔ ویسے بھی تمہارا بھیا میری رگ رگ سے واقف ہو چکا ہے۔ میرے جھانسے میں مشکل ہی سے آسکتا ہے۔ تم کچھ سوچو، تم نے اگر اس مرتبہ اسے شیشے میں اتار لیا تو تمہیں دنیا کی سب سے دانشمند مخلوق مان لینے میں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا"۔

"یہ اسے آپ کیا کرنے لگے" وہ بگڑ کے بولیں۔

"ارے... اوہ.... اسے نہیں، انھیں انھیں۔ تم تو ماشاء اللہ کافی عقلمند ہو"۔

"مجھے بیوقوف ہی رہنے دیجئے، توبہ توبہ مجھے بھی آپنے پاگل بنا دیا ہے۔ جب کپڑے سینے بیٹھتی ہوں تو اپنی حماقت پر شرم آتی ہے بھلا بھیا جانے دیں گے"۔

"لا تقنطوا من رحمۃ اللہ، آخر مایوس کیوں ہوتی ہو۔ لکھ دیں گے ذرا دل تنگ جا رہے ہیں۔ پھر دلی سے خط لکھ دیں گے.... کہ...."

"ہاں کیا لکھ دیں گے؟"

"اپنا سر لکھ دیں گے۔ ابھی تیاری مکمل کرو۔ میں انشاء اللہ آج ہی مولانا منتقم علی سے ملوں گا کیونکہ وہ ایسے دلائل مہیا کر دیں جن کے ذریعے تمہارے بھیا کو حج کے جواز پر مطمئن کیا جا سکے"۔

"اگر ایسے دلائل ممکن ہو سکتے ہیں تو پھر سچ مچ ہی کیوں نہ حج کر لیا جائے، بمبئی تک جانے سے کیا حاصل؟"۔

"بچی ہو، دلائل ہمیں اپنے لئے نہیں تمہارے بھیا کے لئے چاہئیں ۔۔۔ بمبئی تک جانے کا حاصل پوچھتی ہو۔ ارے بمبئی عروس البلاد ہے، بھارت کا پیرس ہے۔ دوزخ کا بہشت...... وہ کیا ہوتا ہے

اگر فردوس بروئے زمین است...."

"بہک گئے آپ" ملاقن مسکرائیں "یہ شعر تو کشمیر کے بارے میں استعمال ہوتا ہے"

"جہنم میں گیا کشمیر، ارے بمبئی میں ٹھاٹ کریں گے۔ نگارخانوں میں شوٹنگ دیکھیں گے۔ تاج محل میں ڈنر کھائیں گے۔ یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو زندگی بھر چار ہزار کا خواب تک نہیں دیکھ سکوگی"۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ سید صاحب کے روپے سے اگر تھوڑا بہت حج بھی ہو سکتا ہو تو کیوں نہ حج ہی کر آئیں، نہ ملے پورا ثواب آدھا تہائی تو مل ہی جائے گا"۔

"مائی پروفیسر ثواب ریاضی کے قاعدے سے نہیں ملا کرتا۔ سودی روپے سے سفر کے دربار حجاز میں قدم رکھنے سے تو کہیں بہتر ہے کہ آپ اور ہم بسم اللہ کرکے خودکشی کرلیں"۔

"پھر دھوکے سے بمبئی کی سیر کرنا ہی کہاں حلال ہوگا"۔

"کمال کرتی ہو، کیا ارسطو نہیں کہہ گیا۔ مال حرام بود بجائے حرام رفت ۔۔۔ سودی روپے کا اس سے بہتر مصرف کیا ہو سکتا ہے کہ شہر نگاراں کی سیر کی جائے"۔

"چولھے میں گیا شہر نگاراں۔ اچھا وہ جو پانچ پانچ سو روپے سید صاحب اپنا سامان منگانے کے لئے ہمیں دیں گے انکا کیا کروگے وہ سامان بمبئی میں تو ملنے سے رہا؟"۔

"یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ تمہیں تو صرف بھیا کے لئے کوئی چال بننا ہے۔ یاد ہوگا شاید میراجی یا ن۔م راشد کی ایک نظم ہم نے تم نے مل کر پڑھی تھی۔

تجلہ ریشم سے تو اے مہلہ ریشم نکل!

اور پھر:

ان بتان رشتہ بر پا کے لئے بھی ایک جال"

"اے ہٹائیے بھی، سچی بات ہے میرا دل تو نہیں ٹھکتا"۔

"مرغے کی ایک ٹانگ۔ اب میں نے چل تو حضور کی خوشامد کرنے سے رہا کہ خدا کے لئے ساتھ چلئے۔ مت چلو میں اکیلا ہی جھک مار لوں گا مگر یہ مت سمجھو کہ تین مہینے میں لوٹ آؤں گا۔ برسوں سے ایکسرسوں کی

ملاقاتوں کا ارمان لئے پھر رہا ہوں تم ساتھ نہیں ہوگی تو یہ ملاقاتیں طویل بھی ہو سکتی ہیں۔"

"جھاڑو پھر جائے ایکٹرسوں پر" انہوں نے اردو میں کہا "میں نے کب کہا کہ اکیلے جاؤ۔ جائیں گے تو دونوں جائیں گے نہیں تو کوئی نہیں جائے گا۔"

"یہ بھی سمجھداری کی بات، تمہیں تو میں لے ہی اس لئے جا رہا ہوں کہ بمبئی کی حادثہ گرلوں نے مجھے تنہا دیکھ لیا تو ہتھکا لے جائیں گی۔"

ناظرین بے تکلف سوچ رہے ہوں گے ملا بڑا احمق ہے — تنہا جانے کی بجائے بیوی کو بھی گھسیٹنے کے درپے ہے۔ حالانکہ بمبئی کی مہذب دنیا میں ایک عالم برقعہ پوش بیوی کو لئے پھرے۔ اس سے بہتر ہے کہ کسی شراب خانے میں فضائل درود و سلام پر وعظ کیا جائے۔

مگر اے ناظرین ذرا تحمل اختیار کیجئے۔ آپ نے غور نہیں فرمایا کہ پورا معاملہ طے پا چکا تھا۔ معاملہ یہ تھا کہ سید کلیم الدین نے زادِ سفر کے سلسلے میں فی نفر ڈیڑھ ہزار دینے طے کئے تھے اور بیس ہزار روپے دونوں افراد میں اس طرح تقسیم کرنے کی تجویز تھی کہ جو جو سامان سید صاحب بتائیں وہ ان کے لئے ہر حاجی جہاز سے خرید لائے۔ لیکن یہ تقسیم برابر کی نہیں تھی۔ زیادہ روپے ان پختہ کاروں کو ملتے تھے جو پہلے بھی حجاز ہو آئے ہوں اور وہاں سے نفع بخش سامان لانے کی تکنیک سے واقف ہوں۔ ہم زوجین کے لئے سامان لانے کے سلسلے میں بس پانچ پانچ سو نقد تجویز تھے۔ اور جس سامان کی فہرست لکھ کر ہم دونوں کو دی گئی تھی وہ بہ قیمت بہتر ہونے کے باوجود بہ قامت کہتر کی قسم سے تھا، مثلاً گھڑی، کیمرہ وغیرہ۔

میں نے بڑی مشکل سے سید صاحب کو یقین دلایا تھا کہ میاں بیوی دونوں کو بھیجئے تو حج مبرور کا ثواب ہاتھ آئے گا۔ وہ چونک کر بولے تھے

"یہ حج مبرور کیا ہوتا ہے؟"

"مقبول نہیں مبرور۔ درجۂ اول کے حج کو کہتے ہیں جو علماء کے نزدیک ستر حجوں کے برابر ہوتا ہے۔"

"چلئے منظور ہے" وہ مان گئے۔

اب ظاہر ہے کہ ملائن جانے پر آمادہ نہ ہوتیں تو ان کے حصے کے پورے دو ہزار ہاتھ سے جاتے۔ اسکیم اپنی یہ تھی — جیسے ہنوز ملائن سے بھی مخفی رکھا تھا کہ قیام خواجہ گوہر علی کے یہاں رہے گا۔ ان کا بنگلہ ورلی میں ہے۔ موصوف سے خود میرے بھی خاصے تعلقات ہیں اور ان کی منجھلی لڑکی زہرہ ملائن کی کلاس فیلو بھی ہے۔ تقریباً بارہ سال قبل یہ دونوں میرٹھ کے کسی اسکول میں پڑھتی تھیں۔ زہرہ بڑی ہنس مکھ ہے اور خواجہ گوہر علی بھی باوجود سن رسیدہ ہونے کے مُردہ دل نہیں ہیں۔ ملائن کو یہ نہیں مستحضر تھا کہ وہ بمبئی میں فروکش ہیں — وہاں ٹھہرنے میں ایک تو یہ فائدہ ہوتا کہ ہوٹل کے قیام کا خرچ بچ رہتا دوسرا بیش بہا فائدہ یہ بھی ہوتا کہ ملائن اور زہرہ اپنی تفریحیں آپ کرتی پھرتیں۔ ان کے یہاں کار بھی تھی، ریڈیو بھی تھا۔ مجھ پر یہ آفت نہ پڑتی کہ برقعے سمیت ساتھ ساتھ کرتا پھروں۔ صبح ہوئی اور اکیلا نکلا بمبئی میں خاک تو کیا ملتی اس لئے خاک چھاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یاں نگارخانے بہت ہیں۔ فلموں کی شوٹنگ اور فلمی ستاروں کے دیدار کا ارمان اس وقت سے ہے جب پہلی خاموش فلم کا ٹکٹ خریدنے کے سلسلے میں دو دھکے دانت ٹوٹے تھے۔ یہ ارمان اگرچہ ایک بار تھوڑا بہت نکل چکا ہے مگر شاعر جو کہہ گیا ہے کہ

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

تو ظاہر ہے کم اسی لئے نکلے ہوں گے کہ پیسہ کم رہا ہوگا۔ اب سید کلیم الدین کے طفیل اپنے ہاتھ لگی چانس آ رہا تھا تو کیوں نہ کم سے کم وہ ظالم قسم کی حسرتیں تو پوری کر ہی لی جائیں جن کے بارے میں چچا غالب نے یقیناً بے کاری کے زمانے میں فرمایا ہوگا۔

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے

خیالات کی اسی جنت کو دماغ کی تہ میں بسائے دھمکی، خوشامد اور ترغیب و تحریص جیسے بھی بن پڑا ملائن کو آمادۂ سفر کیا۔ وہ پہلے تو یہی کہتی رہیں کہ اصرار سفر حج ہی کے لئے کیا جا رہا ہے۔ جھٹک کے کہنے لگیں میں تو ہرگز سودی روپے سے حج کو نہ جاؤں گی۔ میں نے وعدہ کیا کہ عذاب ثواب میری گردن پر۔ کہنے لگیں ہرگز نہیں۔ اللہ رسول کے گھر ناپاک پیسے سے جانا برے سرے کی ڈھٹائی ہے۔ ہزار بار توبہ کیجئے۔

اب میں نے اپنا منصوبہ عرض کیا کہ ٹھیک بخت تو یہ تو میں پہلے ہی کر چکا ہوں — حج کون کمبخت کرنے جا رہا ہے۔ بمبئی چل کر مزے اڑائیں گے۔ وہ کئی دن تک نہیں مانیں، میں نے پیچھا لئے رکھا آخر تنگ آ کر

دس فی صدی باتیں۔ پھر بیس فیصدی۔ پھر میں نے یاد دلایا کہ تمہاری کلاس فیلو زہرہ بھی تو بمبئی میں ہی ہے۔ تب پچاس فی صدی باتیں۔ قسمت کی خوبی اچھی دنوں ان کے نام زہرہ کا خط آیا کہ بہن تم نے تو ہمیں بالکل ہی بھلا دیا۔ کبھی آؤ نا بمبئی۔

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی کب تلک

یہ خط تیر کا کام کر گیا۔ جھک کر کہنے لگیں۔

" چلیئے پھر یوں ہی سہی۔ زہرہ سے ملے بہت دن ہو گئے مگر...... اچانک ان کا چہرہ اتر گیا۔" بھیا سے کیا کہہ کے اجازت لیں گے"۔

" دیکھی بھالی جائے گی تم تیاری مکمل کر دو"۔

---

جوں جوں حجاج کی روانگی کے دن قریب آ رہے تھے یہ تشویش بڑھتی ہی جا رہی تھی کہ ایڈیٹر تجلی سے آخر کیسے نمٹا جا ہوگا۔ ان دنوں حاجیوں نے بھولا ہٹنے کو تقریباً روزہی یا دام روغن کی مالش کر کی۔ تاکہ چٹیل کھوپڑی میں کوئی تو شگوفہ پھوٹے۔ صدقے اللہ جل نواز کے۔ شگوفہ پھوٹا اور اچھا پھوٹا۔ سچ کہا ہے اقبال نے

ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

ہوسکتا ہے آپ ان مصرعوں کو شعر تسلیم نہ کریں۔ لیکن ملا جی نے بہرحال میری تجویز تسلیم کر لی اور کھٹا پٹ زہرہ کو خط لکھا کہ ڈیر زہرہ! لیٹر ملا۔ خوشی سے یہ حال ہوا کہ تھرما میٹر لگاتی تو ایک سو کم تیرہ بھی نہ نکلتا۔ دل تو اپنا بھی تم سے ملنے کے لئے بیتاب ہے بقول شخصے ماہی بے آب ہے لیکن بڑے بھیا کو تم جانتی ہی ہو ان کی قدامت پرستی کبھی اجازت نہیں دے سکتی کہ نسیمہ محض تفریح کی غرض سے بمبئی کا لمبا سفر کرے۔ تمہارے دولہا بھائی ہمہ تن آمادہ ہیں مگر بھیا کے آگے ان کی بھی ہستی کم ہے۔ اگر سچ مچ بلانا چاہتی ہو تو فلاں تاریخ کو اپنے ڈیڈی سے تار دلوا دینا کہ نصیب دشمناں زہرہ سخت بیمار ہے۔ نسیمہ کو بہت یاد کرتی ہے فوراً پہنچو۔ اس طرح ممکن ہے کہ رو دھو کر میں بھیا کو رضامند کر ہی لوں۔

خط ڈال تو گیا اور یہ بھی سو فیصدی امید تھی کہ زہرہ باپ سے تار دلوا کر ہی چھوڑے گی اور اگر بفرض محال وہ آمادہ نہ ہوئے تو خود زہرہ کافی اسمارٹ ہے۔ باپ کی طرف سے خود ہی تار پھونک دے گی لیکن برا ہو اس شاعر کا جس نے تم ہی جیسے بدنصیبوں کے لئے کہا تھا۔

سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

صوفی بدرالدین جی سے مشورہ کیا گیا تھا خود ہی اپنا مقبرہ تیار کر لیا تھا۔ وہ سچ مچ ناظم بم ثابت ہوئے۔ انھوں نے پہلے تو سید کلیم الدین کو سبق پڑھایا کہ دس کی گنتی میں عورت کو مت شامل کیجئے ورنہ ساڑھے نو رہ جائیں گے۔ عورت کو ترکہ بھی آدھا ملتا ہے اور گواہی بھی آدھی لگتی ہے۔ سید صاحب نے تشویش میں پڑ کر مجھے بلایا۔ میں نے خدا ہی بہتر جانتا ہے کتنی کتابوں کے حوالے سے انھیں باور کرایا کہ صوفی جی جھک مارتے ہیں۔ عبادات میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ وہی تیس روزے اور پانچ نمازیں مردوں کے لئے وہی عورتوں کے لئے بلکہ عورتوں کو حج کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ وہ کمزور ہوتی ہیں اور حج مشقت طلب عبادت ہے جو زیادہ مشقت اٹھائے گا اسے ثواب بھی ظاہر ہے زیادہ ہی ملیگا۔

یہ استدلال ان کے دماغ میں اتر گیا۔ کہنے لگے۔

" آپ کی قابلیت پر مجھے اعتماد ہے۔ مگر دیکھئے ہمارا سامان نہ بھولئے گا"۔

" کیا مجال ہے جناب: وہ تو سمجھئے آیا دھرا ہے"۔

اب میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

لیکن کہاں بخیر گذشت۔ صوفی جی نے جب دیکھا کہ یوں کام نہیں چلتا تو دفتر تجلی پہونچ گئے۔ انھیں معلوم ہی ہو چکا تھا کہ ملا کی نکیل سالے کے ہاتھ میں ہے۔ سالے جب بہنوئیوں پر حکومت کرنے لگیں تو سمجھ لو

قریب ہے یار وروز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر

ہماری تیاریاں آخری منزل میں تھیں۔ زنانے اور مردانے سوٹ سل چکے تھے۔ مغرب کے بعد میں کھانا کھا کر بیٹھا ہی تھا کہ ملا جی نے کہا

" ذرا آپ مردانے میں چلے جائیں پردے والی آئی ہیں۔ باہر مرد بھی ہیں"۔

میں مردانے میں پہنچا تو حاجی بلبل جلوہ فرما تھے۔ ان کا اصل نام کچھ بھی رہا ہو بہت دنوں تک وہ مولوی یار ردالحق کہلاتے رہے ہیں باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ انگریز کے زمانے میں ایک دفعہ وہ دھواں دھار تقریر کر رہے تھے کہ کسی بچہ نے پٹاخہ چھوڑ دیا۔ زمانہ نازک تھا بھگدڑ مچ گئی بس اسی دن سے انھیں یار ردالحق کا خطاب مل گیا آواز ان کی اچھی ہے۔ بلبل تخلص رکھتے ہیں۔ انگریزی دور ختم ہوا تو خطاب کی دل کشی بھی کم ہو گئی۔ اب لوگ انھیں حاجی بلبل ہی کہتے ہیں اور اس پر انھیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کئی بار حج کر آئے ہیں۔

علیک سلیک کے بعد آمد کا مدعا یہ ظاہر ہوا کہ ہم لوگ ملائن کے حج کو جانے کا راز انھیں بھی معلوم ہو گیا تھا۔ بڑی التجا اور اصرار کے ساتھ سامان کی ایک فہرست اور سو سو کے دو نوٹ میرے حوالے کیے کہ خدا کے لئے یہ معمولی سا سامان ہمارے لئے لیتے آیئے گا ان سے اگرچہ میرے تعلقات شناسائی سے زیادہ نہیں ہیں لیکن کورے جواب کی بد لحاظی کیا کرتا دیسے بھی کچھ آڑے رہا تھا جا نہیں رہا تھا۔ سوچا سیر سپاٹے کے بعد لوٹا دیئے جائیں گے۔ وہ فرشی انداز کا شکریہ ادا کرتے رہے اور بار بار اس پر بھی زور دیتے رہے کہ اس معاملہ کو اپنے ہی تک رکھئے گا۔

ضمناً انھوں نے دس پانچ لکھنوی قسم کے شعر بھی میری کھوپڑی میں ٹھونسے اور تقریباً نصف گھنٹے بعد اہلیہ سمیت تشریف لے گئے۔ گھر میں آیا تو ملائن نے خاص اہمیت کے انداز میں پوچھا کہ حاجی جی کیسے تشریف لائے تھے؟ میں اگرچہ رازداری کا وعدہ کر چکا تھا مگر بیوی نصف بہتر ہوتی ہے اس سے اظہار کرنا اپنے نمک کھنے کے منافی نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے سنا تو کھل کھلا کے ہنس دیں اب میں نے بھی سوال کیا کہ فرمایئے بیگم جی کیسے آئی تھیں، کہنے لگیں میں آپ کی طرح وعدہ شکن نہیں ہوں۔ انھوں نے قسمیں دلائی تھیں کہ کسی سے نہ کہنا۔

"اللہ اکبر اب ہم کیسی ہو گئے۔ خدا کی بندی اپنے نصف بدتر سے کچھ کہنا کسی سے کہنے کے دائرے میں کب آتا ہے"۔

انجام کار انھوں نے بتا ہی دیا کہ بیگم جی نے بھی سامان کے پرچے کے ساتھ دو سو انھیں دیئے ہیں۔ پرچوں کا مقابلہ کر کے دیکھا تو سامان تقریباً ایک ہی تھا اور ہینڈ رائٹنگ تو سو فی صد ایک تھا۔

عاجز کی زبان پر بے ساختہ یہ فلمی نغمہ کا شعر آ گیا۔

اب تو آرام سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

لیکن عاقبت آج ہی آ دھمکے گی۔ یہ تصور کیسے ہو سکتا تھا۔ عشاء کے بعد میں تو تکیئے پر سر رکھے سنہری سپنوں کے جال بن رہا تھا اور ملائن "شعلۂ طور" کھولے ایصال ثواب کے انداز میں کچھ گنگنا رہی تھیں۔ انھیں جگر علیہ الرحمۃ سے بڑی عقیدت ہے۔ شاید اسی لئے ترنم میں فاتحہ کا لحن بھی شامل کر لیا تھا۔

اتنے میں ان کے بھیا کی جانی پہچانی سرد آواز دروازے پر گونجی — "نسیمہ!"۔

انھوں نے شعلۂ طور اپنے تکیئے کے نیچے چھپایا اور بے سمجھے بوجھے دروازہ کھول دیا کہ بھیا کا یہ بے وقت آنا قیامت کا پیش خیمہ بھی ہو سکتا ہے۔ میرا ماتھا ٹھنکا اور یہ ٹھنکا ہٹ اگلے ہی لمحے سردی کی لہر بن کر رگ رگ میں اتر گئی۔ تب ریلی ہوتی چلی گئی کیونکہ مارے غصے کے ان کا چہرہ اس قدر تمتمایا ہوا تھا کہ سیاہ داڑھی اس کے عکس سے ڈارک براؤن نظر آ رہی تھی۔ معاً خیال گذرا کہ وہ داڑھی کو مہندی لگا کر آتے ہیں۔ مگر جب قریب آئے پر روشنی کا زاویہ بدلا تو ثابت ہوا کہ مہندی وہندی تو نہیں لگی مگر بقول شاعر

وہ میرے خون سے مہندی لگانے آئے ہیں

وہی کیفیت بیوی کی کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ مسہری کے تکیئے سے پشت لگا کر وہ ایک لحظہ اس طرح متفکر رہے جیسے فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں کہ کیسے اسٹارٹ لیں۔ یہ لحظہ میرے لئے تقریباً ایک صدی کے برابر تھا۔ آخر کار سکوت ٹوٹا۔ ان کی کھا جانے والی نظریں میرے منحنی چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

"کیوں گدھے کیا صوفی بدرالدجیٰ کی یہ اطلاع درست ہے کہ تم کالو قصائی کے خرچ پر حج کو جا رہے ہو؟"۔

"جی... جی ہاں..... وہ بہت ہی مجبور کر رہے تھے"۔

"تمہیں معلوم ہے ان کے ذرائع آمدنی کیا ہیں"؟

"انھوں نے قسم کھا کر بتایا ہے کہ جو روپیہ وہ حج کے لئے دے رہے ہیں وہ انھوں نے انڈوں کی کاشت..... جی وہ انڈا مرغی کی بزنس کر کے کمایا ہے"۔

"تم اب مسخرے کے بجائے خنزے ہوتے جا رہے ہو میرے

دماغ میں اسا فرد آپ سے روز بروز ہیں چمکار رہا ہے ——— میرا برتھ سنبھالو تم اسی وقت میرے ساتھ چلو گی۔"

بہن نے پھٹی پھٹی نظروں سے پہلے بھیا کو پھر مظلوم شوہر کو دیکھا۔

"آپ جناب پاٹیوں کے اتار چڑھاؤ میں آجاتے ہیں" بیاں نے گھگیا کر بمشکل قابو پاتے ہوئے فریاد کی" دو مہینے پیشتر خود میرے سامنے سید صاحب کی دو لڑکیاں انڈا مرغی سے بھری ہوئی ڈیلیور ہوئی تھیں اب یہ کیا ضروری ہے کہ ان کا پیسہ پیسہ سود ہی کا ہو۔"

"بکواس بند کرو۔ انڈے اگر لڑکیوں میں آنے جانے لگیں تو ان کا ذہنی حشر ہوگا جو تمہاری عقل کا ہوا ہے۔ میں اب قطعی طور پر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم سے قطع تعلق کر لوں۔ کم سے کم مجھ پر تمہاری رسوائیوں کی چھینٹیں نہیں پڑیں گی ——— تمہارا اب تک برتھ نہیں ہوا۔"

ان کے لہجے میں نپولین کا طنطنہ تھا۔ ملائن کا انداز تو ٹھیک ہی برقعے پر پہنچا مگر سہمے ہوئے چہرے پر مظلوم شوہر کی مامتا بھی کلبلیں کر رہی تھی۔

"آپ..... پ کا کیا حرج ہے بھیا اگر ہم لوگ حج کو ہو ہی آئیں۔"

"تو یوں کہو تم پر بھی ابلیسیت طاری ہے" وہ گرجے "شوق سے جاؤ۔ میں بھی دیکھوں گا کہ وہ قصائی کا بچہ تم لوگوں کو پھوٹی کوڑی بھی کیسے دیتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور.......

اور بس کیا کہیے۔ اگلے ہی دن سید صاحب نے مجھے بلا کر روکھے سے لہجے میں فرمایا

"ملا صاحب میں معافی چاہوں گا۔ آپ کے سالے صاحب نے کہا ہے کہ آپ کا سفر اس سال ممکن نہیں ہے لہذا میں نے دو اور آدمیوں کا انتظام کر لیا ہے۔"

یہ ظاہر تھا کہ سید صاحب سالے لاٹ صاحب کی رعیت نہیں تھے کہ اشارہ پاتے ہی سمعنا واطعنا پکار اٹھتے۔ وہ تو اندر خانہ معاملہ ہی اور تھا۔ خاص ذرائع سے معلوم ہوا کہ ایڈیٹر جی نے ایک دستی رقعہ بھیجا تھا۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ آپ نے گزشتہ چند سالوں میں حج کرا کرا کے جتنا کچھ کمایا ہے وہ میرے علم میں ہے۔ اگر ملا کا نام آپ نے اپنے حاجیوں کی لسٹ سے [illegible] سمجھ لیجئے کہ نہ صرف اس سال آپ خسارے میں رہیں گے بلکہ پچھلا کھایا پیا بھی اگلنے کی نوبت آ سکتی ہے۔ آپ کو شاید معلوم ہو کہ موجودہ ایس پی میرے خاص دوستوں میں سے ہے اور نہ بھی ہو تو بعض مخصوص ذرائع اور بھی میری دسترس سے باہر نہیں ہیں۔

---

یہ داستانِ درد ختم ہوئی۔ میں زندگی میں پہلی بار اتنا رویا ہوں کہ گھر کی کیاریوں میں آٹھ دن پانی دینے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ ملائن بھی روئی مگر اس کا غم زیادہ دلدوز نہیں تھا۔ اسے تو صرف ایک سہیلی کی ملاقات سے محرومی کا غم تھا لیکن یہاں تو حسین خوابوں کے نہ جانے کتنے شیش محل چھن چھن کر کے ٹوٹ گئے تھے اور ان کی کرچیں کھوپڑی کی ایک ایک تہہ میں اس طرح چبھ رہی تھیں جیسے عید کا معانقہ کرتے ہوئے گردن میں مولانا حشمت علی کی داڑھی چبھی تھی۔

آپ اکتا گئے ہوں گے لیکن کہانی کا ایک دم چھلا ابھی اور باقی ہے اسے بھی سنئے تاکہ آپ بور ہو کے خودکشی کر لیں اور عاجز بہر حیثیت آپ بیتیاں سنانے کے کھٹراگ سے نجات پا لے۔

حاجی بلبل اور ان کی اہلیہ اگلے ہی دن چپکے انگلو کے لے گئے تھے۔ غالباً وہ حالات پر بڑی گہری نظر رکھ رہے تھے۔ ورنہ اتنی جلدی انھیں سفر کی منسوخی کا علم نہ ہوتا۔ بعید نہیں تھا کہ پیسوں کی واپسی کے سلسلے میں انھیں سال چھ مہینے ڈنڈوت کرنی پڑتی لیکن میری تمام تر توجہات اس وقت صرف اس صوفی کے بچے پر مرکوز تھیں جس نے بنا بنایا کھیل بگاڑا تھا۔ لہذا حاجی بلبل کا پاپ کاٹا اور سید صاحب سے مل کر دریافت کیا کہ کیا میری جگہ صوفی بدرالدجیٰ ہی سیٹ ہوئے ہیں۔

"جی ہاں وہ اور ان کا بھتیجا۔ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں ملا صاحب....."

"پرواہ نہ کیجئے مجھے یقین ہے صوفی ابیتد کو بھیج کر آپکی شرمندگی سو سے ضرب کھا جائے گی۔"

"جی کیا فرمایا؟" سید صاحب کی بجو کی سی آنکھیں پھیلنے کی کوشش میں مکمل دائرہ بن گئیں۔

"فرمانا تو ہمارے سالے صاحب بہادر کا حصہ ہے سید صاحب

تھا ارادہ کیا کرنا تھا سہے —— مرتے کیوں ہیں تم کو ملا
ایجنٹ کو میری جگہ بھیجے گئے تو وہی ایس۔ پی کیرانی دوست ہے جس کا
حوالہ صاحب بہادر نے رقعہ میں دیا ہے۔"

سید صاحب اچھل پڑے۔ "جی ..... مم میرا مطلب ہے
آپ تو بگڑ گئے ..... کون حرامزادہ صوفی کو بھیجتا ہے۔ آپ خود
بتا دیجئے کسے بھیجوں، اسی کو بھیج دوں گا۔"

"کالے چور کو بھیجئے مجھے اس سے بحث نہیں کون جاتا ہے بس
صوفی بدرالدجیٰ یا اس کا کوئی لگا سگا نہیں جانا چاہئے۔"

"نہیں جائے گا صاحب نہیں جائے گا —— بیٹھئے نا آپ تو
خواہ مخواہ خفا ہوتے ہیں۔ ہم کب آپ لوگوں کے کہنے سے باہر ہیں ——
ارے چھیدے۔ چائے ملا جی کے لئے ....."

"خاجی نہیں ملا مکی کہیے —— معاف کیجئے گا میں چائے
نہیں پی سکوں گا۔"

وہ رو کتے رہے مگر میں کہاں رکتا۔ رکنے کا مطلب یہ تھا کہ
ایمان صرف ایک پیالی پر نیلام ہو جائے۔ کامیابی تو بہر حال ہو ہی
گئی تھی کہ صوفی ایجنٹ کو اب نہیں جا سکتے تھے مگر اونٹنا ہوا خون کہہ رہا
تھا کہ یہ تو محض طفل تسلی ہے۔ بے شمار زہرہ جبیں خواتین کے قرمزی
محلوں کو پاش پاش کرنے والے فتنہ پرداز کی سزا کم سے کم اتنی تو
ہونی ہی چاہیئے کہ اسے سال دو سال کا کھایا پیا یاد آ جائے۔

لیکن انتقام کا چانس چھ مہینے بعد آیا جو مستقل ایک کہانی ہے
فی الوقت جس دم چھلّے پر یہ روداد ختم کرنا چاہتا ہوں وہ حاجی بلبل
سے متعلق ہے۔ تین مہینے بعد جب حجاج واپس آ چکے تھے ایک دن
مرزا مکرّم کی بیٹھک کے پاس سے گزر رہا تھا کہ حاجی بلبل کی کچھ گھگیائی
ہوئی سی آواز سنائی دی۔ میں تحقیق حال کے لئے بیٹھک میں داخل ہوا
تو وہاں کئی آدمی موجود تھے۔ اور مرزا مکرم حاجی بلبل کے ہاتھ میں سو
سو کے نوٹوں کی ایک خاصی دبیز گڈی پکڑاتے ہوئے جھینپتی ہوئی
آواز میں کہہ رہے تھے۔

"نہیں خدا کو منھ دکھانا ہے حاجی جی، نہیں تو آپ کی سزا تو یہی
کہ ایک پیسہ بھی نہ لوٹایا جائے۔"

حاجی بلبل نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے گرے پڑے
لہجے میں کہا —— ہیں ... ہو ..... جی معاف کیجئے گا۔" اور

لوٹ جانے کے بعد ... اب بیٹھے مرزا جی کے سمجھ چکا تو میرے
تاسف سے کہنے لگے۔

"کیا بتائیں ملا صاحب برا زمانہ آگیا ہے۔ بتائیے یہ مولوی
اور حاجی بنتے ہیں۔"

میرے اصرار پر انھوں نے تفصیل سنائی کہ حاجی بلبل نے ہمیں
دو سو روپے دیکر عرب سے کچھ سامان منگوایا تھا۔ ہم نے مروت میں منظور
کرلیا۔ مانیئے سے یہ سامان خرید بھی لیا۔ مگر اس چار سو بیس نے اپنی
بیوی کے ذریعے ہماری بیوی سے بھی اتنے ہی کا سامان منگوایا تھا
اور رازداری کا وعدہ لے لیا تھا۔ وہ تو چوری یوں پکڑی گئی کہ میرا بڑا
سالہ گلزار بھی ساتھ گیا تھا۔ اہلیہ نے روپے اور سامان لکھا ہوا پرچہ
اسے دیا کہ اپنے دولہا بھائی سے چپکے سے یہ سامان خرید لاؤ۔ وہ
ایک دوکان سے پرچہ دیکھ کر کچھ خرید رہا تھا کہ میں بھی اتفاقاً پہنچ گیا
اب جو نظر پرچے پر پڑی تو وہی چار سو بیسی کی تحریر نظر آئی۔ گلزار نے
چاہا بھی کہ پرچہ چھپا جائے مگر میں نے ڈانٹ کر وصول کیا اور اپنے
پرچے سے ملا کر دیکھا عین مین ایک تحریر تھی۔ اب میں سمجھ گیا کہ کیا
قصہ ہے۔ اہلیہ کو ڈانٹا ڈپٹا تو اس نے اصلیت بتائی۔ وہ بتا رہی
تھی کہ بچی بھی کہنے لگیں کہ ہائے اللہ بٹیا ہم نے تو مجھے بھی دو سو روپے
دیئے تھے۔ یہ دیکھو یہ ہے پرچہ۔ اب بھائی شفاعت اور بخشی رحمان
بھی بولے کہ حاجی بلبل نے تو ہمیں بھی روپے دیئے تھے۔ ابھی ہم نے
سامان نہیں خریدا ہے۔ اس طرح معلوم ہوا کہ چار سو بیسیئے نے دو ہزار کے
نوٹ بانٹے تھے۔ خدا جانے اور کہاں کہاں بانٹے ہوں گے۔ لیے جانے
والوں میں ایک ماسٹر لقمان رہ گئے تھے جنہیں ہم نے سمجھا کر وہ چھوڑ دیئے
گئے ہیں مگر جب ہم لوگ ان کے نظر انداز ہو جانے پر حیرت کر رہے تھے
تو وہ بھی بول پڑے کہ بھائی صاحب میں رازداری کا وعدہ تو نہیں توڑ
سکتا مگر ایک شعر ضرور آپ لوگوں کو سنا سکتا ہوں۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے، ہم ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

یہ دم چھلّہ ختم ہوا، بس یہ اطلاع ' ورمن لیجئے کہ میری آفیشن معلومات
کے مطابق سید کلیم الدین کو مذکورہ حج سروس سے دو فائدے پہنچے۔ اوّل یہ کہ تمام
اندوختہ طیب و طاہر ہو گیا۔ دوئم یہ کہ دسوں حاجیوں کے لائے ہوئے سامان
سے نفع کا اوسط تقریباً پانچ ہزار رہا جب کہ پندرہ ہزار بطور راس المال واپس
آ گئے۔ اب خود انصاف کیجئے کہ ملا اور خاتون اگر ان کے چار ہزار سے تھہر گئے تو الزام

عامر عثمانی

# کھرے کھوٹے

## تبصرے کیلئے کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں

**اسلام بیسویں صدی میں** ● تالیف و ترتیب:- جناب ایم۔ محی الدین بی۔ اے۔ ایل ایل بی ● شائع کردہ:- ادارہ اوراق زریں ۵۳ ریلوے روڈ۔ لاہور ● صفحات ۱۷۲ ناول سائز

قیمت ساڑھے چار روپے

---

اس کتاب میں ایک مختصر سے خط کا فوٹو شائع ہوا ہے جس کے بارے میں مؤلف کا کہنا ہے کہ یہ مولانا ابوالکلام آزاد کا ہے۔ یہ تو الگ بحث ہے کہ واقعتاً یہ مولانا مرحوم کا ہے یا نہیں لیکن اس خط کے تعلق سے یہ ضرور ہوا ہے کہ اس کتاب کا تذکرہ متعدد جرائد میں آیا ہے اور یوں بھی اس کا نام اتنا پرکشش ہے کہ بعید نہیں اگر اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل جائے۔

اس کے مؤلف ناشر کی تصریح کے مطابق بائیس سال کے نوجوان ہیں۔ کتاب کی مقبولیت انھیں یقیناً مزید تالیف و تصنیف پر آمادہ کرے گی اور امید ہے کہ جلد یا بدیر ان کے قلم سے لٹریچر میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔ لہٰذا ہم ازراہ دوستی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ قدرے تفصیل کے ساتھ تبصرہ کریں اور جو خامیاں ہونہار مؤلف کے طرز فکر میں پائی جاتی ہیں ان کی نشاندہی کر دیں تاکہ وہ ان پر غور کر سکیں اور آئندہ ان کا قلم زیادہ بہتر خدمات انجام دے سکے۔ ابھی ان کا ذہن ناپختہ ہے اس کی کجی آسانی سے دور ہو سکتی ہے۔

ہمیں ایک مسلمان کی حیثیت سے اس بات پر بڑی تشویش ہے کہ پاکستانی معاشرہ تیزی سے مغربی تہذیب و تمدن کی راہ میں آگے بڑھ رہا ہے اور اس غلط روی کو روشن خیالی باور کرانے والوں نے وہاں ایسا رنگ جمایا ہے کہ حقیقی اسلام کے خدوخال روز بروز دھندلے پڑتے جا رہے ہیں۔ گمراہی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ آدمی نفسانیت کے تحت بداعمالیوں میں گرفتار ہو مگر فکر و عقیدے کی حد تک ان بداعمالیوں کو مذموم ہی سمجھتا ہے۔ یہ شکل بہت بری ہے لیکن اس سے بدتر شکل یہ ہے کہ گناہ و طغیان پر جری ہونے کے بعد آدمی اس جرأت کو تہذیب و شائستگی کا نام دے، عروج و ترقی باور کرانے میں کوشاں ہو اور اپنی بداعمالیوں کو عین دین قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دے۔

پاکستان میں یہی دوسری شکل نمایاں تر ہوتی جا رہی ہے۔ مغربی طرز فکر سے مرعوب ہو کر اسلام کو مادہ پرستی کی عینک سے دیکھنے والے اور قرآن کو اپنے ذہنی مرعوبات کی خراد پر چڑھانے والے پہلے بھی ہوتے رہے ہیں مگر ان کی مساعی مذمومہ کو زیادہ پھلنے پھولنے کا موقع نہیں ملا۔ اور ان کے شیطانی اجتہاد کسی منظم تحریک کے سانچے میں نہ ڈھل سکے۔

لیکن تاریخ کا بہت بڑا المیہ ہے کہ جو ملک اسلام کے

[illegible]
کو ایک مستقل تحریک کی حیثیت سے چلانے والے پھل پھول رہے ہیں اور قرآن و سنت کے ساتھ اسلام ہی کے نام پر وہ بے رحم مذاق کیا جا رہا ہے جس کی نظیر ادوار سابقہ میں مشکل ہی سے ملے گی۔

نام آپ اس فتنے کا چاہے انکار حدیث رکھیں یا مغرب زدگی۔ بنیاد اس کی بہرحال مادہ پرستی پر ہے۔ مادہ پرستانہ طرز فکر نے پہلے بھی جن و ملک جیسے حقائق ثابتہ کی تعبیر مادیت کے زاویوں سے کرنی چاہی تھی لیکن اب تو غیبی حقائق اور روحانی اقدار سے بیزاری اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ جنت دوزخ، صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ اور نبوت و رسالت تک کے مفاہیم مادہ پرست مفکرین کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ اسلام کے متفق علیہ احکام و اصول کو بدلنا ممکن ہی نہیں ہے جب تک تمام علمائے سلف کو غلط بیں، کم فہم اور ناقابل اعتماد قرار نہ دے دیا جائے۔ اسی لئے علماء کا تمسخر اور عباد و زہاد کا استہزاء ایک عام بات ہوتی جا رہی ہے۔ متجددین برملا کہتے ہیں کہ اجتہاد کا حق ہمیں بھی ہے۔ قرآن کی من مانی تعبیر ہم بھی کر سکتے ہیں اور متجددین کے بعض سرغنے تو دو قدم آگے بڑھ کر یہ بھی کہنے میں حیا نہیں کرتے کہ تمام علمائے سلف اور فقہائے سابق سازشی تھے، انھوں نے اسلام کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور حقیقی اسلام وہ ہے جسے آج ہم پیش کر رہے ہیں۔

یہ صورت حال نہایت افسوسناک ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ کتنے ہی ایسے حضرات بھی جو قصداً و ارادے کی حد تک نہایت مخلص اور دردمند ہیں اس فتنے کے اثرات سے اسی طرح ملوث ہوتے جا رہے ہیں جس طرح وبا کے زمانے میں کتنے ہی محتاط لوگ بھی وبا کے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

چنانچہ زیر تبصرہ کتاب کے ہونہار مؤلف میں بھی ہمیں اس فتنے کے جراثیم صاف نظر آ رہے ہیں۔ وہ ایک طرف مولانا مودودی کو مفکر اسلام بھی کہتے ہیں، ان کی بلند شخصیت اور ان کی خدمات کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور ان کے فرمودات کو حرف آخر بھی قرار دیتے ہیں لیکن دوسری طرف ان کا اپنا طرز فکر مادہ پرستی اور بے لگام تجدد کے ایسے نقش و نگار سے آراستہ ہے جن کی تردید و تغلیط میں مولانا مودودی نے اپنی ساری زندگی لگا دی ہے۔

بے دلیل بات کہنا ہماری عادت نہیں اس لئے ہم طول کی پروا کئے بغیر اس کتاب کے اکثر قابل نظر حصوں کی نشاندہی کریں گے۔

---

یہ کتاب تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلے جزء میں ابتداءً ناشر نے مؤلف کا تعارف کرایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کی عمر صرف بائیس سال ہے۔ ہو سکتا ہے اس تعارف سے کچھ لوگ سرسری گذر جائیں لیکن دور اندیش قارئین کو مؤلف کی کم عمری کتاب کے بارے میں پُرامید نہیں رہنے دے گی۔ ظاہر ہے جس شخص نے بائیس سال کی عمر میں بی۔ اے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کر لی ہو اس کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں سوچا جا سکتا کہ اس کا تمام زمانۂ شعور اسکول اور کالج کے جانے پہچانے ماحول میں انگریزی پڑھتے گذرا ہے اور اسلام کو اس کے اصل سرچشمے سے حاصل کرنے کا موقع اسے میسر نہیں آ سکا۔ اس کے بعد کیا توقع ہو سکتی ہے کہ اسلام کے بنیادی مسائل اور اہم مباحث کے بارے میں وہ کوئی پچی تلی وزندار بات کہہ سکیگا۔

دنیا کے ہر علم و فن کی طرح اسلامی علوم و فنون میں بھی مجتہدانہ بصیرت اور عبور و دسترس کی دور افتادہ منزل تک پہنچنے کے لئے آغازِ سفر اس مرحلے سے ہوتا ہے کہ آدمی اُس زبان کو سیکھے جس میں یہ علوم و فنون مدون ہوئے ہیں اور اُس لٹریچر کو پڑھے جس کے صفحات میں ان علوم و فنون کی بحثیں محفوظ ہیں۔ یہ مرحلہ بھی اگرچہ منزل تک پہنچانے کا ضامن نہیں، بلکہ فکر و بصیرت کی خاص صلاحیتوں اور احکام دین سے عملی وابستگیوں کا پایا جانا بے حد ضروری ہے۔ اس حد تک ضروری کہ اس کے بغیر منزلِ اجتہاد کی طرف سفر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم بعض محال اس قید کو نظر انداز

بھی کر دیں تو یہ حقیقت بہرحال اپنی جگہ اٹل ہے کہ علوم دینیہ کو ان کی اپنی زبان میں پڑھے اور سیکھے بغیر اسلامی علوم و فنون میں نقد و نظر اور بحث و تحقیق کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

لیکن بڑا رنج ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ کمسن مؤلف نے اپنے مبلغ علم اور مقام و منصب کا احساس کئے بغیر نہ صرف یہ کہ علمائے سلف پر تحقیر و تخفیف کے ترکش خالی کئے ہیں۔ بلکہ آیاتِ قرآنیہ کو بھی طباعی اور جودت کا تختۂ مشق بنایا ہے۔ جودتِ طبع بے شک ایک اچھی صلاحیت ہے اور ذہانت کی تعریف بہرحال ہی کی جائے گی لیکن اللہ کی کتاب اور اللہ کے دین میں شاعرانہ انداز کی جدت طرازیاں کسی حال میں بھی لائقِ تحسین نہیں کہی جا سکتیں۔ یہاں شاعری کا نہیں روایت و درایت کا محل ہے۔ یہاں پرواز تخیل سے نہیں علمی استدلال و استشہاد سے کام چلتا ہے۔ تمثیلات ہم ابھی جزءِ ثانی کے تبصرے میں پیش کریں گے۔

تعارف کے بعد چند علماء کے وہ خطوط درج کئے گئے ہیں جو مؤلف کے بھیجے ہوئے خطوط کے جواب میں موصول ہوئے۔ ان میں جناب غلام احمد پرویز کا خط بھی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ مولانا عبدالماجد دریا بادی اور مولانا تقی امینی کے خطوط پر مقدم ہے اور لطیفہ مزید یہ کہ ناشر نے جلی عنوان دے کر انھیں "مقتدر علماء" کی فہرست میں بھی شامل کر لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مؤلف اور ناشر دونوں ہی ذہنی عدمِ بلوغ کی حدود سے آگے نہیں نکل سکے ہیں۔

خطوط کے بعد غازی سراج الدین صاحب کا پیش لفظ ہے۔ یہ بھی مطالب کے اعتبار سے جاندار نہیں اور اسلوب کے لحاظ سے تو بالکل ہی مبتدیانہ ہے۔ موصوف ایک دردمند انسان معلوم ہوتے ہیں، لیکن عصری رجحانات کی تاخت سے وہ بھی نہ بچ سکے۔ آج کا ذہن سائنسی تگ و دو کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور مرد و زن کے قدرتی امتیازات کو ظاہر فریب تعبیروں کے ذریعے خلط ملط کر دینے میں کوشاں ہے۔ شاید اسی سے ہم آہنگی کے لئے موصوف نے آیت قرآنی کے ترجمے کی حیثیت میں یہ فقرے سپردِ قلم کئے ہیں۔

"ہر مسلمان مرد اور عورت کا پہلا فرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے متعلق ہر قسم کی معلومات اور واقفیت بہم پہنچائے" (ص ۲۵)

ہر باہوش جانتا ہے کہ اس مفہوم کی کوئی آیت قرآن میں موجود نہیں ہے نہ ہو سکتی ہے۔ خط کشیدہ الفاظ مترجم کے اپنے ذہن کی جودت ہیں۔ ہر قسم کی معلومات بہم پہنچانا تو مردوں تک کے لئے نہ پہلا فرض ہے نہ دوسرا۔ کجا عورتوں کے لئے اور جس علم کی تحصیل مرد و زن کے لئے اسلام نے فرض کی ہے وہ یہ سائنس نہیں ہے جس کے گیت اس کتاب میں گائے گئے ہیں بلکہ وہ "سائنس" ہے جو انسان کو اللہ اور رسول کی مرضیات سے آگاہ کرتی ہے۔ سائنسی تگ و دو بے شک اسلام کی نظروں میں عیب کا درجہ نہیں رکھتی، لیکن نہ تو اسے ہر مسلمان کیلئے فریضۂ اولیٰ کہا جا سکتا ہے۔ نہ عورتیں اس کی مکلف قرار دی جا سکتی ہیں ایک اور ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

"کیا ہم نے زمین اور آسمانوں کے درمیان جو حرکت پذیر ہے پیدا نہیں کیا" (ص ۲۴)

یہ کیا ترجمہ ہوا!

"ہم آج اسلام شناسی سے اس قدر دور ہو گئے ہیں اور ہمارا خیال ہوتا ہے کہ سائنس شاید کوئی شیطانی کارنامہ ہے" (ص ۲۶)

اوّل تو سائنسی بصیرت کو "اسلام شناسی" کا مرادف قرار دینا بے جوڑ بات ہے۔ دوسرے یہ پتا نہیں چلتا کہ "ہم" سے مراد کون لوگ ہیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے معروف علمائے اسلام اور قابلِ ذکر افرادِ ملت میں کوئی بھی سائنس کو شیطانی کارنامہ گمان کرنے کی حماقت میں مبتلا نہیں۔

"جب میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کیا شیطان نے کوئی چیز پیدا کی ہے؟ تو فوراً جواب ملتا ہے نہیں ہرگز نہیں، لیکن اس کے باوجود سائنس کو برا سمجھتے ہیں اور اسے نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں"

ہماری ناقص رائے میں اس طرح کی بے مغز باتیں اس لائق نہیں تھیں کہ کسی سنجیدہ قلم سے ان کی تراوش ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ علماء اور اربابِ دین کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے جو طبع زاد الزامات مغرب زدہ طبقوں نے تراش رکھے ہیں انھی میں ایک الزام بھی ہے کہ علماء سائنس کو برا اور حقیر سمجھتے ہیں حالانکہ صداقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ قابلِ ذکر علماء نے کبھی نفسِ سائنس کو معصیت نہیں سمجھا نہ اسے جنس کاسد قرار دیا وہ تو صرف اُس فکر و تہذیب کو مذموم گردانتے ہیں جس کے ہاتھ میں فی زمانہ سائنس کی باگ ڈور ہے اور یہ گردانا بلا شبہ حق ہے۔ خدا، اخلاق اور روحانیات کے بارے میں قطعاً غیر جانبدار رہ کر خالص مادہ پرستانہ بنیادوں پر سائنس کے گھوڑے دوڑانا طرح طرح کی ایجادیں تو دنیا کو دے سکتا ہے لیکن دین و اخلاق کی قدریں بھی اس کے ہاتھوں پامال ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ جناب! سائنس کے گن گانے والے اُن ملکوں کی دینی و اخلاقی حالت پر توجہ فرمائیے جنھیں آج سائنس میں امامت و قیادت کا مقام حاصل ہے۔

مختصر یہ کہ جس پیش لفظ کو ناشر نے اہمیت کا حامل قرار دیا ہے اس کی کوئی اہمیت ہماری کوتاہ عقل میں نہ آسکی۔

---

کتاب کا دوسرا جزو خود مؤلف کے رشحات پر مشتمل ہے اس میں متعدد ابواب و فصول ہیں جن میں بعض نہایت اہم اور وسیع ہیں۔ خصوصاً وہ حصہ جس میں انھوں نے دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی برتری ثابت کی ہے خاصا جاندار اور دلکش ہے۔ اسلامی نظریۂ حکومت و سیاست، اسلامی عدل و نظم اور ان دونوں کے ذیلی مسائل کی تفصیلات پیش کرنے میں مؤلف نے لائقِ تعریف کاوش کی ہے۔ اسلام سے متعلق دیگر مباحث پر بھی ان کی کاوش داد کی مستحق ہے لیکن بعض اجزاء ان کی تحریر کے ایسے ہیں جنھوں نے ان کی نگارشات کا وزن بالکل ہی ختم کر دیا ہے۔

زبان و انشاء کی خامیوں سے ہم تعرض نہیں کریں گے کیونکہ مؤلف کی نوعمری اس کے لئے عذر کی حیثیت سے قبول کی جا سکتی ہے لیکن تشویش کی بات یہ ہے کہ انھیں اپنی نا پختگی اور کم علمی کا احساس نہیں، بلکہ جہل مرکب کا وہی معلوم انداز ان کی نگارشات میں متعدد جگہ پایا جاتا ہے جو مغرب زدہ متجددین کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ اگرچہ زندقہ کی اُس وادیٔ تاریک تک ابھی نہیں پہنچے ہیں جہاں تمام اسلاف بے عقل، کم سواد اور قاصر العقل نظر آنے لگتے ہیں اور مشتِ خاک کی کھوپڑی میں یہ خناس سما جاتا ہے کہ ہم اپنے تمام آباؤ اجداد سے زیادہ عقل مند ہیں، لیکن اس وادیٔ ظلمت کی طرف سفر کے تیور ان کے قلم پاروں میں ضرور پائے جاتے ہیں۔

اولاً انھوں نے سلاطین کی تاریخ پر طبع آزمائی کی تو خلفائے راشدین کے بعد کے تمام ہی مسلمان خلفاء و ملوک کو بدگہر اور خدا فراموش اور ظالم و جابر پوز کر دیا۔ حتےٰ کہ حضرت معاویہؓ اور عمر ابن عبدالعزیزؒ کا استثناء بھی ان کے ارشادات میں نظر نہیں آتا۔

"آیاتِ قرآنی کی غلط تاویلات" کے ذیل میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ فسادِ قلب و نظر کا واضح نمونہ ہے۔ لکھتے ہیں:-

"جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مکمل ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے تو اس سے ہماری مراد ہوتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے کے لئے قرآن ایک اصول یا جہاں ضرورت ہو تھوڑی تفصیل پیش کرتا ہے لیکن ضابطہ ہائے زندگی کے تمام اصولوں کی تفصیل اور جامع ہدایات تفصیلاً موجود نہیں اس کے لئے ہمیں احادیث یا قرآن کی تفسیر پر تکیہ کرنا پڑتا ہے اس طرح قرآنی آیات کی تاویلات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تاویلات اور تفسیر بیان کرتے وقت مختلف علماء نے تنگ نظری، خود غرضی اور کسی نظریہ یا عقیدے سے لگاؤ کی وجہ سے ایک ہی آیات کی مختلف تاویلیں کیں چونکہ عوام کو ان تاویلات پر تکیہ کئے بغیر چارہ نہ تھا اس طرح غلط تاویلات کرکے بعض علماء فرقہ بندی کا

موجب بنے اور اس طرح ملت اسلامیہ جذباتی نعروں کا شکار ہو کر فرقہ بندی میں پھنس کر رہ گئی
غلط تاویلات کا دوسرا سبب یہ ہے کہ مفسرین عربی زبان میں ملکہ نہ رکھتے اور اس زبان کی سلاست، فصاحت و بلاغت اور محاورات صرف و نحو پر عبور حاصل کئے بغیر ان آیاتِ قرآنی کی افہام و تفہیم کے میدان میں اتر آئے لیکن اس زبان کی روح کو پہنچنا ایک عجمی کے بس کی بات نہ تھی۔" (۳۹)

یہ سطور ذہن کے ایک تاریک گوشے کی طرف مشیر ہیں جس میں علمائے سلف سے بدگمانی اور ائمۂ دین سے بداعتمادی کے جراثیم پرورش پا رہے ہیں۔ جو شخص کسی زبان کی ابجد سے بھی واقف نہ ہو وہ خود تو کیا جان سکتا ہے کہ کون شخص کتنا اس پر عبور رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مفسرین کی تقلیل و تجہیل کا سبق کسی اور ہی نے انھیں پڑھایا ہے۔ لیکن بی۔اے ایل ایل بی کے کسی نہ کسی مرحلے میں یہ بدیہی اصول تو ان کے گوش گذار ضرور ہوا ہوگا کہ کسی علم و فن کے ائمہ و اساطین پر جرح و تعدیل کے لئے خود بھی اس علم و فن میں درک و مہارت نہایت ضروری ہے۔ ہیروں کی قیمت جوہری ہی متعین کر سکتا ہے۔ پنساری اگر جواہرات سے مرصع تاج کو ترازو کے پلڑے میں رکھے گا تو ظاہر ہے یہ مسخرہ پن ہوگا۔ پُرلطف بات ہے کہ مؤلف کی ذات میں عربی زبان — خصوصاً قرآن کی زبان کی روح کو پہنچنا کسی بھی عجمی کے بس کی بات نہیں، لیکن وہ خود عجمی ہیں اور اس کے باوجود زبان عربی اور آیاتِ قرآنیہ میں مجتہدانہ بصیرت کے مدعی ہیں! — کاش وہ بولنے سے پہلے بات کو تولتے۔

آگے مؤلف نے مفسرین کی غلط تاویلات کی چند مثالیں بھی دی ہیں مگر وہ سب مضحکہ خیز ہیں۔ حد ہے کہ خاتم النبیین کے سلسلہ میں قادیانی حضرات نے لفظ خاتم سے جو مفسدانہ کھیل کھیلا ہے مؤلف اسے بھی علمائے سلف کے حساب میں درج کر کے انھیں کوتاہ بینی اور غلط کاری کہنے سے نہیں چوکے۔

پھر مزے کی بات تو یہ ہے کہ اپنے دعوے کے مطابق انھیں مفسرین کی ایسی تفسیری غلطیاں پیش کرنی چاہئے تھیں جو انتشار و افتراق پر منتج ہوئی ہوں لیکن ایسا بالکل نہیں ہے فرض کیجئے مفسرین نے شجرِ الخلد کو گیہوں کا درخت کہنے میں غلطی کی یا یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کا لفظی ترجمہ کر کے بقول مؤلف جہل کا ثبوت دیا تو اس سے عملی دنیا میں کونسی قیامت برپا ہو گئی۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس مفروضہ غلطی کے نتیجے میں جنگ برپا ہوئی ہو یا متعدد فرقے بن گئے ہوں۔

یہ ایراد تو اس صورت میں ہے کہ مؤلف کی موشگافیوں کو بے دلیل درست مان لیا جائے، لیکن حقیقت میں ان کی موشگافیاں کسی کام کی نہیں مفسرین نے اپنی تفسیر کیلئے کسی نہ کسی روایت کا سہارا ضرور لیا ہے، لیکن مؤلف کی تفسیری کاوشوں کے لئے تو کوئی ضعیف سے ضعیف سہارا بھی موجود نہیں۔ اس کے برعکس یوم یکشف عن ساق کی جس تاویل کو انھوں نے بلا تکلف گمراہ کن قرار دیا ہے وہ درحقیقت مفسرین سلف کی اپنی تاویل نہیں بلکہ بخاری و مسلم کی حدیث مرفوع میں خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اس انکشاف پر ایسا شخص تو شاید کانپ جاتا جسے قولِ رسولؐ کی صداقت پر تہہ دل سے اعتماد ہوتا لیکن مذکورہ بالا اقتباس سے ظاہر ہو چکا کہ مؤلف کے نزدیک احادیث کی بنیاد پر کی گئی تفسیر بھی معتبر نہیں ہے اس لئے انھیں شاید اس انکشاف پر کوئی دھچکا نہ لگے۔

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ سے استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ کی پنڈلی ہو ہی نہیں سکتی لہذا یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کا یہ ترجمہ کرنا کہ "جس دن پنڈلی سے کپڑا اٹھایا جائے گا" سخت گمراہ کن ہے۔ ہم نہیں سمجھتے مؤلف کی منطق جس کو کیا ہو گیا۔ آخر مفسرین نے کب کہا کہ اللہ کی ساق ہماری ساق کی مانند ہے۔ وہ تو اسی طرح ساق کا ترجمہ پنڈلی

کرتے ہیں جس طرح وجہ کا ترجمہ چہرہ اور ید کا ترجمہ ہاتھ ہوتا ہے۔ قرآن میں اللہ کے لئے وجہ، ید، ضحک، سمیع و بصیرہ وغیرہ کا بھی متعدد مقامات پر ذکر ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اللہ کو جسمانیت سے بلند و بالا ماننے کے باوجود لفظی ترجمہ تو لغت ہی کے اعتبار سے کیا جائے گا۔

پھر مؤلف کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ کہنے کے باوجود اسی قرآن میں خود اللہ نے اپنے نور کی مثال پیش فرمائی ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ (سورۂ نور) تب مذکورہ استدلال کی کیا قیمت رہ جاتی ہے۔

---

"مشیتِ ایزدی اور اختیارِ انسانی" کے ذیل میں کہا گیا ہے :۔

"سطحی مطالعہ رکھنے والے اکثر علماء مسئلہ تقدیر و تدبیر کی تشریح و توضیح کرنے سے کتراتے ہیں۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کا حل نکالنے اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہی زندگی کا اصل مقصد اسکے سامنے آجاتا ہے" (ص ۶۹)

دراصل مؤلف نے ایسے ہی ماحول میں تعلیم و تربیت پائی ہے جہاں علماء کی تضحیک و تحقیر ایک دلچسپ مشغلے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے بار بار ایسی باتیں نکلی ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں۔ انھیں کون بتائے کہ مسئلہ تقدیر پر بحث و تمحیص سے اکثر علماء کا گریز اس وجہ سے ہے کہ اللہ کے سچے رسول نے ہی اس گریز کی ہدایت کی ہے۔ ورنہ جہاں تک بوقت ضرورت اس مسئلہ پر گفتگو کا تعلق ہے علمائے سلف نے اس پر وہ سیر حاصل اور جامع بحثیں کی ہیں کہ ان سے زیادہ ممکن ہی نہیں خود مؤلف نے اس مسئلہ کی توضیح میں دو تین صفحات پر جو کچھ لکھا ہے وہ خود ان کے نزدیک ضرور نیا اور اچھوتا ہوگا کیونکہ قدیم اسلامی لٹریچر سے انھیں واقفیت نہیں ہے۔ لیکن فی الحقیقت وہ اس اعتبار سے پامال اور فرسودہ ہے کہ علمائے سلف مدت ہوئی اسے نوع بنوع اسالیب میں دہرا چکے ہیں۔ مؤلف اگر علماء کو حقیر ٹھیرائے بغیر اپنی کاوشیں پیش کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔ یا پھر تخصیص و تعیین سے کام لیتے۔ گدھے گھوڑے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا واضح کرتا ہے کہ ہانکنے والے کو گدھے اور گھوڑے میں فرق کرنے کی تمیز نہیں۔

صفحہ ۵۵ کے چند کلمات بوالعجبی کا شاہکار ہیں:۔

"علم انسان کو کبر کا فقیر بننے نہیں دیتا بلکہ اسے ریسرچ کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ کانوں سے سنکر دل و دماغ سے تولنے پر خود کو آمادہ کرتا ہے۔ لہٰذا جو بھی اس دنیا میں تحقیق یا ریسرچ سے کام لے گا (مسلم ہو یا غیر مسلم) اس پر کائنات بے نقاب ہو جائے گی۔ قرآن ایسے لوگوں کو "متقین" کے نام سے خطاب کرتا ہے جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے"

اگر مؤلف کے کمسن ذہن و شعور پر سائنس کا کابوس بری طرح مسلط نہ ہوتا تو ایسے مضحکہ خیز فقرے ان کے قلم سے کبھی نہ نکلتے۔ مگر فوراً ہی انھیں یہ بھی خیال آیا کہ میں نے یہ کیا کہدیا اس طرح تو سارے سائنس داں جنت میں اور سارے مسلمان جہنم میں پہنچے جاتے ہیں۔ جو زریں الفاظ لکھے جا چکے تھے ان کو کاٹنا تو گوارا نہ ہوا ہاں آگے یہ اطلاع بہر حال دیدی کہ مسلمان تو جنت میں جائینگے اور غیر مسلم جنت سے محروم رہیں گے۔

مگر کیوں؟ جب تمام مسلم و غیر مسلم محققوں اور سکالروں کو اللہ نے متقی کا خطاب دے کر جنت کی بشارت دیدی تو غیر مسلم بچارے دوزخی کس لئے؟ اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ چونکہ اہل مغرب نے ایٹم بم اور دیگر ہلاکت سامان ایجادات مہیا کیں اس لئے وہ جنت سے محروم رہیں گے اور مسلمان چونکہ اپنی ایجادات میں بنی نوع انسان کی فلاح مدنظر رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ جنت میں جائیں گے۔

یہ آخر کیسی واہی تواہی باتیں ہیں۔ حیرت ہے بی۔ اے

[illegible] پڑھے ہے باوجود مؤلف [illegible]
کا بھی منطقی شعور پیدا نہ ہو سکا۔ ذہن کا یہ رُخ کس قدر بربادکن ہے کہ کفر و اسلام، فسق و تقویٰ اور فردوس و جہنم کی سائنسی تحقیق و ریسرچ کی بنیادوں پر کی جائے۔ کاش مؤلف اپنی قلم شگافیوں کو پریس میں لانے سے کسی پڑھے لکھے کو دکھا لیتے۔ "پڑھے لکھے" سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں جنھوں نے بی اے کیا ہے، بلکہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کا کچھ علم حاصل کرنے کی طرح حاصل کیا ہے۔

اور سنیئے:۔

"آج جب سطحی علم رکھنے والے تنگ نظر علماء چاند
اور ستاروں پر کمند ڈالنے کی خبر پڑھتے ہیں تو
تحقیق کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔" (صـ)

خواہ مخواہ علماء کی تذلیل و تخفیف کا شوق نہ ہوتا تو ایسی فضول بات کبھی قلم سے نہ نکلتی۔ کسی ایک ہی قابل ذکر عالم کا نام بتایا جائے جس نے ایسا فتویٰ صادر کیا ہو — ہو سکتا ہے کسی جاہل داڑھی والے نے مؤلف کے سامنے ایسے احمقانہ خیال کا اظہار کیا ہو اور مؤلف اسے صرف داڑھی کی بنیاد پر عالم سمجھ بیٹھے ہوں۔ ورنہ جہاں تک سچ مچ کے علماء کا تعلق ہے ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ ان کی طرف ایسے فتوے کی نسبت کورا جھوٹ ہے۔ اگر ہم غلط کہتے ہیں تو کوئی ایک ہی فتویٰ تمام دنیائے اسلام میں ڈھونڈ کے لایا جائے۔

اب آئیے ایک جھلک اس کی بھی دیکھئے کہ مفسرین کو غلط تاویلات کا مرتکب قرار دینے والا خود کس نوع کے تاویل و ترجمے کا حامل ہے۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا کا ترجمہ کیا گیا:۔

"سورج اپنے اس محور پر گھومتا ہے جو قانون کے
مطابق اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔" (صـ۹)

اگر یہ ترجمہ عصرِ نو سے غیر معمولی مرعوبیت کا مظہر نہیں ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ "تجری" کا ترجمہ "گھومنا" کس سند پر کیا گیا۔ "جریان" کے معنی عربی زبان و لغت میں

ہے [illegible] ہیں۔ مقولے اور گردش کرتے [illegible]
و تدوّر، صوف و صروف، حولان و حول اور انقلاب و تقلیب جیسے الفاظ آتے ہیں۔ مفسرین پر الزام تھا کہ انھوں نے کسی نظریے یا عقیدے سے لگاؤ کے باعث غلط تراجم کئے، لیکن خود مؤلف سائنس دانوں کے اس تخمینے پر ایمان لاکر کہ سورج گھوم رہا ہے لغتِ قرآنیہ کا ایسا ترجمہ پیش فرما رہے ہیں جس کے لئے عربی زبان میں کوئی سند نہیں۔ ہم نہیں کہتے کہ سورج کے گھومنے کا دعویٰ غلط ہے۔ ممکن ہے وہ درست ہی ہو۔ قرآن اس کا انکار نہیں کرتا، لیکن یہ جسارت بھی غیر معقول ہی ہے کہ اس دعوے پر خود قرآن کی تصدیق ثبت کر دی جائے جبکہ وہ اس سے بحث ہی نہیں کر رہا۔ قرآن صرف یہ بتاتا ہے کہ سورج چل رہا ہے۔ اس کی حرکت میں جریان ہے۔ وہ کسی ایک جگہ قائم نہیں ہے۔ بس۔ اب رہی یہ بات کہ اس حرکت اور رفتار کے ساتھ اس میں محوری گردش بھی موجود ہے یا نہیں قرآن اس کا فیصلہ نہیں کرتا۔ ہو جب بھی کوئی حرج نہیں نہ ہو جب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ آخر کیسا ترجمہ ہے کہ قرآن کو خواہی نخواہی سائنسدانوں کے اندازوں کا مؤید و مصدق بنایا جا رہا ہے۔

آگے کہا گیا ہے کہ "قرآن کی پچاسوں آیات سے دیگر سیارگان پر آباد مخلوق کا گمان ہوتا ہے۔" ہمیں اس سے بھی اتفاق نہیں۔ کسی ایک ستارے یا متعدد ستاروں پر مخلوق ہو نہ ہو قرآن اس سے بحث نہیں کرتا۔ چنانچہ مثال میں جو آیات پیش کی گئی ہیں وہ ہرگز اس پر مشیر نہیں، بجا کہ موضح اور دال ہوں۔ نیز آسمان سے مراد دو سیاروں کا درمیانی خلائی فاصلہ لینا بھی اٹکل پچو تفسیر کی ایک نامعقول مثال ہے اور قرآن کے دابۃ الارض کی تعبیر مصنوعی سیارے یا راکٹ اور سپٹنک سے کرنا تو اور بھی رندانہ جرأت ہے۔ عجیب بات ہے اس تفسیری نکتہ سنجی کے محل میں مؤلف نے دبّیات کا لفظ لکھا ہے۔ ہم اسے کتابت کی غلطی سمجھتے اگر یہ ایک ہی پیرے میں تین بار اسی طرح نہ آیا ہوتا لیکن

بجائے خواب سے ذہب کا اور نہایت مضحکہ خیز معنی پہنا دینا حیران کن ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہاں مؤلف کو وہ تفسیری روایات بھی قابل استناد نظر آئیں جنھیں وہ پہلے لائق ترک و اجتناب قرار دے چکے ہیں۔ یہ وہی طریقہ ہے جو متجددین کا معمول رہا ہے۔ جب اپنی گاڑی اٹکتی ہو تو روایتوں کے سارے ذخیرے کو یکسر غیر معتبر اور ناقابل استشہاد قرار دیدیں لیکن جب کچھ کام بنتا نظر آئے تو بے تکلف روایات سے استناد کرنے لگیں۔

سائنسی تفسیر کے میدان میں مؤلف کچھ اور آگے بڑھتے ہوئے سورہ الرحمٰن کی آیت یَامَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ الآیۃ میں اقطار السموات والارض کا مطلب بتاتے ہیں کشش ثقل سے نکل کر خلا میں پرواز کرنا اور سلطان کی مراد بتائی گئی کہ کشش ثقل پر کنٹرول کرنا یا کشش ثقل کے مقابلہ میں زیادہ زور یا جھٹکے سے راکٹ یا مصنوعی سیارے کا آگے نکل جانا۔

اعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ اس طرح کی باتوں کو تفسیر بالرائے کہنا بھی پوری طرح ان کی قباحت ظاہر نہیں کرتا۔ یہ اصل میں تلعب بالقرآن ہے مفسرین سلف بیچارے تو اگر مرعوب ہوئے ہیں تو روایات سے مرعوب ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے متعدد مواقع پر انھوں نے غلط روایات کو صحیح سمجھ کر قرآن کی غلط تفسیر کر ڈالی ہو۔ لیکن اس فریب خوردگی سے کم سے کم یہ تو ثابت ہوتا ہی ہے کہ انھوں نے راویوں کے ظاہری تقدس سے دھوکا کھایا — مگر یہ مرعوبیت کس قدر گھٹیا ہے کہ مؤلف بے چارا سائنس کے رعب میں آکر آیات قرآنیہ کا کھیل بنائے ہے۔ لفظ "سلطان" قرآن میں تیس پینتیس بار تو آیا ہی ہوگا کسی بھی جگہ ایسی لغو تکنیکی سنجیوں کی کوئی گنجائش نہیں اور اقطار السموات والارض سے کشش ثقل مراد لینا ایسا تسکو نہ ہے کہ اس کی تردید کرنا بھی علم و متانت پر سخت بار ہے۔

مسلمانوں کے زوال و انحطاط کی وجہ یوں بیان کی جاتی ہے:—

"اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ان قرآنی اصولوں کو اقوام مغرب نے اپنے ہاتھوں میں لیکر عروج ثریا پر پہنچنے کی جد و جہد کرتی رہی ہیں۔"
(صفحہ ۹۸ نقل مطابق اصل)

یہ باتیں اس نوع کی ہیں کہ ناشر اگر تعارف میں مؤلف کی عمر نہ بھی بتاتے تو سمجھدار لوگ اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ پھر بھی کر لیتے۔ لطیفے کا اتمام اس بات پر سمجھئے کہ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ الآیۃ سے مؤلف نے ایٹم بم اور ایٹمی جنگ کا مفہوم اخذ کیا ہے۔ گویا محض انسانوں ہی کو نہیں جنوں کو بھی اللہ نے ایٹم بم سے ڈرایا ہے اور ہیروشیما اور ناگاساکی میں ایٹم بم سے برباد ہونے والے انسانوں کی تعداد میں اندازاً لاکھ دو لاکھ جنوں کے لاشے بھی بڑھا لینے چاہئیں!

خدا ہی جانتا ہے کہ مؤلف کے ناپختہ ذہن کو قرآن سے اس بے رحمانہ مذاق میں کونسے فوائد نظر آئے ہیں۔ اس طرح کی ترقی پسندانہ تفسیر کا حق تو فی زمانہ جناب غلام احمد پرویز ہی اتنا بھرپور ادا کر رہے ہیں کہ کسی اور کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں پھر کیوں مؤلف تحصیل حاصل میں وقت ضائع کرتے ہیں۔

ایک ارشاد اور سنتے چلئے:—

"موجودہ ترقی یافتہ سائنسی دور سے ۴۱ سو سال قبل تاریک دور میں اسلام کے ذخیرۂ افکار نے ہر قسم کے علوم و فنون کے جواہر ریزے بکھیرے جن کی خوشہ چینی کر کے اقوام مغرب نے موجودہ دور میں ضیا پاشی کی ہے۔ قرآن پاک نے زریں اصول پیش کئے تو مسلمان اس وقت کچھ نہ سمجھ سکا۔ آج حقیقت پر سے پردہ اٹھا تو قرآن کی صداقت سامنے آجاتی ہے . . . ." (صفحہ ۱۰۹)

گویا تمام امت جو اس حسن ظن میں گرفتار ہے کہ قرآن کو سب سے بہتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے

[illegible] ہی ہے۔ [illegible] سمجھنے والے تو اب پیدا ہو رہے ہیں اور سائنس ہی کے انکشافات نے قرآن فہمی کو ممکن بنایا ہے۔

معلوم نہیں مؤلف کو کس نے بہکا دیا کہ اقوام مغرب کی سائنسی ضیا پاشیاں قرآنی اصولوں سے اخذ و استفادے پر مبنی ہیں یہ انتہائی درجہ خلافِ واقعہ خیال ہمارے احساسِ کمتری کو طفل تسلی دے تو دے لیکن سچائی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ سائنس تمام تر تجربات اور ان کے نتائج کا نام ہے۔ اقوام مغرب کے لئے اوّل تو قرآن کو سمجھنا ممکن ہی کب تھا جب کہ قرآن کی ابجد ایمان بالغیب سے شروع ہوتی ہے۔ سائنس اور ایمان بالغیب ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دوسرے قرآن کی صداقت پر اہل کفر کو اعتماد ہی کب تھا کہ وہ اس سے سائنسی اصول نکالنے کی دردسری مول لیتے۔ تیسرے قرآن میں ایسے اصول ہیں ہی کہاں جو ایمان اور روحانیات سے بے تعلق رہنے والی سائنس کو عملی سطح پر رہنمائی دے سکیں۔ کشش ثقل اور خلائی پرواز اور ایٹم بم جیسی چیزوں کے لئے قرآنی آیات کو گواہ بنا کر کھڑا کرنا کھیل کود کے درجے کی جدت ہے۔ مفسرین سلف کو اناڑی اور کم سواد قرار دینے والے کو کم سے کم اتنا تو محسوس کرنا چاہئے تھا کہ قرآن کا ایک مزاج ہے، ایک رخ ہے، ایک موضوع ہے اور پھر ہر آیت کے نزول کا کچھ تاریخی پس منظر ہے۔ سیاق و سباق ہے۔ موقع محل ہے۔ یہ سب کچھ نظر انداز کر کے مادیت کی ترازو میں کلام الٰہی کو تولنا اور سند و روایت سے یکسر بے نیاز ہو کر عقلی جمناسٹک کا مظاہرہ کرنا محفلِ مشاعرہ میں تو لائقِ داد ہو سکتا ہے مگر علم و متانت کی بارگاہ میں اس کا کوئی مقام نہیں۔ شاعری، افسانہ نگاری، ریاضی، ہیئت، سائنس، سیاست ہر ایک کا اپنا اپنا میدان ہے۔ اپنے اپنے حدود و قیود ہیں۔ اپنے اپنے سانچے اور مزاج ہیں۔ جب بھی ان پر گفتگو ہوگی ان کے التزامات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہوگی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ریاضی کو شاعری کے پیمانے سے ناپا اور افسانہ نگاری کو ہیئت کی کسوٹی سے پرکھا جائے۔ ٹھیک اسی طرح قرآن کو بھی خالص مادیت اور سائنسی زاویۂ نظر سے نہیں سمجھا اور سمجھایا جا سکتا۔ وہ ایسی شے نہیں کہ اس میں آزادی سے جودتِ طبع کے جوہر دکھائے جائیں نہ وہ ایسی شے ہے کہ بی۔ اے ایل ایل بی کی قابلیت اس کی تفسیر و تاویل میں کافی ہو۔

"اسلامی نظریۂ حکومت و سیاست" کے ذیل میں کہا گیا ہے:۔

> "اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار اعلیٰ کا اختیار حکومت ملت میں سے زیادہ متقی اور پرہیزگار مسلمان کو اپنے خلیفہ کی حیثیت سے سپرد کرتا ہے۔" (ص۱۱۲)

یہ علی الاطلاق درست نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص نسبتاً کم متقی ہو، لیکن خلافت کی صلاحیتیں اس میں زیادہ ہوں۔ وہ ایسے متقی کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ اہل ہے جس میں حکمرانی کی صلاحیتیں مفقود ہوں۔ اسی کتاب میں مولانا تقی امینی نے بھی صفحہ ۲۱۶ پر اس حقیقت کو قرآن کے حوالے سے واضح کیا ہے۔

صفحہ ۱۲۲ پر بہت عجیب بات کہی گئی ہے:۔

> "بیسویں صدی میں البانیہ اور ترکی نے ایک قدم آگے بڑھایا اور صاف اعلان کر دیا کہ ان کی حکومتیں بے دین حکومتیں ہیں اور اپنے ملکی قانون اٹلی، سوئٹزرلینڈ، فرانس اور جرمنی کے نمونے پر ڈھال لئے۔ اب صرف افغانستان اور سعودی عرب دو حکومتیں ایسی باقی ہیں جہاں "شریعت" کو ملکی قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ ہر امت کے لئے علیحدہ ضابطۂ زندگی نازل فرماتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں ایک جگہ آیا ہے۔
> لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا"

خط کشیدہ الفاظ سے اگر مؤلف کا مقصود غیر اسلامی دساتیر و قوانین کی تحسین و اباحت نہیں ہے تو آخر کیا ہے؟ گویا البانیہ یا ترکی یا کوئی اور مسلمان حکومت اگر اسلامی

قانون کو چھوڑ کر دوسری طریقے سے خدا تو اپنی لو دستور کا حیثیت دیدیتی ہے تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، بلکہ مذکورہ آیت کے مطابق اللہ نے ہر امت کیلئے علیحدہ ضابطۂ زندگی نازل فرمایا ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ ہر مسلمان حکومت اسلام ہی کو "دستور" بنائے۔

دراصل مؤلف کا موعود ذہنی تو یہ نہ ہوگا لیکن ان کے حواس مدرکہ پر چونکہ مغربیت کا غلبہ ہے اس لئے وہ دنیا کی میں مختلف ممالک کے مسلمانوں کو جدا گانہ اقوام و ملل تصور کرتے ہیں۔ بلکہ لفظ "امت" جو قوم و ملت کے الفاظ سے زیادہ خاص ہے اسے بھی انھوں نے جغرافی اعتبار سے تقسیم کر دیا۔ اگر ٹرکی کے مسلمان ان کی نگاہ میں افغانستان اور عرب کے مسلمانوں سے الگ کوئی "امت" نہ ہوتے تو یہ کہنے کا کوئی محل نہیں تھا کہ ویسے بھی اللہ ہر امت کیلئے علیحدہ ضابطۂ زندگی نازل فرماتا ہے۔ نہ مذکورہ آیت کا کوئی موقع تھا۔

صفحہ ۱۲۷ پر ہے:-

"چاروں خلفائے راشدین کے اصل فیصلے بھی قانون کی شکل اختیار کر گئے لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ انھیں اپنے فیصلے بھی واپس لینے پڑے، بلکہ اکثر فیصلے قرآن وسنت یا فقہی احکامات کے ظاہری اصولوں کے خلاف صادر کئے گئے" جو کہ ان کی اجتہادی بصیرت کا نتیجہ ہیں۔"

یہ وہی بات ہے جو نئے دور کے نام نہاد مجتہدین نے متعدد بار صرف اس مقصد سے کہی ہے کہ جو فیصلے وہ قرآن و سنت یا اجماع کے خلاف محض نفسانیت کے تحت کرتے ہیں ان کے لئے صحابہؓ کے تعامل سے وجہ جواز ہاتھ آجائے۔ چنانچہ مؤلف نے جو جو مثالیں پیش کی ہیں وہ بھی وہی ہیں جو اس سے پہلے متجددین پیش کر چکے ہیں۔

لیکن مؤلف اگر گہرا علم رکھتے تو اس حقیقت سے بے خبر نہ رہتے کہ خلفائے راشدین کے جن فیصلوں کو قرآن سنت اور اصول فقہ کے خلاف باور کرایا جا رہا ہے وہ ہرگز ہرگز اس نوع کے نہیں ہیں، بلکہ ان کے لئے خود قرآن و سنت میں ایجابی دلائل و قرائن موجود ہیں۔ ہم یہاں زیادہ تفصیل میں نہیں جا سکتے۔ ورنہ ایک ایک مثال پر گفتگو کر کے بتا سکتے تھے کہ کسی بھی خلیفہ راشد نے کوئی فیصلہ قرآن و سنت اور اصول فقہ کے خلاف صادر نہیں کیا وہ لوگ جان دے سکتے تھے مگر قرآن و سنت کے حریف نہیں بن سکتے تھے۔

---

مؤلف کی دانست میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی ساری داستان سائنسی ایجادات کے گرد گھوم رہی ہے لیکن ہماری دانست میں بنیادی عامل اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں کہ انھوں نے اللہ اور رسول کی کامل اطاعت سے منھ موڑ لیا۔ کسی قوم کو ہلاک کرنے والی شے قول و عمل کے تضاد سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ ماننا مگر عمل نہ کرنا۔ باتیں بنانا لیکن سعی و جہد کو بالائے طاق رکھ دینا۔ نفاق، دورنگی اور تن آسانی۔ تاریخ گواہ ہے اور خود مؤلف بھی اس کے منکر نہیں ہیں کہ جب مصطلحہ علوم و فنون ایام طفولیت میں تھے اسی وقت امت مسلمہ کی عظمت و اقبال کا خاور تاباں وسط فلک تک پہنچا تھا۔ ہمارے معمولی پڑھے لکھے لوگ سائنس کے تصور تک سے نا آشنا۔ آلوں اور مشینوں سے بے خبر۔ مگر جہد و عمل کے پیکر۔ قول و فعل کے نفاق سے بلند۔ سر گرم و مستعد۔ باتیں کم کام زیادہ۔ یہ تھا وہ عامل جس نے انھیں عزت و عظمت کے سماء ہفتم پر پہنچایا۔ یہی عامل آج بھی کسی قوم کو اونچا اٹھا سکتا ہے لیکن آج تو باتیں ہی باتیں ہیں۔ لفاظی ہی لفاظی ہے۔ زبان اسلام اسلام پکارتے خشک ہوئی جاتی ہے۔ قلم اسلامی علوم و معارف کے تاج محل تعمیر کر رہے ہیں لیکن بہت پوچھو عمل کیا ہے۔ مؤلف اپنے نوزائیدہ ملک کو دیکھیں۔ حلقہ در حلقہ اسلام کی شان میں وہ قصیدہ آرائیاں ہیں کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی، لیکن ان قصیدہ سراؤں کی عملی زندگی

کیا ہے - درسِ عبرت! صورت سیرت، رہن سہن، ذہنی رجحان ہر شے اسلام کی نفی اور اسلام دشمن فکر و تہذیب کی توثیق کرنے والی - جو مغرب زدہ نہیں ہیں ان پر دوسری قسم کے شیطان سوار ہیں - مولوی ملّا کی غالب اکثریت کو نفسانیت نے مارا - نفسانیت ہی کے درخت پہ خود پرستی، کج فکری، بدعت و معصیت اور نفرت و افتراق کے پھل آتے ہیں - خواص بگڑے تو عوام بھی بگڑے - ہر طرف قول و فعل کی دو رنگی، فکر و نظر کی بے راہ روی اور اسلامی اخلاق سے گریز و نفور کا دَور دورہ ہے - حاصل یہ کہ امتِ مسلمہ کے زوال کی جڑیں اس کی نفسانیت میں ہیں - خدا فراموشی بیماری ہے، حقیقی اسلام سے دوری بیماری ہے - نہ کہ سائنسی کم سوادی ہیں - سائنسی، اقتصادی، تہذیبی افلاس وغیرہ ماتحتی تو محض برگ و بار ہیں، سببِ علت نہیں - قرآنی آیات کے نئے نئے مفاہیم نکالنے سے کیا ملے گا جب کہ ثابت شدہ مفاہیم پر عمل کی توفیق نہیں - اسلام کو کما حقہ، حرزِ جان بنالو سب دلدّر دور ہو جائیں گے - خالی ذہنی جمناسٹک میں مشغول رہے تو خالی باتوں سے کس کا پیٹ بھرا ہے جو ہمارا بھرے گا -

---

کتاب کا تیسرا جزو سوال و جواب پر مشتمل ہے - سوالات مؤلف کے ہیں اور جوابات مولانا تقی امینی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے - مولانا مودودی کے یہ جوابات تو ہم ماہنامہ ترجمان القرآن میں پہلے پڑھ چکے ہیں - ہاں اوّل الذکر کے جوابات سے اسی کتاب نے فیضیاب کیا - مولانا تقی امینی ایک صاحبِ فکر اور متین عالم ہیں - ان کی منزلت کا راقم الحروف پہلے سے معترف ہے - لاریب کہ بعض اہم سوالوں کے جواب انھوں نے بڑی توجہ اور کاوش سے دیئے ہیں، لیکن فرضِ تبصرہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ اپنا پورا تاثر بے کم و کاست بیان کر دیں - معلوم نہیں کیوں وہ اپنے جوابات کی زبان و انشا پر زیادہ توجہ نہ دے سکے - عام حالات میں ان کی تحریریں دلکش اور رواں ہوتی ہیں لیکن ان جوابات میں بیشتر عبارتیں کچھ اس نوع کی ہیں جیسے وہ ترجمہ ہوں - روانی اور رعنائی کے عوض ان میں بوجھل پن اور آورد ہے - اس کے علاوہ تطویل بھی کچھ اس قسم کی ہے کہ سوال اور جواب کا ربط باہمی متعدد جگہ دھندلا گیا ہے - پھر بڑی کمی یہ ہے کہ ان کے جوابات میں جذبات کے سوز و گداز کا نام نہیں، بلکہ ایسا خشک رکھ رکھاؤ ہے جیسے وہ کسی قانونی یا دفتری موضوع پر مصروفِ کلام ہوں - بیشتر یہ کہ ان کے جوابات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اس خاص ذہن کے اجزائے ترکیبی کا اندازہ لگا سکے ہوں جو اکثر سوالوں میں کارفرما ہے - سوال اگر کسی خاص پس منظر میں کیا گیا ہو تو جواب بھرپور ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس پس منظر کو ملحوظ نہ رکھا جائے -

ہاں مولانا مودودی کے جوابات کو اس کتاب کا سب سے قیمتی سرمایہ کہا جا سکتا ہے - مولانا مودودی سے بھی فکر و قیاس کی غلطیاں ہو سکتی ہیں - ان کے قلم پاروں میں بھی جھول رہ سکتا ہے، لیکن تجدد اور مغربیت کا تعاقب ان کا خصوصی وصف ہے - اس میدان میں فی زمانہ ان کا کوئی ہمسر نہیں - غزالیؒ اور ابن تیمیہؒ جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں جو اپنے دَور کے نظریاتی فتنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے جھجک درّانہ گفتگو کر سکیں - مولانا مودودی بھی اس پہلو سے اپنے دَور کے امام ہیں کہ جن مغربی افکار نے اچھے اچھے علماء کو فکر و نظر کے بعض محاذوں پر معذرت اور پسپائی کا انداز اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا انھیں مولانا مودودی نے اللہ کے فضل سے مجاہدانہ شان سے للکارا اور دلائلِ قاہرہ سے زک دی ہے - ھٰذا من فضل ربی یؤتیہ من یشاء - سائل کے دماغ میں اتر جانا اور تاریکی میں چھپے ہوئے چور پکڑ لینا ان کی خداداد صلاحیتوں میں سے ایک ممتاز صلاحیت ہے جو ان کے تمام ہی "رسائل و مسائل" میں جھلکتی ہے لیکن

جب سوالات کا تعلق عصری افکار و رجحانات سے ہو تو ان کی یہ صلاحیت بڑی آن بان سے نمایاں ہوتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ان کے فکر و نظر اس عہدِ فرعونی کے کلیم ہیں۔

حاصلِ تبصرہ یہ ہے کہ اس کتاب کا پہلا جزء افادیت سے خالی ہے۔ دوسرے جزء میں اسلامی اصول و آئین کے ذیل میں ایسا مفید مواد پیش کیا گیا ہے جو عام لوگوں کی معلومات میں اضافے کا موجب ہوگا لیکن مؤلف کا زاویۂ نظر اور سوچنے سمجھنے کا ڈھنگ اصلاح طلب ہے۔ تیسرا جزء افادیت سے لبریز ہے اور جن لوگوں نے ترجمان القرآن میں مولانا مودودی کے جوابات نہ پڑھے ہوں وہ صرف ان جوابات کے لئے یہ کتاب خرید لیں تو سودا مہنگا نہ ہوگا۔

---

آخر میں ہم یہ تنبیہ بھی ضرور کریں گے کہ ہمارے تبصرے سے کوئی یہ مطلب نہ نکالے کہ ہم سائنسی ٹکنالوجی اور مادی ترقی کو لایعنی خیال کرتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ علم و تحقیق تو مومن کا سرمایہ ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہوگی اگر پاکستان مادی ترقی کی راہ میں تیز گامی دکھائے، لیکن یہ بھی نہ بھولنا چاہئیے کہ مادی ترقی کا نام اسلام نہیں ہے۔ اسلام عبارت ہے مکارمِ اخلاق سے اور اخلاق کا پیمانہ اللہ اور رسول کے فرمودات ہیں۔ جس سائنس جس علم و حکمت جس صنعت و حرفت کا رُخ بھلائی، انسانیت دوستی، اخلاق اور حسنِ معاشرت کی طرف ہو وہ لائقِ صد ہزار فخر ہے، لیکن جس کا رُخ خدا فراموشی، تن آسانی، جارحیت اور اسلامی اخلاق سے نفور و بیزاری کی طرف ہو اس کے ملعون و مردود ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اسلامی اخلاق سے تہی داماں ہوکر مسلمان آسمان کے تارے بھی توڑ لائے تو اُس معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں اس کے لئے کوئی منزلت نہیں جس کا ایمان کامل کا وہ مدعی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

## تفسیر معالم التنزیل (اردو)

● مترجم:- جناب محمد عثمان کاشف الہاشمی۔

● طابع:- مکتبہ ندوۃ الفرقان - دیوبند۔

تجلی سائز کے ۹۶ صفحات - کاغذ سفید - ہدیہ فی القسط دو روپے - ممبروں کے لئے سوا روپیہ۔

---

ضخیم کتابوں کو جزءاً جزءاً شائع کرنے کا جو طریقہ دیوبند میں بڑے زور شور سے مقبول ہوا ہے وہ اب کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ یہ تفسیر بھی اسی طریقے کے تحت شائع کی جارہی ہے۔ پہلے القسط کے آغاز میں ناشر نے مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی کی توصیفی تقریظات شائع کی ہیں جن کے بعد ہم جیسے ہیچ میرز کے لئے امن و عافیت کا راستہ یہی تھا کہ بغیر پڑھے کچھ تعریف و توصیف کر جائے لیکن پڑھ کر تبصرہ کرنے اور تبصرے میں اپنی رائے کو بے کم و کاست سپردِ قلم کرنے کا جو مرض ہمیں ہے اس کی فطرت ہی یہ ہے کہ امن و عافیت کے خرمن میں اپنے ہی ہاتھوں سے آگ لگاتے رہو۔ ہمیں احساس ہے کہ صاف بیانی فی زمانہ ایک جرم کی حیثیت رکھتی ہے لیکن خلاقِ اکبر نے جس مشتِ خاک کو پیدا ہی اس جرم کے لئے کیا ہو وہ اپنی تقدیر سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے۔

---

تفسیر کا آغاز جناب ناشر کے مقدمے سے ہوا ہے ہمیں اس بات سے بڑی گھٹن ہوتی ہے کہ جو بھی اُٹھتا ہے خدمتِ دین کا بلند بانگ دعویٰ لیکر اُٹھتا ہے اور یہ باور کرانے کی سعی کرتا ہے کہ اچانک اسے دین و ملت کے درد نے بے چین کردیا ہے۔ حالانکہ جن کاموں کی نوعیت خالص کاروباری ہو اور محض ضمناً ان سے دین و ملت کو بھی کوئی فائدہ پہنچتا ہو ان کا آغاز خدمتِ دین کے مبالغہ آمیز دعووں سے کرنا بڑی گھٹیا بات ہے۔ حد ہے کہ کاروباری ٹکنک کے طور پر جو رعایت خاص معاونین کے لئے مشتہر کی جاتی ہے اس کے لئے بھی "دین" ہی کو استعمال کرنا عام ہوگیا ہے۔ چنانچہ ناشر نے اسی نوع کی رعایت کا مقصد "قرآنی تعلیمات کو عام کرنا" ظاہر فرمایا ہے۔

مبالغہ آرائی کا یہی مزاج بعض دوسرے الفاظ میں ملتا ہے۔ مثلاً :۔

"ندوۃ الفرقان نے اپنا ایک عظیم الشان مکتبہ بھی قائم کر لیا ہے۔" (ص)

اور ۔۔۔ "ادارہ ندوۃ الفرقان علمی، مذہبی، درسی، غیر درسی کتب اور قرآن مجید معریٰ و مترجم مہیا کرنے والا ایک مرکزی ادارہ ہے۔"

اس طرح کی ظاہر فریب باتیں اسلامی تعلیمات کے نقطہ نظر سے تو کیا عام کاروباری دیانت کی رو سے بھی قابل اعتراض ہیں۔ گز کو سوا گز کہنا ایک گوارا مبالغہ ہے لیکن انچ بھر کو سو گز پیش کرنا دروغ بافی کہلائے گا۔ ہم ادارہ ندوۃ الفرقان ہی سے نہیں دیوبند کے تمام "خادمانِ دین" سے ادب کے ساتھ گزارش کریں گے کہ خدارا اپنی تجارتوں کو ملمع کاریوں کی ناپاکی سے بچائیے۔ "خدمتِ دین" کا مقام بہت بلند ہے۔ یہی کافی ہے کہ آپ اپنے خالص تاجر ہونے کو چھپا جائیں، لیکن یہ تو بڑی جرأت ہے کہ تجارت کا آغاز ہی بلند بانگ دعاوی سے کیا جائے۔

---

مقدمے کے بعد ۲ صفحے پر "عرض مترجم" ہے۔ اسمیں فاضل مترجم نے قابلِ تعریف صاف گوئی سے ظاہر فرمایا ہے کہ میرے مسودے کی تصحیح میں جناب ریاست علی بجنوری اور جناب مولوی محمد طفیل جو تیوری فاضل دیوبند نے اعانت فرمائی اور میری کئی فاحش غلطیوں پر متنبہ کیا۔

لیکن زیر تبصرہ الشروح کو اوّل سے آخر تک بہ نگاہِ غور دیکھنے کے بعد ہم یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ اس کا مسودہ زیادہ اہل حضرات کی نگاہِ ثانی کا محتاج تھا۔ کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جہاں ترجمہ بے سوچے سمجھے کیا گیا ہے۔ کتنے ہی نقائص اتنے نمایاں ہیں کہ حیرت ہوتی ہے وہ مترجم اور ان کے فاضل معاونین کی نگاہ سے کیونکر مخفی رہے

مترجم نے بتایا ہے کہ چونکہ مفسر شافعی المسلک ہیں، اس لئے جہاں ضرورت تھی وہاں حاشیہ پر حنفی مسلک بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن ہمیں پھر اظہار حیرت کرنے دیجئے کہ پورے الشروح میں ایسا ایک جگہ بھی نظر نہیں آیا۔ حتیٰ کہ "ایمان و عمل" جیسی معرکہ کی بحث میں مترجم صرف اتنا حاشیہ دیتے ہیں :۔

"یہ حضرت مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا مسلک ہے ورنہ درحقیقت یہ دونوں الگ الگ ہیں اس سلسلہ میں سب سے بہتر اور دلکش تفصیل "آثار امام" اور دیگر کتابوں سے ملے گی۔" (ص ۳۵)

یہ حاشیہ ہے ؟

کسی کتاب کا اشتہار معیوب چیز نہیں لیکن ایک غلط مسلک پر ایسا طائرانہ حاشیہ کچھ ایسا انداز رکھتا ہے جیسے ناول لکھنے والے کسی تلمیح پر نوٹ دیا کرتے ہیں کہ :۔

"اس کہانی کو ہمارے فلاں حیرت انگیز ناول میں ملاحظہ فرمائیے۔"

مفسر نے ایمان کی بحث میں جو کچھ لکھا ہے اگر مترجم نے واقعی اس کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ کیا ہے تو کہنا چاہئے کہ خود مفسر کے خیالات میں کافی الجھاؤ ہے۔ اس الجھاؤ کو دور کرنے کے لئے مفصل حاشیے کی ضرورت تھی لیکن پورے ہی ترجمے سے یہ بات مترشح ہے کہ مترجم صرف ترجمہ کر دینا چاہتے ہیں تفہیم و تبیین پر محنت نہیں کرنا چاہتے۔

کون نہیں جانتا کہ فاتحہ خلف الامام احناف اور شوافع کے درمیان مشہور نزاعی مسئلہ ہے۔ مفسر فضائل فاتحہ کے ذیل میں ایسی روایات بیان فرماتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہی ہے لیکن مترجم ایک لفظ بھی اس مسلک کے خلاف حاشیے میں نہیں لکھتے۔ خدا جانے پھر وہ کونسا نزاعی مسئلہ ہوگا جس میں وہ فقہ حنفی پر احسان کی زحمت گوارہ فرمائیں گے۔

کمال یہ ہے کہ حاشیہ وہاں دیا جاتا ہے جہاں حاشیے کی ضرورت نہیں تھی۔ مثلاً وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ کے تحت مفسر نے بتایا کہ بحر کو وسعت کی بنا پر بحر کہا جاتا ہے۔ جب گھوڑا خوب دوڑتا ہے تو بولا جاتا ہے انہ بحر۔ اب یہ

مترجم چار سطر کا حاشیہ دیتے ہیں جس کا مفاد صرف یہ بتانا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس معنی میں بحر کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اب سوچئے اس حاشیئے کا مصرف قرآن فہمی کے ذیل میں کیا ہے جب کہ آیت مذکورہ میں لفظ بحر اسی عام مفہوم میں ارشاد ہوا ہے جسے ہر شخص جانتا ہے۔ اسی حاشیے کی مانند دوسرے حواشی بھی محض اس بات کے مظہر ہیں کہ مقصود قرآن کی تفہیم نہیں، بلکہ وسعت مطالعہ کا اظہار ہے۔

بعض روایات تو ایسی وحشت ناک ہیں کہ مترجم کو ضرور ہی ان پر حاشیہ دینا چاہئے تھا۔ بغیر حاشیے کے یہ قارئین کے لئے سوائے بیزاری و انقباض کے اور کسی تاثر کی حامل نہیں۔ قابلِ نقد روایات سے یہ تفسیر بھری پڑی ہے اس لئے سب کا نقد تو تبصرے کے محدود صفحات میں ممکن نہیں۔ صرف مثال کے طور پر ایک روایت کا ذکر کرتے ہیں:۔

قرآن کے الفاظ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ کے ذیل میں مفسر نے یہ اشکال نکالا کہ انبیاء کا قتل تو ظاہر ہے کہ بغیر الحق یعنی بلا جرم ہی ہوتا ہے۔ پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی؟ مفسرینِ کرام اس سلسلہ میں دو باتیں فرماتے ہیں۔

اس کے بعد دونوں باتیں بیان کی گئی ہیں، مگر دونوں ہی اشکال کو رفع کرنے میں ناکافی ہیں۔ پہلی کسی درجہ میں بہت ذہین لوگوں کے لئے رہنما بن سکتی ہے مگر عوام کے لئے نہیں۔ دوسری بالکل بے جوڑ ہے اور ناقابلِ اعتبار بھی۔ ملاحظہ کیجئے:۔

> "یہود نے ایک بار تین سو انبیاء کرام کو یک لخت دن کے ابتدائی حصے میں قتل کیا اور شام کو بازار لگایا۔" (ص۱۵۵)

ہم بالکل نہیں سمجھ سکے کہ اس سے اشکالِ مذکور کیسے رفع ہوا۔ پھر یہ روایت انبیاء کے بارے میں جیسا کچھ غلط تاثر دیتی ہے محتاجِ تشریح نہیں۔ کیا انبیاء ایسی ہی جنسِ ارزاں تھے کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی مقام پر دو تین چار اکٹھے ستر مبعوث کئے گئے اور پھر ان کی بیکسی کا یہ عالم کہ یہود نے ایک ہی وقت میں انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ معاذ اللہ ایسی روایات کو بلا نقد زیبِ تفسیر کر دینا اس کے سوا کیا مفاد رکھتا ہے کہ گئے گذرے عوام کے رہے سہے خیالات کی بھی مٹی پلید ہو جائے۔

---

ترجمہ عالمانہ ہے مگر سلیس نہیں۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ مترجم نے کس سطح اور صف کے قارئین کو نظر میں رکھا ہے۔ ظاہر ہے یہ تفسیری سلسلے کم علم عوام ہی کے لئے جاری کئے گئے ہیں، لیکن اوّل تو خود یہ تفسیر ہی بکثرت ایسے مطالب پر مشتمل ہے جو خالص مکتبی نوع کے ہیں اور ان سے استفادہ صرف مدرسین و طلباء ہی کر سکتے ہیں۔ پھر مترجم نے ان کی تسہیل کا بھی حق ادا نہیں کیا۔ ان میں اچھا لکھنے کی صلاحیت ہے، لیکن بلند پایہ انشاء لکھنے کا مفرط شوق اس صلاحیت کے نکھار میں حائل ہو گیا ہے۔ وہ نئی تراکیب اور نئے اسلوب اختراع کرتے ہیں، لیکن یہ جدت طرازی معیاری نہ ہونے کے باعث اغلاق اور ژولیدگی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔

مثال کے طور پر چند ایسی عبارتیں ملاحظہ ہوں، جنھیں عوام کے فرشتے بھی نہیں سمجھ سکتے۔

> "اگر پہلا حرف مشدد یا منون (تنوین والا) ہو یا منقوص یا مفتوح ہو، تا مخطاب ہو اور اس سے ماقبل مثلین کے علاوہ کوئی لفظ ہو تو موصوف ادغام نہیں کرتے۔ کسی متحرک حرف کا ادغام کسی کسی حرف کبیر میں ہوا کرتا ہے۔" (ص۲۶)

فرمائیے کیا پلے پڑا۔ اگر مترجم نے ترجمہ صرف طلباء و اساتذہ کے لئے کیا تو منون کی تشریح میں "تنوین والا" کہنے سے کیا فائدہ۔ اور اگر یہ تشریح عوام کی خاطر تھی تو منقوص اور مثلین اور حرفِ کبیر کی بھی تشریح ضروری تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں خود مترجم بھی مطلب نہ سمجھے ہوں۔ یہ بے بنیاد

کوئی بھی نہیں ہے بلکہ متعدد مقامات اس کا یقین دلاتے ہیں کہ ترجمہ مفہوم و منشاء سمجھے بغیر کیا گیا ہے۔

"ابوعمرو اور کسائی نے الابصار کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے" (ص۳۵)

خیال فرمائیے۔ تفسیر خرید کر پڑھنے والوں میں کے آدمی امالہ کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔

"ان لوگوں نے اظہار ایمان کو اخفاء کفر سے خراب ڈالا" (ص۴۷)

اس گتھی کو اگر کسی عام آدمی نے سلجھا لیا تو وہ "عام" ہی کب رہے گا۔

"یہ دونوں حضرات ایسے ہر ایک ہمزہ کو چھوڑ دیتے ہیں جو ساکن ہو اور فاء فعل ہو" (ص۴۷)

یا— "الذین یومنون - یہ جملہ متقین کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے" (〃)

پہلے جملے کا "مجرور" ہونا اور دوسرے کا "فاء فعل" ہونا کتنے ناظرین کی سمجھ میں آئے گا۔

---

اس تفسیر میں کتنی ہی روایات ایسی ہیں جنھیں پایۂ اعتبار سے ساقط کیے بغیر چارہ نہیں، لیکن مترجم اس خامی کا ازالہ یوں طور کرنا چاہتے ہیں:-

"بعض حضرات نے اسرائیلی واقعات و امثال کی طرف انگلی اٹھائی ہے۔ بے شک یہ ایک کوتاہی ہے مگر حضرت مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہیں وہ ہر واقعہ کی کمی یا کوتاہی پر اشارہ فرما دیتے ہیں۔ کوتاہی اگر کچھ ہے تو بس یہ ہے کہ ایسے واقعات کو سرے سے ذکر ہی کیوں کر دیا مگر اس سلسلہ میں ان کو معذور سمجھنا چاہئے ؎

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست"

اوّل تو یہ معذرت قابل نظر ہے دوسرے کے مطابق واقعہ بھی نہیں ہم نے اس التوع کو الف سے یا تک پڑھا ہے۔ معذور دے چند مقامات کے مبہم اشارات کے سوا کہیں بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا جو قاری کو غیر معتبر روایات کی تشخیص میں مدد دے۔ حالانکہ اسرائیلیات کی نشاندہی میں صرف اشارہ ہی کافی نہیں واضح فیصلہ ضروری تھا۔

---

تاویل و تفسیر کا فرق بیان کرتے ہوئے لفظ تفسیر کا جو لغوی آپریشن کیا گیا ہے اس پر مفسر اور مترجم دونوں ہی کو الگ الگ داد دی جا سکتی ہے۔ آپ بھی سنتے چلیے:-

"تفسیر تفسرہ سے مشتق ہے اور تفسرہ اس پانی (قارورہ) کو کہتے ہیں کہ جس سے ایک طبیب مرض کی تشخیص کرتا ہے۔ اسی طرح مفسر کا کام بھی یہی ہے کہ وہ آیت کا شان نزول اور دیگر خصوصیات کو واضح کرے" (ص۹)

اگر صرف لفظی ہم آہنگی کی بنیاد پر اللہ نے لا تقولوا راعنا فرمایا۔ اگر اللہ کے رسول نے اعضائے مستورہ کے لئے متین الفاظ کی تلقین کی تو معلوم ہوا کہ لفظی مناسبتیں بھی بڑی قدر و قیمت رکھتی ہیں۔ تب آخر اس ذوق و وجدان کو کیا کہا جائے گا جو تفسیر قرآن میں یہ خوش خبری سنانے لگے کہ لفظ تفسیر کی اصل قارورہ (پیشاب) ہے! قصور مفسر ہی کا ہی مگر مترجم کو حاشیے میں تو اپنی خوش مذاقی کا مظاہرہ کرنا ہی چاہئے تھا۔

اور دیکھئے۔ حروف مقطعات کی بحث میں ارشاد ہوا:-

"ہر حرف باری تعالیٰ کے کسی اسم مبارک کا پہلا حرف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کھیعص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ک الکافی کا پہلا حرف ہے ہ الہادی کا پہلا حرف ہے ی الحکیم کا پہلا حرف ہے" (ص۱)

کون نہیں ہے جو یہ پڑھکر چونک نہیں جائے گا کہ ی الحکیم کا پہلا حرف ہے! اصل تفسیر ہمارے سامنے نہیں اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ کیا کھیل ہوا ہے۔ تاہم مترجم اور مسودے پر نظر ثانی کرنے والے فاضلین کو تو سوچنا چاہئے تھا کہ الحکیم کی صحیح ہجے کیا ہے۔

آگے ہے :-

"اسی طرح المص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ
انا اللہ الملک کی مختصر صورت ہے۔" ص۱۳

چلیئے اس تخمینے کو تفسیر ہی شمار کر لیجئے کہ الف سے مراد انا لام سے مراد اللہ اور میم سے الملک ہے لیکن ص کہاں گیا۔ اس کے لئے بھی تو کوئی تخمینہ دینا چاہئیے تھا۔ روایت میں نہیں دیا گیا تو مترجم کو حاشیہ میں اظہار خیال کرنا چاہیئے تھا۔

مفلحون کی تشریح میں لکھا گیا ہے :-

"فلاح کے معنی کاٹنے اور پھاڑنے کے ہیں۔
کاشتکار کو فلاح کہتے ہیں کہ وہ زمین جوتتا ہے
ضرب المثل ہے الحدید بالحدید یفلح
اس کے پیش نظر معنی یہ ہوں گے کہ دنیا اور
آخرت میں خیر صرف ان کے لئے مختص ہے۔" ص۳۷

کیا بات ہوئی؟ آخر دلیل اور دعوے میں کیا مناسبت ہے؟ کاٹنے اور پھاڑنے کے مفہوم سے اختصاص بالخیر کیسے ثابت ہوا؟

کفر جحود کی تعریف کی گئی ہے کہ "دل تو اس بات کا اعتراف کرتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہیں مگر زبان سے اعتراف نہیں کرتا جیسے ابلیس اور یہود کی حرکتیں۔" (ص۳۷)

دونوں مثالیں غلط ہیں۔ ابلیس کب وجود خداوندی کا منکر ہوا ہے اور یہود بھی ہستی باری کے منکر نہیں ہیں۔ رہا اس آیت سے استدلال کہ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ تو اس کا تعلق رسول اور کتاب اللہ کے انکار سے نہیں۔

کفر عناد کے بارے میں ارقام ہے :-

"اللہ تعالیٰ کی معرفت دل میں جاگزیں ہے زبان
سے اعتراف بھی ہے مگر عملاً اس کے احکام سے
گریز کرتا ہے جیسے ابوطالب . . . . ."

خدا جانے مترجم کی سوجھ بوجھ کو کیا ہو گیا۔ دل کے یقین اور زبان سے اعتراف کے بعد تو ادمی مومن ہو جاتا ہے۔ اب اگر وہ صرف احکام سے گریز کرے تو اسے کافر، خوارج ہی کہہ سکتے ہیں۔ نیز ابوطالب نے اسلام کا اعتراف کب کیا تھا۔ اگر کر لیتے تو آج کس کی مجال تھی کہ ان کا نام بغیر رضی اللہ عنہ کے لیتا۔ احکام سے گریز اسلام قبول کرنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ جو شخص اسلام ہی نہیں لایا وہ احکام کا مکلف کب ہے۔ دراصل یہاں ترجمہ کی خامی ہے۔ کہنا یوں چاہیئے تھا کہ اسلام کی حقانیت پہ یقین ہے مگر قبول اسلام پر آمادہ نہیں۔

ایک حدیث کا ترجمہ کیا گیا۔

"سورۃ بقرہ و آل عمران کی تلاوت کرو یہ دونوں
اپنی تلاوت کرنے والوں کے لئے بادل کی طرح
جانوروں کے پرے کی طرح آ کر دلائل قائم کریں گی۔" ص۳۷

لفظی دروبست کی خامی کے علاوہ "جانوروں" کا لفظ یہاں صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ یہ لفظ وحوش و انعام کا مفہوم ادا کرتا ہے نہ کہ طیور کا۔ پھر "پرے" بھی طیور ہی کے ہوتے ہیں اور جانوروں کے لئے غول، ریوڑ، گلے، ڈار جیسی اصطلاحات مروج ہیں۔ "پرندوں کے جھنڈ" کہنا یہاں موزوں ترین تھا ــــ صفحہ ۵۲ پر کہا گیا :-

"ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ پتھر
ایک چوکور آدمی کے سر کے برابر تھا۔"

"چوکور آدمی" کیا بلا ہوتی ہے؟

"نافرمان کاران کے لئے تباہ کن ہو کر رہے گا۔" ص۵۲

تباہی تو خود نافرمانی کا ہی کا نام ہے۔ کہنا یوں چاہیئے تھا کہ نافرمان کاران کے لئے تباہی ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا کا ترجمہ :-

"پس اگر تم گزشتہ زمانہ میں بھی نہ کر سکے۔" (ص۵۳)

غلط ہے۔ یہ مفہوم اگر خود مفسر نے لیا ہے تب بھی غلط ہے اور مترجم کا اجتہاد ہے تب بھی غلط ہے ــــ اللہ نے اعلان کرتا ہے کہ اگر تمہیں قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے تو بلا لو اپنے اعوان و انصار کو اور لا کر دکھا دو

ایک ہی ایسی سورت - پس اگر نہ لاسکے اور ـــــ ہرگز نہ لاسکوگے تو ڈرو اس آگ سے پتھر اور انسان جسکا ایندھن ہیں"

اس ارشادِ ربانی میں گذشتہ زمانے کا ذکر کہاں سے آداخل ہوا - صفحہ ۴۹ پر ـــ " صابئین کا نام بھی ان پر اسی وقت تک راس آتا رہا"

" راس " نہیں " راست آنا " محاورہ ہے - راس کا محل استعمال اور ہے -

---

غنیمت ہے اس ایشوع کے اواخر میں مترجم نے اپنے نوٹ میں بعض روایات کو اسرائیلی روایات تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ :-

" بہتر تھا کہ یہ روایات تفسیر میں نہ آتیں " صفحہ ۹۲

لیکن کیا اتنے سے اعتراف سے ان نقصانات کی تلافی ہو جائے گی جو اسرائیلی روایات کی حامل تفسیر کا ترجمہ پیش کرنے سے ظہور میں آسکتے ہیں اور آتے ہیں - معلوم نہیں اُن عقلوں کو کیا ہو گیا جو آج بھی ایسی تفسیروں کو عوام تک پہنچانے کا نام خدمتِ دین رکھتی ہیں - ہماری نگاہ میں تو یہ کھلی عداوتِ دین ہے - حکیم وہ ہے جو مریض کے مزاج کو ملحوظ رکھ کر نسخہ لکھے - ہر دور ایک خاص رنگ ' ایک مزاج ' ایک فکری سانچہ ' ایک نفسیات رکھتا ہے - اگر مقصود صرف تجارت اور اظہارِ علمیت نہیں تو علومِ دینیہ کی تبلیغ و تعلیم میں یہ التزام بہر حال ناگزیر ہے کہ ان کو پیش کرنے کا ڈھنگ ایسا ہو جو مخاطبین کے ذہن و قلب کو اپیل کر سکے - جو عصری تقاضوں کی جائز پاسداری سے گریزاں نہ ہو - جس سے بیزاری کی وحشت کے عوض اُنس و دل بستگی پیدا ہو - تھا ایک دور جب دلچسپ روایتیں اور قصہ کہانیاں بھی تعلیم و تفہیم کا فائدہ دیتی تھیں ' لیکن آج اس کی کوئی گنجائش نہیں - آج تو پچھلے مفسرین کی تمام کنج کاویوں کو بلا انتخاب اور بلا نقد و نظر عوام کے آگے رکھ دینا مفسرین اور ائمہ دین کی تخفیف و تضحیک کا موجب ہوگا اور ہو رہا ہے - ہم نے ابھی " اسلام بیسویں صدی میں " کے تبصرے میں بے شک علمائے سلف کی حمایت اور انکی تخفیف کرنے والوں کی مخالفت کی ہے ' لیکن یقین بھی ہمیں بہت پہلے سے ہے کہ مفسرین و محدثین اور علمائے سلف سے بدگمانی اور استکراہ کی فضا پیدا کرنے میں مادہ پرستانہ فکر و تہذیب ہی تنہا ذمہ دار نہیں ہے ' بلکہ ایک عامل ہماری اپنی یہ کوتاہی بھی ہے کہ روایات کے بارے میں ہمارے اکثر علماء و فضلاء نے اپنے ذہن و مزاج کو اُن جائز حدوں تک بھی نہیں بدلا جن کی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں ہے - حکمت مومن کی متاع ہے - قرآن بار بار اس کی اہمیت نمایاں کرتا ہے - سچ تو اگر خدمتِ دین کرنی ہے تو اپنے دور کے ذہنِ عام میں اُتر کر دیکھو وہ کس انداز میں سوچتا ہے - وہ کن بنیادوں پہ کسی شئے کو رد اور کسی کو قبول کرتا ہے - وہ کن مؤثرات سے سُدھرا اور کن سے بگڑ سکتا ہے - بے عقلوں کی طرح لگی بندھی ڈگر پر چلتے رہنا اور علمائے سلف کے سرمایۂ علم و فن کو احتساب و انتخاب کے بغیر پیش کرتے رہنا اُس حکمت و تدبر سے انکار ہے جس کے بغیر انسان اور حیوان میں بہت کم فرق رہ جاتا ہے

اس طرح کی تفسیروں کا ـــ جیسی کہ معالم التنزیل ہے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ مطالب قرآنیہ کے بارے میں اذعان و یقین کا اضافہ کرنے کے عوض رہے سہے یقین و اطمینان کی بھی چولیں ڈھیلی کر دیتی ہیں - مثلاً ایک عام مسلمان بھی اس بارے میں تو مطمئن ہی ہے کہ الذین یؤمنون بالغیب کے تحت جنت دوزخ ' قیامت ' ملائکہ جیسی اَن دیکھی چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے - لیکن معالم التنزیل یہ بھی اطلاع دیتی ہے کہ :-

" بعض حضرات نے غیب سے مراد صرف حضرت حق جل مجدہٗ سمجھا ہے - بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو قرآن کریم کو اس کا مدلول بتاتے ہیں " صفحہ ۳۵

ہر اس قول کو بیان کر دینا جو کسی صاحب نے کیا ہو اضافۂ معلومات تو بے شک کہلائے گا لیکن عوام کے لئے اسکا تاثر اس کے سوا کیا ہوگا کہ قرآن کے کسی بھی لفظ کسی بھی اصطلاح کا مفہوم معین نہیں ہے حتٰی کہ " غیب " جیسا لفظ بھی جس کا مفہوم خود قرآنی آیتوں نے بے کم و کاست معین کر دیا ہے

اس کا تحمل ہے کہ لوگ اس میں قیاسات کے تیر چلائیں اور ان کے اس تعقل کی تحسین یا یں طور کی جائے کہ تفسیر آئی کی تفسیروں میں ان کا تذکرہ برابر کیا جاتا رہے۔

یا مثلاً عامۃ المسلمین اس بارے میں کسی الجھن کا شکار نہیں کہ آدم و حوا علیہما السلام شیطان کے بہکانے میں آ گئے تھے اور یہ بھی انھیں یقین ہے کہ وہ ام الخبائث جو انسان کے ہوش و حواس کا تیا پانچا کر دیتی ہے وہ دنیا ہی کی ناپاک چیزوں میں سے ایک چیز ہے۔ جنت کی شراب اس نشہ کی حامل نہیں ہو سکتی جو ناپاکی اور حرمت کا سبب واحد ہے۔

لیکن معالم التنزیل کا یہ بیان دیکھئے :-

"حضرت سعید بن المسیب قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ آدم نے حواس و ہوش میں پھل نہیں کھایا بلکہ حوا نے پہلے انھیں شراب پلا دی کہ حضرت آدمؑ بے ہوش ہو گئے۔ اس بیہوشی میں انھیں درخت تک لے گئیں اور پھل آدم نے کھا لیا" ص۶۲

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم و حوا جنت میں بھی شراب سے شغل کیا کرتے تھے اور یہ بعینہٖ وہی شراب تھی جو ہوش و حواس معطل کر دیتی ہے۔ پھر اس کا پینا پلانا جائز بھی تھا۔ کیونکہ اس کی حرمت کا کوئی ذکر قرآن و سنت میں نہیں ہے نہ آدم و حوا کو اس کے سلسلہ میں کوئی سزا دی گئی۔

دوسری بات اس سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا کا قانونِ الٰہی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ہوش و حواس کے کامل تعطل کی حالت میں بھی انسان جو کچھ کرے گا اس پر سزا و جزا کا انطباق بالکل اسی طرح ہو گا جس طرح حالتِ ہوش میں قصد و ارادے کے ساتھ کیے جانے والے افعال پر ہوتا ہے۔

تیسری بات اس سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ ابن المسیب جیسے مکرم حضرات بھی قسم کھانے کے معاملے میں محتاط نہ تھے۔ ظاہر ہے یہ بات محض اندازے ہی سے نکالی گئی کہ حضرت آدمؑ نے بے ہوشی میں نافرمانی کی۔ یا پھر اس کا منبع کوئی بے تہہ روایت ہو سکتی ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں قسم کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اگر پھر بھی ایک برگزیدہ عالم قسم کھاتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ جزم و احتیاط انھیں چھو کر نہیں گیا تھا۔ خوفِ خدا کا ان میں نام نہیں تھا۔ پناہ بخدا۔

---

یہ اچھی بات ہے کہ متنِ قرآن کی تصحیح ذمہ داری سے کی گئی لیکن تفسیر کے ذیل میں آیات کے جو ٹکڑے آئے ہیں ان میں فاحش غلطیاں ہیں۔ جیسے واخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور (ص۱۷)

یا۔ فازلھما الشیطن عنھما (ص۱۱) مُجُود و مُجَد کو ہر جگہ مَجُود و مجاد لکھا گیا ہے۔

حاصل تبصرہ یہ ہے کہ معالم التنزیل کو بایں انداز اُردو میں منتقل کرنا اور عوام کے ہاتھوں پہنچانا کسی بھی معنی میں خدمتِ دین نہیں ہے بلکہ سلف صالحین کی عظمت و منزلت کی لرزہ بر اندام بنیادوں کو دھکا لگانے کے مرادف ہے۔ اگر یہ کام کرنا ہی ہے تو بیدار ذہن اور پختہ کار مترجم کی خدمات حاصل کرنی چاہئیں جو زمانے کی نفسیات کو بھی سمجھتا ہو، منجھی ہوئی زبان بھی لکھ سکتا ہو، کھرے اور کھوٹے کی بھی نہ صرف تمیز کر سکے بلکہ لومتِ لائم سے بے خوف ہو کر بات کہنے کی ہمت بھی رکھتا ہو، جسے فنِ روایت میں درک ہو اور خزف ریزوں کو موتیوں سے جدا کر کے دکھا سکتا ہو۔

یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا وہ حصہ جو کتبی نوع کا ہے خطِ فاصل دیکر علیحدہ لکھا جائے تاکہ سوا سو روپے والے عوام اسے پڑھنے اور پڑھ کر جھک ہونے پر مجبور نہ ہوں۔

ویسے ہمیں امید نہیں ہے کہ دیوبند کی خاص فضا میں کوئی عالم ان صلاحیتوں کا حامل مل سکے۔ ملے گا تو محنت کا معاوضہ اتنا مانگے گا کہ ناشر دے نہیں سکتے۔ دیدیا تو نکو بننے کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے کیونکہ یہاں ایسے گستاخوں کیلئے کوئی جگہ نہیں جو بزرگوں کو محفوظ عن الخطا نہ سمجھیں۔

---

## اسلام ایک نظر میں

مصنفہ: مولانا صدرالدین اصلاحی
شائع کردہ:- مرکزی مکتبہ
جماعت اسلامی ہند۔ دہلی ۶۔
صفحات ۳۲۰۔ قیمت ڈھائی روپے۔

---

مولانا صدرالدین ایک جانے پہچانے اسلام پسند مصنف ہیں جن کی متعدد تصانیف اہل نظر سے اپنی اہمیت منوا چکی ہیں، لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ زیر تبصرہ کتاب ان کے اب تک کے تمام قلم پاروں میں شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ اسے ہم نے بڑی دلچسپی سے پڑھا اور پڑھنے کے بعد جو تاثر پیدا ہوا اُس کو تمثیل کی زبان میں یوں سمجھئے کہ یہ ایک ایسی عمارت ہے جس کی بنیادیں بھی مضبوط جس کی دیواریں بھی پائدار، جس کے بام و در بھی منقش اور جس کے نقش و نگار بھی فردوسِ نظر ہیں۔ الف سے لیکر یا تک نور ہی نور، حسن ہی حسن۔ استدلال قوی، اسلوب فصیح و بلیغ۔ انشاء میں رچاؤ اور گیرائی، پرواز میں بانکپن، زبان شیریں، فقرے جامع۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ لفظی التزام کے اعتبار سے فاضل مصنف کی زبان قانونی انداز کی جامعیت اور متانت رکھتی ہے، لیکن اس میں قانونی زبان والی یبوست اور سنگینی نہیں، بلکہ ایمان کے سوز و گداز اور جذبے کی ترنم آمیز نے اسے بڑا دلکش، بڑا اثر انگیز اور روح پرور بنا دیا ہے۔ فصول ابواب کا دروبست اور ترتیب کا حسن بھی سلیقے اور خوش اسلوبی کا مظہر ہے۔ قدم قدم پر آیات و احادیث کے حوالوں نے اگرچہ کتاب کو علم و متانت کے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا ہے، لیکن کمال ہے کہ رعنائی بیان اور روانی و شگفتگی میں بالکل بھی فرق نہیں آیا۔

فاضل مصنف نے پہلے "اسلام" کے معنی و مفہوم پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد بنیادی عقائد کو بڑے دلپذیر طرز میں زیب قرطاس کیا ہے۔ عقائد کے بعد اعمال کا نمبر ہے۔ اس سے فارغ ہو کر ارکان اسلام پر ایک مجموعی نظر ڈالی گئی ہے۔ دین و سیاست، شریعت و عبادت، اسلام اور دیگر مذاہب، امتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں اور اسلام کی دنیوی برکتوں کے عنوانات پر جس اصابتِ فکر اور زندہ ضمیری کے ساتھ مصنف نے قلم اٹھایا ہے حق یہ ہے کہ انھی کا حصہ ہے۔ تذکیر بھی اور استدلال بھی عقل اور جذبے کی حسین آمیزش۔ لاگ لپیٹ، اگر مگر کچھ نہیں۔ صاف اور بے لاگ باتیں۔ دلائل نکھرے ہوئے، پیرائہ ترشا ہوا، ہر لفظ کے سینے میں ایمان کا دل دھڑکتا ہوا۔ سچی بات ہے یہ کتاب لکھکر مصنف نے ایک نہایت قیمتی تحفہ ملتِ اسلامیہ کو دیا ہے اور اسلام کے یکجائی تعارف کا کام دینے والی دیگر کتب کی صف میں یہ کتاب منفرد اور ممتاز تر سمجھی جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ بلکہ اس لحاظ سے تو یہ بے نظیر ہی سمجھی جانی چاہیئے کہ دین اور سیاست کے جس رشتے کو عام طور پر تاویلات باردہ کا ہدف بنا لیا گیا ہے اور اچھے اچھے اہل علم بھی جسکے بارے میں فکری الجھاؤ سے نہیں بچ سکے ہیں اس کے مالہٗ و ماعلیہ کو مولانا صدرالدین نے پوری جرأت اور پورے اعتماد و اطمینان کے ساتھ کھول کر بیان کر دیا ہے فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

---

اس جائز تعریف کے بعد ہم ان مقامات کا بھی ذکر کرتے ہیں جہاں ہمیں کھٹکنا پڑا یا جہاں ہماری عقل کوتاہ کو بات سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔

ایمان باللہ کے ذیل میں بنیادی صفاتِ باری کا ذکر کرتے ہوئے مجازی کا اسم صفت کچھ بیگانہ سا محسوس ہوا۔ معناً بلا ریب درست ہے، لیکن دیگر صفات کے لئے جب معروف اسمائے حسنہ ہی استعمال کئے گئے ہیں تو بدلہ دینے کا وصف بھی کسی ایسے ہی نام سے ظاہر کرنا اولیٰ ہوتا جو اسمائے حسنہ کی معروف فہرست میں شامل ہو۔

صفحہ ۳۰ پر:-

"اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جو اپنے اندر معبودیت کی شان رکھتا ہو جو پوجے جانے کا مستحق ہو، جس کی رضا چاہی جائے۔ کوئی اور نہیں جو اس لائق ہو کہ اس کے آگے پیشانیاں جھکیں، نذریں

پیش کی جائیں اعتراف نعمت کیا جائے . . ."

بات سولہ آنے ٹھیک ہے "لیکن نذریں پیش کیجائیں" کے الفاظ محل غور ہیں۔ نذریں ماننا اور بات ہے اور پیش کرنا اور۔ نذر اللہ کے سوا کسی کی نہیں ماننی چاہئے بجا لیکن غیر اللہ کو نذریں پیش ضرور کی جا سکتی ہے۔ مرید پیر کو، شاگرد استاد کو، ارباب استطاعت علماء کو جو مال یا سامان از راہ عقیدت پیش کرتے ہیں وہ بھی محاورے میں نذر پیش کرنا ہی کہلاتا ہے اور اس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔ مقصود مصنف کا فی الاصل نذر ماننے ہی کی حرمت ہے لیکن فقرہ جامع و مانع نہیں رہا ہے۔

شرک کی تیسری قسم کے بیان میں یہ جو کہا گیا کہ:۔

"مثلاً صفات الٰہی کا ایک تقاضا یہ ہے کہ حقیقی اطاعت اور محبت صرف اللہ کا حق ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی اور سے بھی ایسی ہی محبت اور عقیدت رکھے یا اسی طرح کی اطاعت کا اسے مستحق قرار دے لے تو یہ صفات الٰہی کے تقاضوں میں غیر اللہ کو شریک ٹھیرانا ہوگا" (ص ۳۳)

اطاعت کی حد تک بات صد فی صد درست ہے۔ لیکن "محبت" کا معاملہ ذرا اُلجھا ہوا ہے۔ جس نوع کے محسوسات کے لئے "محبت" کا لفظ اُردو میں بولا جاتا ہے اس نوع کے محسوسات تو ذاتِ باری کے لئے خال خال ہی پائے جا سکتے ہیں۔ ہم میں سے کون ہے جو ایمانداری کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکے کہ اسے اولاد و ازواج اور احباب و اعزا سے کہیں بڑھ کر اللہ سے محبت ہے۔ تو کیا ہم سب گرفتارِ شرک ہیں۔ ہمارا ناچیز خیال یہ ہے کہ اللہ کے معاملہ میں لفظ محبت کم سے کم اُردو میں اُس مفہوم و مراد کے ساتھ بولا ہی نہیں جا سکتا جس کے ساتھ یہ غیر اللہ کے معاملہ میں بولا جاتا ہے۔ غیر اللہ میں اللہ کے آخری رسول ﷺ بھی شامل ہیں اور بے شک ان کی محبت لازمۂ ایمان ہے۔ اسی کا نام اللہ کی محبت بھی ہے لیکن براہ راست اللہ کی محبت بڑا گہرا فلسفہ ہے جس تک عوام کا ذہن نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا محتاط طریقہ یہی ہوگا کہ شرک و توحید کی بحث میں "اطاعت" کے لفظ پر قناعت کی جائے۔ اطاعت خالصتہً خوف ہی کے تحت ہو تب بھی مقصود اصلی حاصل ہو ہی جاتا ہے۔

صفحہ ۳۵ پر ذکر مومنوں کا ہو رہا ہے۔ جنھوں نے نیک عمل کئے انھیں جنت ملے گی اور جن کا اعمالنامہ برائیوں سے پُر ہو گیا انھیں ایک ایسی جگہ دی جائے گی:۔

"جو ناقابل بیان تکلیفوں اور اذیتوں کی جگہ ہوگی ایسی تکلیفوں اور اذیتوں کی جگہ جو کبھی ختم ہونے والی نہ ہوں گی ــــ اس جگہ کا نام جہنم ہے"

خط کشیدہ الفاظ نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ یہ تو اُن غیر مومنین کے لئے موزوں ہوتے جن کی تقدیر خلود فی النار ہے۔ مومن کتنا ہی بدکار ہو لیکن سزا بھگت کر آخر کار اسے جنت میں جانا ہے۔ یہی عقیدہ خود مصنف کا بھی ہے لیکن یہ الفاظ اس کا ساتھ نہیں دیتے۔

ہو سکتا ہے کوئی کہدے کہ ذکر مومنوں کا نہیں جملہ انسانوں کا ہو رہا ہے اور اس عبارت کا روئے سخن کافروں کی طرف ہے۔ لیکن یہ عذر معقول نہ ہوگا۔ کیونکہ اعمال کے محاسبے کا ذکر جہاں ہو رہا ہو وہاں مومن ہی موضوع ذہنی ہو سکتے ہیں۔ کافروں کا تو کفر ہی اکیلا وہ جرم ہے جس کے بعد جہنم رسید ہونا اعمال کے محاسبہ پر موقوف نہیں رہ جاتا۔

رسالت کی بحث میں سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت دی گئی ہے:۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ــــ ہمیں حیرت ہوئی کہ اس میں رُوح کا ترجمہ "وحی" اس طرح کیا گیا ہے گویا اس میں دو رائے کی گنجائش نہیں۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ قرآن میں لفظ "روح" وحی کے معنی بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ (النحل) یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ (المومن) اور قرآن یا فرشتے کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ

رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔

لیکن یہ طریقہ غیر علمی ہوگا کہ جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہو سیاق وسباق اور شانِ نزول پر نظر کئے بغیر "وحی" کے معنی میں لے لیا جائے۔ مثلاً وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (النساء) یا۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا یا۔ فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (انبیاء) میں روح سے وحی مراد لینا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ کے بارے میں غور کی ضرورت ہے۔ بخاری ومسلم کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سوال اللہ کے رسولؐ سے یہودیوں نے کیا تھا اور ان کی مراد "وحی" نہیں تھی، بلکہ وہ "روح" تھی جو اجسام کو زندہ ومتحرک رکھتی ہے۔ خود وہ جواب بھی جو اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے بتا رہا ہے کہ سوال وحی کے بارے میں نہیں تھا۔ وحی کا معاملہ تو بالکل صاف ہے کہ وہ اللہ کے اُن احکام و ہدایات کا نام ہے جو انبیاء کے پاس فرشتوں کے ذریعے بھیجے جاتے رہے ہیں۔ ہاں "روح" بے شک ایک سرِّ نہاں ہے' ایک راز ہے جس کی حقیقت کا علم کسی کو نہیں دیا گیا حتیٰ کہ انبیاءؑ بھی اسکے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکے کہ وہ اَمرِ ربّی ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی وضاحت پسند نہیں فرمائی۔ شارحین لکھتے ہیں کہ خود توریت میں یہ تنبیہ موجود ہے کہ روح وہ شے ہے جس کی حقیقت پر اللہ نے کسی بندے کو مطلع نہیں کیا۔ چنانچہ یہود نے سوال ہی اس ذہن سے کیا تھا کہ اگر محمدؐ نے روح کی حقیقت بیان کرنی شروع کردی تو ثابت ہوجائیگا کہ وہ نبی نہیں ہیں کیونکہ نبی اٹکل پچو کچھ نہیں کہتا اور جس شے کی حقیقت سب سے مخفی ہو اس کی تبیین وتفسیر اٹکل پچو ہی کی جاسکتی ہے۔ یا پھر یہود کا مقصود ان لاحاصل بحثوں میں وقت برباد کرنا ہو کہ روح مجرد ہے یا مادی۔ مرکب ہے یا بسیط۔ جوہر ہے یا عرض۔ وغیرہ ذٰلک۔

مختصر یہ کہ ہمارے خیالِ ناقص میں یہاں روح سے مراد وحی نہیں ہے۔ تاہم اگر اس کی گنجائش ہو بھی تو بہر حال یہ تو نامناسب ہی ہوگا کہ ایسے فیصلہ کن انداز میں روح مراد لے لی جائے گویا یہ طے شدہ مراد ہے۔ نہ اس مراد سے کسی دعوے پر استدلال موزوں رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

نماز اور زکوٰۃ کی فصول میں کہیں کہیں اندازِ بیان کچھ ایسا ہے جو غلط فہمی پیدا کرسکتا ہے۔

مثلاً۔ "یہ ممکن نہیں کہ دل میں ایمان تو ہو مگر سر میں رکوع اور سجدے کی تڑپ نہ ہو۔" (صـــــ)

نیز۔ "جہاں ایمان ہو وہاں نماز ضرور ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ جہاں سورج نکلا ہو وہاں روشنی اور گرمی ضرور ہوتی ہے۔"

پھر وہ حدیثیں بیان کی گئی ہیں جن کا اُبھرا ہوا مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ نماز کفر وشرک کی علامتِ لازمہ اور ایمان سے تہی دامن ہونے کی دلیلِ محکم ہے۔

آگے زکوٰۃ کے سلسلہ میں بھی اندازِ گفتگو کچھ ایسا ہی ہے جیسے تارکِ زکوٰۃ کا ایمان واسلام ہی قابلِ تسلیم نہ ہو۔ ہماری رائے میں اس اندازِ گفتگو پر مصنف کو ایک بار اور نظر ڈال لینی چاہیے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تذکیر وتنبیہ کے لئے نماز وزکوٰۃ پر زیادہ سے زیادہ زور دینا اچھی بات ہے اور اللہ و رسولؐ نے بھی ان دونوں پر بڑا زور دیا ہے۔ لیکن یہ کتاب خالی وعظ ونصیحت کی نہیں ہے، بلکہ عقائد کی ہے اور عقائد آئینی نوعیت رکھتے ہیں۔ آئینی زبان میں لفظی دروبست ویسا ہی جامع ومانع اور غیر مبہم ہونا چاہیئے جیسا کہ اس پوری کتاب میں پایا جاتا ہے۔

ایمان اور عمل میں سورج اور روشنی کی نسبت نہیں ہے تخم اور درخت کا تعلق ہے۔ تخم اسی لئے ہے کہ اس سے درخت نکلے۔ لیکن زمین بنجر ہو یا آبیاری پر توجہ نہ دی جائے تو ضروری نہیں کہ درخت نکل ہی آئے۔ پھر بھی نفسِ تخم کے وجود سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ حقیقت کو نماز وزکوٰۃ کے ابواب میں اچھی طرح واضح کردینا چاہیئے کہ ایمان کا خاتمہ جحود وانکار کی صورت میں ہوتا ہے نہ کہ ترک وتساہل کی صورت میں۔ اس بات پر تو خود مصنف ہی نے زور دیا ہے کہ نماز وزکوٰۃ وغیرہ

کل دین نہیں ہیں اجزائے دین ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ کسی جزاور شعبے کے نہ پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کل شے ہی مفقود ہو۔ کفر تو صرف ایک سنتِ ثابتہ متواترہ ہی کے انکار سے لازم آجاتا ہے چہ جائیکہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے انکار سے لیکن خروج عن الایمان ہزار نمازوں کے ترک اور سالہا سال زکوٰۃ نہ دینے سے بھی لازم نہیں آتا۔

ہو سکتا ہے مصنف ذہنی طور پر ان علماء کی صف میں ہوں جنھوں نے بعض آیات و احادیث کے ظاہر سے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ بے نمازی کافر ہے اور اس کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیئے جو اہلِ کفر کے ساتھ ہوتا ہے۔ نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے نہ اس سے شادی بیاہ کے رشتے جوڑے جائیں وغیر ذلک۔

لیکن ایسا سوچنا بے حد غلط ہے۔ ایسا وہی سوچ سکتا ہے جو یا تو پورے قرآن اور ذخیرۂ سنت سے واقف ہی نہ ہو یا واقف ہو تو اجتہاد و تفقہ کی اونچی صلاحیت اور دینی بصیرت سے محروم ہو۔ فاضل مصنف کے بارے میں دونوں میں سے ایک بھی بات نہیں کہی جا سکتی۔

---

حج کے تذکرے میں الم ترکیف والے واقعے کا مختصراً ذکر آیا ہے۔ اس میں یہ فقرہ کھٹکا:۔

"ابرہہ کی فوجیں کعبے کو ڈھا دینے کے ارادے سے بڑھ آئی تھیں اور پھر پتھروں سے ہلاک کر دی گئی تھیں۔" (ص۱۳۵)

ویسے تو پتھروں کا لفظ کنکریوں پر بھی بولا جا سکتا ہے لیکن چونکہ بعض ایسے حضرات نے جنھیں یہ باور کرنے میں تکلف ہے کہ ننھی ننھی چڑیوں کی پھینکی ہوئی کنکریوں سے بھی کوئی لشکر تباہ ہو سکتا ہے دوسری نوع کی تاویلیں کی ہیں۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ کہیں مصنف بھی تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ کی کوئی ایسی ہی تاویل تو نہیں کرتے۔ پتھروں کا لفظ جو تصور دیتا ہے وہ یقیناً اس سے مختلف ہے جو پرندوں کے برسائے ہوئے سنگ پاروں کے بارے میں پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں تو فوج ابرہہ کی بربادی کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں معلوم کہ قادرِ مطلق نے پرندوں ہی کے ذریعہ اس پر خزف ریزے برسا دیئے تھے اور اس برسات کو کنکریوں ہی کی برسات کہنا موزوں ہوگا۔

صفحہ ۱۴۶ پر:۔

"ہر شخص جانتا ہے کہ ان تعلیمات میں بے شمار ایسی ہیں جن کا تعلق دنیا کی بھری زندگی سے ہے۔"

"دنیا کی بھری زندگی" شاید جدت ہے۔ بات محاورے کے دائرے میں آجاتی اگر "بھری پری" کہہ دیا جاتا۔

پوری کتاب میں احادیث پر بھی اعراب کا التزام کیا گیا ہے اور تصحیح قابلِ تعریف ہے۔ لیکن کیا اسے کتابت کی غلطی سمجھیں کہ صفحہ ۱۵۸ پر بخاری کی ایک حدیث میں اعراب یوں ہے:۔

حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوْرِثُهٗ۔

یُوْرِثُ تو لازم کا صیغہ ہے حالانکہ محل متعدی کا تھا۔ صحیح اعراب یوں ہونا چاہیئے۔ سَيُوَرِّثُهٗ (واؤ پر زبر اور راء پر تشدید)

جہاد کی بحث میں یہ فقرہ:۔

"جہاد ایک باقاعدہ نظامِ حکومت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔" (ص۲۱۰)

جامع مانع نہیں۔ اگرچہ جہاد کی پوری بحث پڑھنے کے بعد سارے پہلو منقح ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی یہ فقرہ اپنی جگہ کسی ایسے لفظ کا طالب ہے جو استثناء کا اشارہ دے سکے۔

ہمیں یہ بات بھی مزید غور و فکر کی مستحق نظر آتی ہے کہ:۔

"اسلامی ریاست کا حقِ شہریت ہر اس شخص کو حاصل ہوگا جو اسلام پر ایمان رکھتا ہو۔ اس طرح صرف وہی مسلمان اس ریاست کے شہری نہ ہوں گے جو اس کی حدود میں پیدا ہوئے ہوں بلکہ دنیا کے کسی بھی حصے کا رہنے والا مسلمان جیسے ہی اس ریاست میں آئے گا آپ سے آپ

اس کا شہری بن جائے گا (والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض)"[۲۸]

اگر دنیا میں صورتِ حال وہی پیدا ہو جائے جو اسلام کو مطلوب ہے یعنی تمام عالمِ اسلامی کا ایک ہی خلیفہ ہو جائے تو تب بھی اس بیان فرمودہ قانون کی قطعیت میں شک ہے چہ جائیکہ وہ صورتِ حال ہو جو خلافتِ راشدہ کے کچھ عرصے بعد ہی پیدا ہو گئی تھی اور آج بھی موجود ہے کہ مختلف مسلم حکومتوں کے الگ الگ سربراہ ہیں۔ ہم خلافتِ راشدہ کی تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہؓ کو مدینے میں روکے رکھا اور آخر دم تک اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ جہاں چاہیے جاتے پھریں جہاں چاہے اقامت گزیں ہو جائیں اس بارے میں حضرت عمرؓ کے جو الفاظ تاریخ میں منقول ہیں وہ بھی حکم ہی کے تیور رکھتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی فرد یا گروہ کو کسی خاص علاقے میں روکے رکھنا اگر ملک و ملت کے مفاد میں ہو تو خلیفہ اس کا مجاز ہے۔ اور جب اس کا مجاز ہے تو وہ اس بات کا مجاز تو بدرجۂ اولیٰ ہوگا کہ ملک و ملت کے مفاد اور سیاسی و عمرانی مصالح کے پیشِ نظر اگر اس کے زیرِ نگیں ممالک کے مابین پاسپورٹ کی پابندی ضروری ہو اور ایک ملک کے شہریوں کا دوسرے ملک میں آزادانہ جانا اسٹیٹ کے اقتصادی یا معاشرتی کسی بھی نوع کے مفاد پر اثر انداز ہوتا ہو تو وہ کچھ آئینی پابندیاں عائد کر دے۔

جو آیت بطور استدلال پیش کی گئی ہے وہ فی الحقیقت اس طرح کے آئینی و سیاسی اُمور سے کوئی تعلق نہیں رکھتی مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو ترکہ چار حقیقی بھائیوں کو مل رہا ہے اس میں برابری کی شرکت کے لئے ہر مسلمان اس دلیل کے سہارے دوڑ پڑے کہ ہم بھی تو تمہارے بھائی ہیں یا ہر مسلمان کی لڑکی دوسرے مسلمان کے لئے محرم قرار پائے کیونکہ بھتیجی کو قرآن نے محرم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے آیت مستدلہ میں مجاز کا پیرایہ ہے اور یہی مجاز حدیث رسول میں یہاں تک پھیل گیا ہے کہ تمام ہی انسانوں کو باہم گر بھائی بھائی فرمایا گیا۔ تو اس طرح کی تعبیریں اُصول و آئین میں ہرگز دخل انداز نہیں ہو سکتیں اگر متعدد ممالک ایک خلیفہ کے زیرِ انتظام ہوں تو گوناگوں مصالح اس بات کے متقاضی ہو سکتے ہیں کہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے اور وہاں کا شہری بننے پر کچھ نہ کچھ پابندیاں عائد کی جائیں۔ آخر بھائیوں میں بھی تو دشمنی، منافرت، کشمکش ہوتی ہے۔ خلیفہ اور اس کے مشیر اس بات کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں کہ ان کے کچھ بھائی ازراہِ فساد بھی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جا سکتے ہیں۔

حاصل یہ کہ حقِ شہریت کی اس درجہ مطلق آزادی کو اسلام کی ایک آئینی دفعہ کی حیثیت سے پیش کرنا ہمارے ناچیز رائے میں غور طلب ہے۔

صفحہ ۲۵۲ پر ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا کا ترجمہ:۔

"اس نے پہلے سے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اور اسی خصوص میں رکھا ہے۔"

نیا سا معلوم ہوا۔ مفسرین تو عام طور پر ھٰذا کا مصداق قرآن مانتے ہیں اور ھو کا اشارہ چاہے حضرت ابراہیمؑ کی طرف ہو چاہے باری تعالیٰ کی طرف دونوں صورتوں میں قرآن کو مصداق ٹھیرانا غیر موزوں نہیں۔ چونکہ قرآن میں بھی حضرت ابراہیمؑ کی دعا رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ موجود ہے اس لئے ھُوَ کا مشار الیہ حضرت ابراہیمؑ کو ماننے کے بعد بھی ھٰذا کا مصداق قرآن مان لینے میں استبعاد نہیں رہتا۔ اس نکتہ کو عام قارئین شاید نہ سمجھیں لیکن حضرت مصنف کو اس پر نگاہ فرمانی چاہئے۔ فی ھٰذا سے یہ مراد لینا کہ "اسی خصوص میں رکھا ہے" مغلق و مجمل سی بات ہے۔

آگے ایک سے زائد جگہ "اسلحوں" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ کیا حرج تھا اگر "اسلحہ" پر اکتفا کیا جاتا۔

اُردو طریق پر جمع الجمع بے مزا سی معلوم ہوئی۔

"مسلح جہاد" کے زیرِ عنوان کہا گیا ہے :-

"نماز کے سوا کوئی اور عمل اتنا محبوب نہیں ہے" ص۲۸۹

لیکن بعد کی تمام توضیحات ثابت کرتی ہیں کہ نماز کا استثناء درست نہیں۔ صحیح بھی یہی ہے کہ جہاد بالسیف بلا استثناء ہر عبادت سے بڑھ کر ہے۔ اُن احادیث کے علاوہ جن کا ذکر مصنف نے کیا بہت بڑی دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے جہاد کی خاطر کئی وقت کی فرض نمازیں قضا کر دیں، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نماز کی خاطر جہاد قضا کر دیا ہو۔

صفحہ ۲۹۷ پر اس جملے نے چونکا دیا۔

"جہاں ضرورت نے اسے بیکار اور غیر ضروری شرطوں نے ہری جھنڈی دکھادی۔"

معلوم نہیں ژرف نگار مصنف نے یہ ہری جھنڈی کا شوخی اور مزاح ملا ہوا محاورہ کیسے استعمال کر ڈالا جبکہ پوری کتاب کی زبان متانت کی بلند سطح اور ثقہ مزاج رکھتی ہے

---

ان معروضات کے بعد ہم اعراب کی غلطیاں بھی سپردِ قلم کرتے ہیں۔ اس سے اعتراض مقصود نہیں، بلکہ چونکہ تصحیح کا عمدہ اہتمام کیا گیا ہے اس لئے زیر زبر کی معدودے چند غلطیاں بھی اگلے ایڈیشن کے لئے پلیٹوں میں درست کر لی جائیں تو بہتر ہوگا۔

صفحہ ۹۸ پر سورۂ مومنون کی آیت کا نمبر غلط ہے۔ ۶۲ کی جگہ ۷۱ بنا لینا چاہیئے۔ بعض صفحات بھی الٹ پلٹ لگ گئے ہیں۔

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۷۴ | ۵ | مُعَرِضُوْن | مُعْرِضُوْن | (قرآن) |
| ۱۸۰ | ۱۱ | اَلْخَنْزِیْر | اَلْخِنْزِیْر | (حدیث) |
| ۲۲۴ | ۸ | وِسَعَۃ | وَسِعَۃ | (حدیث) |
| ۲۶۳ | ۱ | اَیْضًا | اِیْضًا | (حدیث) |
| ۲۶۵ | ۱ | وَاَنَّہٗ | وَاِنَّہٗ | (قرآن) |
| ۲۶۵ | ۳ | اِئْتَمِرُوْا | اِئْتَمَرُوْا | (حدیث) |
| ۲۶۶ | ۵ | وَنُصُوْا | وَنَصَحُوْا | (قرآن) |
| ۲۷۵ | ۱۰ | بَعَثَنِی | بَعَثَنِیْ | (حدیث) |
| ۲۹۶ | ۲ | اِنَّا قَتَلْتُمْ | اَنَّا قَتَلْتُمْ وَیلَہٗ | (قرآن) |

تبصرے کا لب لباب یہ ہے کہ "اسلام ایک نظر میں" ہر مسلمان کو پڑھنی چاہیئے۔ عوام ہی نہیں بہت سے خواص بھی بعض اُن عقائد و تصورات کے بارے میں صاف ذہن نہیں رکھتے جن کی دل نشیں تنقیح و تصریح اس بیش بہا کتاب میں کی گئی ہے۔ قیمت بھی کم ہے۔ اتنے صفحات کی کتاب آج کے بازار میں عموماً ساڑھے تین کی ملتی ہے۔ مکتبہ تجلی کی "بدعت کیا ہے" اتنے ہی صفحات کی ہے مگر اس کی بھی قیمت تین نہیں ڈھائی ہے۔

---

## پس چہ باید کرد؟

جماعت اسلامی ہند کے امیر جناب مولانا ابواللیث اصلاحی کا یہ فکر پارہ چوبیس صفحات کے پمفلٹ کی صورت میں مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند نے شائع کیا ہے۔ وقت کی اہم ترچیز ہے۔ مسلمان کیا کریں؟ یہ سوال ایک اژدر کی طرح گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جبڑے پھیلائے کھڑا ہے ـــ جوابات بہت دیئے گئے لیکن "اونٹ کی داڑھ میں زیرہ" کے مصداق یہ اس دیو پیکر اژدر کے معدے میں اُتر کر تحلیل ہو گئے اور اس کے کھلے ہوئے جبڑوں سے برابر ھل من مزید کی پرشور صدا بلند ہو رہی ہے۔

مولانا ابواللیث کا جواب فکری پاکیزگی کے اعتبار سے یقیناً پرکشش ہے اور مسرت کی بات ہے کہ خالص مومنانہ زاویۂ نظر سے غور و فکر کرنے والے ابھی خاکدانِ بھارت میں نہ صرف زندہ ہیں، بلکہ اپنی زندگی کا ثبوت بھی دے رہے ہیں، لیکن عملی نقطۂ نظر سے تو یہ جواب بھی بجائے خود گوناگوں سوالوں کا مصدر و منبع نظر آتا ہے اور مولانا خود بھی اسے سوال ہی کے پیرا ذہن میں پیش کر رہے ہیں۔

انھوں نے مسائل حاضرہ کا جائزہ جس مبصرانہ انداز میں لیا ہے وہ بحیثیت مجموعی لائق تعریف ہے اور ان کا قلم

حقیقت ہی جب اپنی انداز سے ہٹ کر رکھاؤ اور اگر علمی فکر انگیز تکنیک کو ملحوظ رکھتا ہے اس کی افادیت سے انکار ممکن نہیں لیکن بعض مقامات پر وہ اتنے گہرے چلے گئے ہیں کہ ہماری کوتاہ بصیرت ان کا ساتھ نہیں دے سکی۔

مثلاً وہ نیشنلزم کے زیر عنوان فرماتے ہیں:۔

"نیشنلزم اپنی سادہ شکل میں چنداں معیوب چیز نہیں ہے اور نہ اس سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔" (ص ۱۲)

ہماری محدود عقل اب تک سمجھتی رہی ہے کہ "نیشنلزم" دنیا کے اُن چند زہروں میں سے ایک قاتل زہر ہے جس کے خمیر ہی میں سمیّت کے لاینفک اجزاء شامل ہیں۔ "نیشنلزم" اپنی وضع ہی کے اعتبار سے ایک ایسے تعصب کا مفہوم رکھتا ہے جو انسانیت کی آفاقی حیثیت کا کھلا منکر ہے۔ اسکی سادہ شکل کونسی ہے یا ہو سکتی ہے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

"بلکہ اگر اس کو (نیشنلزم کو) اس معنی میں لیا جائے کہ وطن کے ہر باشندے کو اپنے وطن سے محبت ہونی چاہئیے تو مسلمان اس میں کسی سے پیچھے نہیں رہ سکتا کیونکہ کس کو اپنے ملک سے محبت نہیں ہوتی اور اسلام اس سے روکتا نہیں، بلکہ اس کو پسند کرتا ہے اور اس معنی میں نیشنل ازم مسلمانوں کیلئے خطرناک ہونے کے بجائے ان کے حق میں مفید ہی ہو سکتا ہے۔"

ہمارے خیال میں یہ بہت سادہ سی حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی ازم محض ایک سیدھے سادے مجرد خیال سے عبارت نہیں ہوا کرتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئیے کہ محض ایک یا دو چار بسیط و مجرد نوع کے خیالات و احساسات کو کبھی کسی نے "ازم" کا نام نہیں دیا۔ ازم کا نام تو دیا ہی اُس وقت جاتا ہے جب کوئی خیال و تصور ایک مستقل فلسفے ایک فکری نظام ایک طویل الذیل نظریے کی شکل اختیار کرلیتا ہے نیشنلزم کا کوئی سادہ سے سادہ تصور بھی ان فاسد و کاسد لوازمات سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا جو اسلام کے آفاقی و انسانی نقطۂ نظر کی ضد ہیں۔

اور اپنے ملک سے محبت بیشک ناپسندیدہ شے نہیں ہے لیکن جن بنیادوں پر آج کی دنیا محبت کا سبق دے رہی ہے وہ اُن تصورات سے کوئی میل نہیں رکھتیں جن کے تعلق سے اسلام وطن کی محبت کو پسندیدہ قرار دیتا ہے لہٰذا نیشنل ازم کے وہ معنی کبھی نہیں نکل سکتے جنھیں مولانا نے بطور تمنا بیان کیا ہے:۔

"ہندوستانی معاشرے میں وسعت و رواداری کا جو عنصر پایا جاتا ہے اس کی بناء پر عام ہندوستانی ذہن، نسل و نسب اور جغرافیائی نسبت و تعلق سے گہرا لگاؤ رکھنے کے باوجود نیشنلزم کی کسی جارحانہ شکل اور خصوصیت کیساتھ اسکی فسطائیت پرستی شکل کو ہرگز گوارا نہیں کرسکتا۔" (ص ۱۲)

لیکن ہماری نظر میں ہندوستانی معاشرے میں رواداری و وسعت کا عنصر اُس ماضی کی بچی کھچی پونجی ہے جب قومی احساسات نے ازم کا جامہ نہیں پہنا تھا۔ جب سے دنیا نے ان احساسات کو ازم کے سانچے میں ڈھالا یہ عنصر کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے اور ایک ہی ملک کے مختلف صوبے بھی اس ازم کے فطری اثرات کی آماجگاہ بنتے جا رہے ہیں۔ جارحیت کو اگر محض مار کاٹ کے محدود معنی میں نہ لیا جائے تو ہمارے نزدیک نیشنلزم کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو غیر جارحانہ کہلائی جا سکے۔ ہاں غیر فسطائی بے شک ہو سکتی ہے مگر گہرائی میں جائیے تو غیر فسطائی فسطائی سے زیادہ خطرناک ہوگی۔ فسطائیت انسانی قلب و ضمیر کو دھوکا نہیں دیتی لیکن جب جارحیت اور قوم پرستی کو ظاہر فریب قوانین و اصطلاحات کا لباس پہنا کر غیر فسطائی بنا دیا جائے تو قلب و ضمیر بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں اور قومیں معصومیت کے ساتھ گمراہی کے وہ مراحل طے کر جاتی ہیں جو فسطائیت کے دور میں کبھی طے نہیں ہوا کرتے۔

خلاصہ یہ کہ نیشنل ازم پر مولانا کا اظہار خیال ہمارے خیالات کی سطح سے بلند رہا۔

یہ بات بھی بظاہر خوش فہمی ہی معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان میں شہادتِ حق کے ذریعہ اکثریت کو اس بات پر آمادہ کرنا آسان ہے کہ وہ اسلامی جمہوریت کا تجربہ کرکے دیکھے - مولانا کے الفاظ -

" اس لئے ملک کی اکثریت کو اس تجربہ پر آمادہ
کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے " ص۳۶

حسین آرزو کا ایک شاعرانہ مظہر تو ہو سکتے ہیں، لیکن حقائق ان کا ساتھ دیتے نظر نہیں آتے - حقائق تو یہ ہیں کہ ہمارے خوبصورت نظریات کے مقابلہ میں حریف نظریات کی قوت و شوکت اتنی زیادہ ہے کہ اس کا تناسب بھی بیان کرنا ریاضی کے بس کی بات نہیں اور یہ قوت و شوکت ہمیں اور ہمارے دین کو تسلسل، انتظام اور عزم کے ساتھ اُدھیڑنے میں مصروف ہے - ہم شہادتِ حق کہاں اور کیسے دیں گے جب کہ تیروں کی بوچھار میں ہمیں اپنا وجود ہی بچانا دشوار ہو رہا ہے - ہماری جمعیت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے اور ایک جماعتِ اسلامی کو چھوڑ کر کوئی بھی ٹولی اس پر آمادہ نہیں ہے کہ شہادتِ حق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہمت آزما وادیوں میں قدم رکھے - اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑتا - اگر ہم جڑ جائیں، ہماری اکثریت کسی ایک موقف پر متحد ہو جائے تب تو ممکن ہے کہ شہادتِ حق کی بھی راہیں نکل آئیں، لیکن بحالتِ موجودہ یہ صرف خواب ہے ایسا خواب جو تمناؤں کے گیسو سنوارتا ہے اور بس!

لیکن اس سے بہت خوشی ہوئی کہ مولانا نے الیکشن میں حصہ لینے کو اصولی اعتبار سے جائز مان لیا ہے - یہ الگ بات ہے کہ ان کی واضح فرمودہ متعدد وجوہ سے یہ شرکت فی الوقت مناسب نہ ہو یا اسے مناسب بنانے کیلئے بہت سے قیود و شرائط کی ضرورت ہو لیکن اصلاً اس کو مباح تسلیم کر لینا امید دلاتا ہے کہ دیر سویر اس پر عمل کی نوبت بھی آسکتی ہے اور جماعتِ اسلامی کے اونچے تصورات کو عملی دنیا میں اپنی قدر و قیمت منوانے کا موقع بھی مہیا ہو سکتا ہے -

حاصل یہ کہ مولانا ابو اللیث کا یہ پمفلٹ عام و خاص کے لئے غور و التفات کی ایک اہم چیز ہے جس کی بنیاد پر اگرچہ کوئی عملی جدوجہد فوری طور پر ممکن نہ ہو لیکن فکر و تعمق کے لئے اسے مہمیز کا درجہ ضرور حاصل ہے -

اس کی قیمت ۲۵ پیسے ہے اور ملنے کا پتہ ہے :-
مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند - سوئی والان - دہلی ۶

| | |
|---|---|
| (۱) آئینۂ قرآن<br>(۲) آئینۂ رسولؐ<br>(۳) آئینۂ ایمان | یہ تینوں کتابیں دارالاشاعت اسلامیہ (۸۷ کولوٹولا اسٹریٹ کلکتہ ۱) نے شائع کی ہیں - نمبر ۱ صفحات ۱۳۶ قیمت درج نہیں - |

نمبر ۲ صفحات ۱۲۸ قیمت ڈیڑھ روپیہ -
نمبر ۳ صفحات ۹۶ قیمت ایک روپیہ دو آنے -
کاغذ تینوں کا سفید ہے اور کتابت و طباعت بُری نہیں

(۱) آئینۂ قرآن میں ایک مختصر لیکن مفید مقدمے کے بعد مختلف عنوانوں کے تحت آیاتِ قرآنیہ مع ترجمہ درج کی گئی ہیں - اس کا فائدہ یہ ہے کہ عوام کو مختلف موضوعات پر چھٹی چھٹائی آیتیں آسانی سے مل جائیں اور وہ عمل کر سکیں - یہ اس کتاب کا اولو نمبر ہے اس لئے صرف مثبت احکام سے متعلق آیتیں دی گئی ہیں - اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائے -

یہ بات " اسراف " میں داخل محسوس ہوئی کہ بالکل ایک ہی مفہوم و منشاء کی اگر دو آیتیں بھی نقل ہوئی ہیں تو ہر ایک پر مستقلاً عنوان لگا یا گیا ہے - مناسب تھا کہ متعلقہ آیات پر ایک ہی عنوان لگایا جاتا - تکرارِ عنوان سے کاغذ کی بربادی کے سوا کیا حاصل ہے - جا بجا ہے کہ مثلاً عنوان دیا گیا " ترغیب جہاد " اور آیت کے دو لفظ دیئے گئے " وحرّض المومنین " - پھر فوراً ہی عنوان دیا گیا جہاد کی ترغیب اور دوسری آیت دی گئی یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اور اس سے قبل " جہاد کا حکم " عنوان قائم کرکے فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے الفاظ نقل کر دیئے گئے - یہ عنوانات کی کیسی فضول خرچی ہے -

متعدد عنوانات لفظاً بھی قابل اعتراض ہیں، مثلاً :-

"رسول اللہؐ اللہ کے نور ہیں۔"

یہ نہ صرف غلط بلکہ گمراہ کن ہے۔ خصوصاً جس ملک میں رسول اللہؐ کی غلو آمیز عقیدت عام ہو وہاں بلا تصریح ایسے عنوان شرک و زندقہ کے سوا کچھ نہ دیں گے۔

یا مثلاً عنوان ہے "قربت کا بہترین وقت" ص۱۱۱
اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ زن و شوہر کی مباشرت کے لئے جو اوقات شرعاً درست ہیں اُن میں کا بہترین وقت بیان کیا جائے گا۔ لیکن آیت وہ دی گئی جو یہ بتاتی ہے کہ حالتِ حیض میں مباشرت درست نہیں۔ جب عورتیں حیض سے فارغ ہو جائیں تو مباشرت کی جائے۔ بھلا اس آیت پر مذکورہ عنوان کیا معنی رکھتا ہے۔ حالتِ حیض میں تو قربت حرام ہے جب کہ "بہترین" کا لفظ حرام کے مقابلے میں نہیں بولا جاتا۔

"دو گواہ بناؤ" ص۹۳

اس عنوان سے اور اس کے ذیل میں دی ہوئی آیت وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ سے آخر کوئی کیا سمجھے گا کہ کس معاملہ میں دو گواہ بنانے کی ہدایت ہے۔ گواہی کا نصاب تمام ہی شرعی اُمور میں تنہا یہی نہیں ہے، اور جن اُمور میں یہی ہے ان میں بھی ایک گواہ کی جگہ دو عورتیں لے لیتی ہیں اگر دوسرا مرد گواہ نصیب نہ ہو۔ حواشی کے ذریعہ اس طرح کی چیزوں کو واضح کرنا چاہیئے تھا۔

"نیک چلنی کی اصلاح" ص۵۴

یہ بھلا کیا عنوان ہوا۔ زیرِ عنوان آیت سے یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ اصلاح کا الف کتابت کی غلطی ہو تاہم اگر ایسا ہی ہے تو "صلاح" بھی غلط ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ "صلاح" نہیں دیا کرتے حکم اور ہدایت دیتے ہیں۔

کچھ مقامات پر کتابت کی غلطیاں بھی نظر آئیں۔ مثلاً ص۱۲۴ پر وَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ چھپا ہے۔ حالانکہ صحیح السّٰجِدِینَ ہے۔ صفحہ ۹۰ پر جَاهِدُوا کو جَاهَدُوا لکھا گیا ہے۔

خیر کتابت کی معمولی غلطیاں تو ایسی کتاب میں زیادہ قابلِ اعتراض نہیں جس میں بہت ساری عربی ہی عربی ہو۔ لیکن عنوانات، تراجم اور انتخاب میں یہ ملحوظ رکھنے کی بہت ضرورت ہے کہ جن عوام کی خاطر کوئی کتاب چھاپی جا رہی ہے وہ کن الفاظ سے کیا تاثر لیں گے۔ تھوڑے بہت فوائد آیات کے ساتھ ضرور ہونے چاہئیں۔

اس کتاب کے مرتب جناب مولانا حکیم حفیظ اللہ صاحب ہیں۔

(۳) آئینۂ رسول میں زیادہ تر ایسی احادیث کا خالی ترجمہ پیش کیا گیا ہے جن کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے۔ کیا شک ہے کہ اس طرح کی کتابیں عوام کے لئے بڑی نافع ہیں اور سنن رسولؐ کے بغیر دین کا کوئی مفہوم ہی نہیں، لیکن ایسی کتابیں ترتیب دینا کافی بالغ نظری کا متقاضی ہے۔ ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ بہت مفید مواد جمع کر دینے کے باوجود اس کتاب میں احتیاط اور بالغ نظری سے کما حقہٗ کام نہیں لیا گیا ہے۔

عنوانات کا شوق تو اس میں بھی افراط و اسراف کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ خیر اسے چھوڑیئے۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ جن حدیثوں کے مقصد و منشا تک پہنچنا بلا تفہیم عوام کے لئے ممکن نہیں انھیں بھی بلا تشریح ہی درج کر دیا گیا ہے مثلاً۔ "حضورؐ نے فرمایا عام گذرگاہ، ٹھہرنے کی جگہ سایہ دار درخت کے نیچے پیشاب کرنے والا ملعون ہے۔" ص۱۳

حالانکہ سایہ دار درخت کا معاملہ اتنا غیر مقید نہیں جتنا اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

"حضور پاکؐ نے فرمایا کہ وضو کرنے والے کے تمام گناہ پانی کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں پانی کی آخری بوند کے ساتھ آخری گناہ معاف ہو جاتا ہے۔" ص۱۷

حالانکہ قرآن و حدیث ہی کی رو سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ کبائر یوں معاف نہیں ہوتے اور صغائر بھی خاص ہی حالات میں معاف ہوتے ہیں۔ بے عملی و جہالت کے اس دور میں عام آدمی کے ہاتھ تو یہ سستا نسخہ آجائے گا کہ ڈٹ کے گناہ کرو اور پھر وضو کر ڈالو۔ سارا جھگڑا ختم۔

"حضورؐ نے فرمایا جنت میں بداخلاق اور سخت گو

داخل نہ ہوں گے۔" صـ۱۱۳

حالانکہ یہ ایک خاص سیاق و سباق میں خاص التزامات کے ساتھ ارشاد کی ہوئی بات ہے۔ عقیدۃً بالکل غلط ہے کہ بد اخلاق اور سخت گو کبھی جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اسی طرح کی بہت سی حدیثیں اس کتاب میں ایسی پائی جاتی ہیں جو بغیر تفہیم کے غلط تصورات و عقائد کو جنم دیتی ہیں۔

اس کتاب کے مرتب بھی مولانا حفیظ اللہ صاحب ہیں۔ ان کی زبان و بیان میں کچھ خامیاں پائی جاتی ہیں۔ عنوان ہے

"فخر و شہوت کا کپڑا نہ پہنیئے۔" صـ۲۴

شہوت کا کپڑا کیا ہوتا ہے؟

"فکر و نظر یا اللہ کے احسان کی قدر کرو۔"

کیا مطلب؟

"ایک صحابی نے کہا میرے والد نے حضورؐ کو سلام کہا ہے آپ نے فرمایا علیک و علی ابیک السلام (علیک و علیہ السلام کہنا چاہیئے)" صـ۷۸

بریکٹ کا فقرہ کچھ اس نوع کا ہے جیسے نعوذ باللہ حضورؐ کو اصلاح دی گئی ہو۔

"ماہر قرآن کا درجہ"

قرآن کے ساتھ ماہر کا لفظ اسلاف و اخلاف میں مستعمل نہیں۔ صفحہ ۱۶ پر عنوان دیا گیا — "پائخانہ"

پھر روایت بیان کی :-

"حضورؐ پاک دفع حاجت کے لئے بہت دور جایا کرتے تھے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ تذکرہ دشت و صحرا کا ہے۔ گھروں کے باقاعدہ بنے ہوئے بیت الخلاء کا نہیں۔ لیکن فوراً ہی وہ روایت بیان کی گئی جس میں بتایا گیا ہے کہ حضورؐ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت کیا پڑھتے تھے اور نکلتے ہوئے کیا۔ اب عام آدمی اس تضاد بیانی کو کیسے حل کرے گا۔

حدیث نقل کی گئی کہ سجدے میں توبہ کیا کرو۔ فرمانے سے تو یہ ہے کہ سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جائے۔ اب کیا عام آدمی کو یہ خیال نہیں گذر سکتا کہ تمام علماء و فقہا تو اپنی رائے کے پیرو اور حدیث کے مخالف معلوم ہوتے ہیں جو سجدے میں توبہ و استغفار کی بجائے خالی حمد کا سبق دیتے ہیں۔

ہماری پختہ رائے ہے کہ حدیثوں کے اردو تراجم مفید ہونے کے باوجود سخت خطرناک ہیں اگر اہل حضرات ان کے خاص خاص حصوں کی تشریح و تفہیم نہ فرمائیں۔ جو بات رسول اللہؐ کی زبان وحی ترجمان سے نکل گئی وہ اصلاً مفید ہی مفید ہے لیکن مفید اشیاء کا استعمال بھی موقع محل اور قیود کا تقاضا کرتا ہے۔ بخار کے مریض کو خمیرہ مرواریدا ور بہشت کے ہدف کو ماء اللحم نہیں دیا جاسکتا اسی طرح ہر حدیث کا ایک محل ہے اور بہت سے ارشادات نبوی کچھ پس منظر اور محذوف و مضمر التزامات بھی رکھتے ہیں۔ عوام کو بس وہ پہنچاؤ جو صاف و سادہ اور مسائل شرعیہ سے ہم آہنگ ہو وہ مت پہنچاؤ جو انہیں غلط فہمی اور ذہنی انتشار گردی میں مبتلا کردے۔

(۳) آئینہ ایمان کی حیثیت ترجمے کی ہے امام بیہقی کی کتاب شعب الایمان کا خلاصہ قزوینیؒ نے کیا تھا یہ اسی کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں ایمان کی ۷۷ شاخوں کا بیان ہے۔ بہت اچھی کتاب ہے لیکن حواشی کی احتیاج اسے بھی تھی۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ دینک لمعادک و درھمک لمعاشک ولا خیر فی امرء بلا درھم۔ ہماری ذاتی تحقیق ہے کہ یہ قول حضرت ابوبکرؓ کا نہیں ہے بلکہ غلط طور پر ان کی طرف منسوب ہو گیا ہے۔ یا پھر ان ہی کا ہے تو روایت بالمعنی میں اس کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ اسے بھی کوئی تسلیم نہ کرے تو بہرحال لا خیر کا ترجمہ "رو کھی پھیکی" محل نظر ہے۔

یا مثلاً ایمان کی چودھویں شاخ میں ایک حدیث بیان ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اعمال کی کوئی خاص ہیبت

نہیں اہم چیز ہے اللہ اور رسولؐ کی محبت - جو اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہے وہ بلا کسی خدشے کے نجات پائے گا- حدیث اپنی جگہ بلا ریب حق ہے- کیسے نہ ہوگی جب زبانِ رسالت سے صادر ہوئی ہے- لیکن بڑا عذاب یہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی محبت کا مفہوم و مصداق ہمارے دور یہ نفسانیت اور عیار بدعت و معصیت نے بدل کر رکھ دیا ہے- محبت پہلے نام اطاعت و نیازمندی کا تھا- عملی انقیاد کا تھا- اب یہ اکثر حلقوں میں صرف اس سے عبارت ہو گئی ہے کہ آدھی رات تک میلاد پڑھو اور سنو چاہے فجر کی نماز قضا ہو جائے- سلام پڑھا جائے تو تعظیماً کھڑے ہو جاؤ چاہے گھٹنوں اور پنجوں کا سارا کس بل حرام لقموں کے بار گراں کا رہینِ منت ہو- اذان کے کلمۂ شہادت پر انگوٹھے چوم و چاہے یہ انگوٹھے احکامِ شرعیہ کے بخیے ادھیڑنے میں مہارتِ تامہ حاصل کر چکے ہوں -- کسی کو شفاعتِ محمدیؐ کا اتنا وثوق ہے کہ اوامر و نواہی کو محض تحصیل سمجھتا ہے- کسی کو یہ جنون ہے کہ رسول اللہؐ کے لئے جتنے مبالغے متصور ہوں سب کو جزوِ ایمان بنا کر دعوۂ محبت کو ساتویں آسمان پر چڑھا دو- انھیں عالم الغیب، حاضر، ناظر، مالک الکل کہو- غرض محبت کا مفہوم اب خالی ذہنی عیاشی اور خبط الحواسی ہو کر رہ گیا ہے- حالانکہ میزانِ عدل میں اس محبت کا کوئی وزن نہیں جو زبانی جمع خرچ سے آگے نہ بڑھے- ضرورت تھی کہ ذیلی نوٹ دیکر مخفی گوشے ابھار دیئے جاتے -- ویسے یہ کتاب قاصی ایمان پرور ہے- آیات و احادیث کی تصحیح بھی قابلِ تعریف ہے-

**حرکتِ آفاق** کلامِ فارسی پر مشتمل یہ کتاب جناب حبیب پالنپوری کے فکرِ بلند پرواز کا شہ پارہ ہے- اس میں انھوں نے "حرکت میں برکت" کی معروف کہاوت کو بنیاد بنا کر دین اور اس کے اہم عناصر کے وہ جوہری گوشے ابھارے ہیں جو کسی باریک بین مفکر ہی کی گرفت میں آ سکتے ہیں -

اکثر بیشتر عنوانات آیاتِ قرآنیہ سے مزین ہیں اور اشعار کے آئینہ میں ان کے معنوی پیغام اور حکیمانہ مضمرات کو بڑے تیکھے انداز میں جلوہ گر کیا گیا ہے- یہودیت، نصرانیت اور "روسیت" پر بھی حبیب صاحب کے فکرِ رسا نے جست کی ہے- ان کے لہجے میں اقبالؒ کا پُر سوز شکوہ اور ان کے الفاظ میں مولانائے روم کی لہک ہے- وہ جس پائے کا فکر پیش کرتے ہیں اسی پائے کا اندازِ بیان بھی اختیار کرتے ہیں خودی کا وہ نغمہ جو اقبالؒ کے اشعار میں گونج رہا ہے انکے یہاں بھی خاموش نہیں ہے- اقبالؒ کے شاہین کی جگہ انکے مردِ آفاقی کو رکھ لیا جائے تو خد و خال کے سطحی فرق کے سوا روح اور مزاج میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا- چند رواں اور دلپذیر اشعار سنیئے :-

مقصدِ ملت وجودِ ملت است      وحدتِ ملت نمودِ ملت است
قطرہا از جذبِ باہم نہرہا      نہرہا از جذبِ باہم بحرہا
جذب مقصد فرد را جمعیت است      جذب باہم آبروئے ملت است
مقصدے بالائے ہر بالا ترے      آبروئے فرد و ملت پرورے
خلوتے را انجمن آموزگار      از حرا آرد لیسوئے کارزار
ہر کلہ را ایں پر طاؤس ما      "پشت پا زن تختِ کیکاؤس را"
وحدتے مرکز زیک مقصود ہست      ملتِ بے مرکزے مردود ہست
محفلِ انجم بہ مرکز بستہ      خوار افتد ہر شہابِ رستہ

اشتراکیت کے بارے میں سنیئے :-

مرگِ نو ایں فتنۂ خوش منظرے      نوجواں را شاہدِ تازہ ترے
"روسیاں نقشِ نوی انداختند      آب و ناں بردند دیں را باختند"
مقصدِ روسی ز نانے بیش نیست      قلب او از فکرِ عالم ریش نیست
مقصدِ ما از شکم بالا ترے      جانِ ما در فکرِ عالم پرورے
خوردن و خفتن خیالِ روس زاد      حرفِ اوّل حرفِ آخر اقتصاد

نایاب اور سستے ادب کے اِس دَور میں حبیب پالنپوری جیسے شاعر کا پیدا ہونا اور پھر ان کے کلام کا شایانِ شان انداز میں چھپ کر بازار میں آ جانا عجیب لگتا ہے- کم ہی امید ہے کہ اسے قبولیت حاصل ہو سکے گی- تاہم ایسے لوگ بالکل ہی ناپید نہیں ہوئے ہیں جو اس سے لطف اندوز ہو سکیں-

کہیں کہیں کچھ جھول بھی نظر آئے۔ مثلاً :-

بے نیازم نازہا دارم دروں — جبرئیل از شوخیم زار و زبوں

شوخی کو عام معنے میں لیجئے یا خاص مفہوم میں وہ بہرحال "نازہا دارم دروں" کا ثبوت نہیں، بلکہ تردید ہی ہے۔ علاوہ ازیں "زار و زبوں" کو بس قافیہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

دیدہ واکن خیرگی را خیرہ کن — چشم را از سرمۂ دل تیرہ کن

لفظ "تیرہ" کو مقامِ تحسین میں استعمال کرنا شاذ ہے۔

لے نمود تو برا از نمودِ تو — بے نمودی مرگ ہست بود تو

پہلے مصرعہ کو عروض کے دائرے میں روکے رکھنے کے لئے جبر سا کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے مصرعہ کا دروبست ہماری فہم کی گرفت میں نہیں آیا۔

بلبلے را قوتِ بازے دہد — شبنمے را ذوقِ پروازے دہد

"بلبلے" کے عوض اگر کنجشک جیسا کوئی لفظ آجاتا تو شاید بلاغت سے زیادہ قریب ہوتا۔ نیز شبنم کا ذوقِ پرواز "فنا" کا مرادف ہے۔ اس کی تمثیل اضافۂ قوت اور عروج و نمو کے سیاق میں فصیح نہیں کہی جا سکتی۔

یمن حرکت از عدم آدم کند — آدمے را سرورِ عالم کند

"آدم کند" ہمیں اچھا نہیں لگا۔ نہ آدم کو "سرورِ عالم" کہنا بھلا معلوم ہوا۔ گو شاعر کی مراد حضرت آدم کی معیّنہ شخصیت نہیں ہے بلکہ وہ نوعِ انسانی کے اشرف المخلوقات ہونے کی بات کر رہے ہیں جو بلا شبہ مسلمات میں سے ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "سرورِ عالم" کا خطاب قلب و ذہن میں کچھ ایسا رچ بس گیا ہے کہ ذرا سا سطحی اشتباہ بھی سوئی کی طرح چبھ جاتا ہے معلوم نہیں یہ ہماری ہی مریض ذکاوتِ حس ہے یا دوسرے بھی یہ چبھن محسوس کر سکیں گے۔

نہ جانے کیوں حبیب صاحب بار بار حضرت علیؓ ہی کی شخصیت کو مثالی انداز میں پیش کرتے ہیں حالانکہ زیادہ تر اُن اوصاف کے لئے ان کی شخصیت بیچ میں لائی گئی ہے جن اوصاف میں ابوبکرؓ ان سے یقیناً آگے تھے۔ مثلاً :-

بوعلی چوں سینۂ حیدر نداشت — قلب را با عقلِ خام خود گذاشت

کہا جانا چاہیے :-

بوعلی چوں قلبِ صدیقی نداشت — مدح را با عقلِ خام خود گذاشت

خصوصاً جب اگلا شعر یہ ہو کہ :-

از نبوت جا بجا منجلی شدہ — سینہ ہا گنجینہ ہا آئینہ ہا

تو زیادہ بلاغت اسی میں تھی کہ اُس ہستی کو آئیڈیل بنایا جاتا جو منصبِ نبوت کے عین بعد ہے۔

تحفۂ حیدر برِ آدم گرے — قیصر و کسریٰ شکن عالم گرے

حالانکہ دوسرے مصرعہ کی مناسبت اصلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تبعاً حضرت عمر فاروقؓ سے ظاہر و باہر ہے۔ حضرت علیؓ کو "مرحب شکن" تو کہہ سکتے ہیں، لیکن قیصر و کسریٰ شکنی اور عالم گری تو کسی اور ہی کا مقسوم تھی۔

اے گرفتار ابوجہل و علی — باز آ سوئے ابوبکرؓ و علیؓ

اوّل تو ہمارے خیال میں قافیے قابلِ نظر ہیں۔ دوسرے اس پوری کتاب میں حضرت عمرؓ کا ذکر صرف ایک جگہ آیا ہے اور حضرت عثمانؓ کا ایک بھی جگہ نہیں آیا۔ حالانکہ بعض اوصاف میں حضرت عثمانؓ بھی منفرد ہیں اور کئی جگہ موقع تھا کہ ان کی ذاتِ گرامی بھی مثالی حیثیت میں پیش کر دی جائے۔

---

تاہم یہ گوشے کتاب کی قدر و قیمت کم کر دکھانے کیلئے نہیں اُجھارے گئے، بلکہ فرضِ تبصرہ ادا کیا گیا ہے۔ کتاب ہر آئینہ بیش قیمت ہے اور سنجیدہ و باذوق اہلِ علم کیلئے تحفۂ دلپذیر۔

ناشر ہیں :- کتب خانہ مشائخی۔ اسٹیشن روڈ۔ پالن پور۔ ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات)

"مشائخی" نام عجیب سا لگا۔ اس کی لم کون بتائے ملنے کا پتہ :- کتب خانہ انجمن ترقی اُردو ہند۔ جامع مسجد دہلی ۶۔ صفحات ہیں ۱۰۹ سائز متوسط۔ قیمت مجلّد ڈھائی روپے

## خدا کا انکار کیوں ؟

مدیر "زندگی" سید حامد علی صاحب کی شخصیت اسلام پسند حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ نے تبلیغ دین کے لئے

چھوٹے چھوٹے رسائل کا ایک ماہوار سلسلہ شروع کیا ہے جس کا پہلا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ ویسے دوسرا شمارہ بھی شائع ہوچکا ہے' لیکن اس ایک ہی شمارے کے تبصرے سے اس سلسلے کی اہمیت وافادیت کا کافی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بظاہر اس بحث میں عام مسلمانوں کے لئے زیادہ کشش نہیں ہے کہ خدا موجود ہے یا نہیں۔ وہ خدا کی موجودگی پر مطمئن ہیں لیکن مغربی طرزِ فکر نے عموماً اور روسی اندازِ نظر نے خصوصاً الحاد و دہریت کے جو جراثیم فضائے عالم میں بکھیر دیئے ہیں وہ اس اطمینان کے لئے ایک چیلنج کا درجہ رکھتے ہیں اور کتنے ہی مسلمان زبانی اعتراف کی حد تک مسلمان ہونے کے باوجود خدا بیزار نظریات سے پسپا ہوتے چلے جارہے ہیں اس لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ کائنات کی سب سے بڑی اور اٹل حقیقت — وجودِ باری — پر قدیم دلائل کو جدید رنگ و روپ عطا کرنا اور نئے نئے براہین سے عوام کو روشناس کرانا حق وصداقت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ پھر جب کہ یہ اہم کام سید حامد علی جیسے اہل حضرات انجام دینے پر آمادہ ہوں تو اس کے قابلِ تحسین وتعاون ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ مصنف کا مقصود محض فلسفیانہ بحثیں نہیں ہیں' بلکہ حسنِ ترتیب کے ساتھ احقاقِ حق ہے۔ حق کی پہلی بنیاد تو وجودِ باری ہی ہے۔ اس کا اثبات ہوجائے تبھی دین و اخلاق کا مرحلہ پیش آتا ہے۔ اس پہلے پمفلٹ میں مصنف نے صرف اس نکتہ پر گفتگو کی ہے کہ خدا کے انکار کی پشت پر کیا واقعۃً کچھ دلائل بھی ہیں یا محض جہالت و نفسانیت کے تحت الحاد کے گیت گائے جارہے ہیں۔ انھوں نے بڑے ہی دلنشیں' دلچسپ اور بلیغ و متین انداز میں ثابت کر دکھایا ہے کہ انکارِ خدا کے لئے سرے سے کوئی دلیل ہی موجود نہیں ہے اور جن غیر ذمہ دارانہ لفاظیوں کو دلیل کا نام دیا جاتا ہے وہ خود اساطین دہریت اور علمائے سائنس کے نزدیک بھی اتنی پوچ' بے بنیاد اور صد فیصد غلط ہیں کہ انھیں دلیل کا نام دینا اس لفظ کا مذاق اڑانا ہے۔

حامد علی صاحب کے قلم میں گیرائی' رچاؤ اور روانی ہے اور ان کی ذہانت علم کے زیور سے مرصع ہوکر دو آتشہ بن گئی ہے۔ وہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ مسائل کا تجزیہ کرتے ہیں اور گوناگوں مثالوں سے اپنی بات سمجھانا انھیں خوب آتا ہے۔ ہمیں سچ مچ رشک آیا ہے کہ کس طرح انھوں نے ایک خشک اور دقیق مسئلہ کو دلچسپ' خوشگوار اور شگفتہ طرز میں آئینہ کرکے رکھدیا۔ ذلک فضل اللہ۔ وہ صرف علومِ دینیہ ہی کے عالم نہیں' بلکہ فلسفہ وسائنس پر بھی ان کی نظر گہری ہے اور ان کا بڑا وصف یہ ہے کہ حلم وبردباری کا دامن ذرا نہیں چھوٹتے ہماری رائے ہی نہیں آرزو بھی ہے کہ ان کا یہ رسالہ اور اس نوع کے اگلے رسائل ہندی' انگریزی اور دوسری زندہ زبانوں میں ترجمہ کرکے بیش از بیش عام کئے جائیں۔ کہنے کو پیشِ نظر رسالہ ۴۸ صفحات کا ہے اور قیمت بھی بہت معمولی یعنی صرف تیس پیسے ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ایسا بیش بہا ہے کہ مادیت کے اساطین و ائمہ بھی اسے تعصب سے بالاتر ہوکر دیکھیں تو اس کا فکری وذہن محسوس کئے بغیر نہ رہیں۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی تأمل نہیں کہ سید حامد علی صاحب کے اس نئے سلسلۂ تصانیف سے زیادہ سے زیادہ تعاون کرنا' ان رسائل کو بڑی تعداد میں خرید کر پھیلانا اور ان کے تراجم کراکے انھیں دور دور پہنچانا بے حد ثواب کا کام ہے۔

ہمیں اول نظر میں زیرِ تبصرہ رسالے کے بعض مندرجات پر کچھ کھٹک ہوئی لیکن پھر جو زیادہ تعمق سے کام لیا تو یہ کھٹک دور ہوگئی اور بے اختیار فاضل مصنف کی اصابتِ فکر اور بصیرت وذہانت کے حق میں کلمۂ تعریف زبان سے نکلا۔ اللہ تعالیٰ انھیں عمرِ طویل عطا کرے اور خدمتِ حق کا یہ سلسلۃ الذہب دیر تک قائم رہے

اتفاق کی بات ہے کہ پہلی ہی سطر میں کتابت کی

غلطی رہ گئی :-

" یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں معرفت فرمائی "

ظاہر ہے " معرفت عطا فرمائی " ہوگا۔ ایک اور جگہ تصحیح کا نقص ہے :-

" گویا ہم خدا کا انکار کرنے کی پوزیشن میں ہیں نہ انکار کرنے کی " (ص ۱۱ و ۱۲)

ایک جگہ " اقرار " ہونا چاہیئے۔

صفحہ ۲۶ پر " برہان " کو مؤنث استعمال کیا گیا ہے۔ ہمارے علم کی حد تک یہ لفظ مذکر ہے۔

صفحہ ۳۶ پر :-

" آپ تولنے والی مشین پر جا کھڑے ہوتے ہیں اور دس نئے پیسے اس میں ڈال دیتے ہیں "

اگر رسالہ کا ترجمہ کسی اور زبان میں کیا جائے تو " دس نئے پیسے " کی جگہ " معینہ سکہ " بہتر رہے گا۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ یہ رسالہ اور اس سلسلے کے دوسرے رسائل دوسری زبانوں میں ترجمہ کئے جانے کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی صاحب خیر کو اس کی توفیق دے۔

واضح رہے کہ تصانیف کا یہ سلسلہ ماہنامہ رسالے کے انداز میں جاری کیا گیا ہے۔ سالانہ چندہ تین روپیے۔ دو سال کے لئے ساڑھے پانچ روپے۔ کاغذ اچھا سفید ہے اور کتابت طباعت پسندیدہ۔ چندہ خاصا کم رکھا گیا ہے جس سے حسن نیت اور جذبۂ خدمت کا پتہ چلتا ہے۔

پتہ :- ادارہ شہادت حق (وقف) ذکاتی محلہ نالہ اسٹریٹ
بریلی

یہ سطور جب تک شائع ہوں گی انشاء اللہ تیسرا شمارہ بھی منظر عام پر آچکا ہوگا۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ۔

## عثمان بطور

تالیف :- گوڈفرے لیاس۔
ترجمہ :- شاہد احمد دہلوی۔
ناشر :- نیشنل اکاڈمی۔ ۹ انصاری مارکیٹ دریا گنج دہلی
صفحات ۳۵۲ کاغذ سفید۔ قیمت سوا روپیہ۔

بطور چینی ترکستان میں سورما کو کہتے ہیں۔

یہ کتاب اشتراکیت کی جارحانہ چیرہ دستیوں کے مارے ہوئے ان قازق مسلمانوں کی داستان ہجرت ہے جو اگرچہ تخت و تاج کے مالک نہیں ہو سکے، لیکن ان کی خود اعتماد جفاکشی اور ناقابل تسخیر حوصلہ مندی کے تصوراتی افق پر آج بھی ایک دیکھنے والی آنکھ چنگیز خاں کی سطوت، مارکو پولو کا تہوّر اور مغل شہنشاہوں کے جبروت کی جھلکیاں دیکھ سکتی ہے۔ انھوں نے جدید ہتھیاروں سے مسلح اشتراکیت کے آستانے پر اپنی سرافراز گردنیں نہیں جھکائیں۔ کیونکہ وہ اپنی انفرادیت اپنے مذہب اور اپنی روایتی آزادی کو کسی قیمت پر اس شیطانی جبر و قصاوت کے حوالے کرنا نہیں چاہتے تھے، جس سے بڑھ کر سنگین، پست اور نفرت انگیز جبر و قصاوت کا کوئی تصور ــــ کم سے کم اجتماعی دائروں میں نسل انسانی کبھی نہیں کر سکی ہے۔ لیکن اس کی قیمت انھیں بہت بڑی ادا کرنی پڑی ہے ــــ وہ اپنا گھر بار تج کر ہولناک وادیوں کا سفر کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے ہیں۔ یہ سفر آخری حد تک صبر آزما تھا۔ مہینوں وہ ان ہمت شکن وادیوں میں ٹھوکریں کھاتے رہے ہیں جہاں بے رحم چٹانیں ہیں۔ بے آب و گیاہ میدان ہیں۔ برف ہے۔ خون منجمد کر دینے والی ہوائیں ہیں۔ کہر کے طوفان ہیں۔ شدائد کا ایک غیر مختتم سلسلہ ہے جس کا تصور بھی وہی سخت کوش اور نڈر لوگ کر سکتے ہیں جن کی ماؤں کے دودھ میں کھوری چٹانوں کی صلابت حل ہو گئی ہو۔

ابھی چند ہی سال تو ہوئے جب پہاڑوں، برف زاروں اور سنگلاخ وادیوں کی گود میں پلے ہوئے یہ جیالے قازق تھکے ہارے مجروح و درماندہ کشمیر پہنچے تھے اور پھر ان کا بڑا حصہ ترکی جا پہنچا۔ ان میں بہت سے آج بھی زندہ ہیں۔ ان سے ہی معلومات کا وہ ذخیرہ حاصل ہوا ہے جسے زیر تبصرہ کتاب میں بڑے سلیقے اور حسن کاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

ترجمہ بڑا شاندار ہے۔ بہت کم مقامات پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ ہے فاضل مترجم نے نہ صرف زبان و بیان کی مہارت کا ثبوت دیا ہے، بلکہ ایسا رچاؤ ان کے لب و لہجے میں ہے جیسے

اُس خاص ماحول و فضا کو بھی انھوں نے اپنے تصورات میں جذب کر لیا ہو جس میں یہ سچی کہانی نشو و نما پاتی ہے۔

اگر یہ کوئی ناول ہوتا تو ہم اعتراضاً کہہ سکتے تھے کہ بعض مقامات پر اس میں غیر معمولی خشکی اور بے کیفی آگئی ہے لیکن یہ طبعزاد کہانی کہاں ہے یہ تو ایک فکری توجہ کی مستحق داستانِ ہجرت ہے جس میں اُن سیاسی نکات و مسائل کا تذکرہ بھی ناگزیر ہی تھا جو قاری کو یہ بتا سکیں کہ اشتراکی سامراج اور مظلوم اقوام و قبائل کی آویزشیں کن کن خطوط پر آگے بڑھی ہیں۔ متعدد مقامات پر یہ روداد بڑی دلچسپ ہو جاتی ہے۔ بڑی شوق انگیز اور محو کر دینے والی۔ مگر جاذبیت کا یہ طلسم اچانک ٹوٹ بھی جاتا ہے۔ کیونکہ من گھڑت کہانیوں کی طرح اس میں یہ آزادی نہیں ہے کہ لکھنے والا جو چاہے لکھے اور جس طرح چاہے پلاٹ کے نوک پلک درست کرتا چلا جائے۔

پھر بھی یہ خلا ہمیں ضرور محسوس ہوا کہ جس "عثمان بطور" کو اس داستان کا ہیرو چنا گیا ہے اور جس کے اوصاف و کردار کے خدوخال اُبھارنے میں خیال آرائی کو بھی کہیں کہیں معاون بنایا گیا ہے اس کے قتل کا تذکرہ اس انداز میں نہیں ہوا جسے "ہیرو" کے شایانِ شان کہا جا سکے۔ طائرانہ اور بے تعلق سا انداز۔ کہانی کے اسٹیج سے وہ اچانک اس طرح غائب ہو جاتا ہے جیسے وہ کچھ بھی نہ تھا۔ جیسے سنسر کی قینچی نے فیتے کو بیچ میں سے کاٹ دیا ہو۔ یہ خلا اس لئے اور بھی محسوس ہوا کہ کتاب کا نام ہی عثمان بطور چنا گیا ہے۔

---

اس داستانِ ہجرت میں قازق مسلمانوں کی سخت کوشی، حوصلہ مندی، صلابت اور بے خوفی کی فضائے بسیط میں اگرچہ اذانوں اور تکبیروں کا کوئی غلغلہ نہیں، لیکن خدا پر اعتماد اور تقدیر پر اطمینان کے گہرے گہرے نقوش ان کے چھوٹے چھوٹے بے ساختہ جملوں میں ملتے ہیں۔ مذہب سے ان کا ذہنی رابطہ کتنا مضبوط اور عمیق ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ قدم قدم پر وہ اپنے قیمتی مویشیوں، اپنے دوستوں، اپنی اولادوں، بھائیوں اور بیویوں کا لہو سامراجی استبداد کے آستانے پر چھوڑتے جاتے ہیں۔ ابھی ابھی جو بیٹا یا بیٹی یا بیوی اچھی بھلی سامنے تھی چشم زدن میں گولی اس کے جسم میں پیوست ہو جاتی ہے یا عسکرِ ابلیس کا کوئی سپاہی اسے زندہ ہی اُٹھا لے جاتا ہے مگر مجال نہیں آہ و بکا، فریاد، واویلا کی ہلکی سی آواز بھی آس پاس سنائی دے جائے۔ آواز کیا معنی یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہو۔

لیکن جب سفرِ ہجرت کے آخری مراحل میں اشتراکی لٹیرے گیارہ قازقوں کے سر تن سے جدا کر دیتے ہیں تو پہلی بار ہم دیکھتے ہیں کہ باقی ماندہ قازقوں کو صرف ایک شخص کی شہادت کا بہت رنج ہوا۔ وہ تھا محمد تردیکاری اس کا رنج صرف اس لئے ہوا کہ وہ عمدہ حافظِ قرآن تھا، صالح تھا اور اس کے زہد و اخلاق کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔

گویا جدالِ باہم اور حرب و ضرب کے اُس لہو آشام محاذ پر بھی جہاں سب سے بڑھ کر اہمیت ہتھیار، بارود اور جسمانی طاقت کی ہوتی ہے قازق مسلمانوں کو صرف اُس ساتھی کی شہادت پر صدمہ ہوا جو حافظِ قرآن تھا، صالح تھا، نیک نفس تھا!

اس سے ان کی کیفیتِ ایمانی اور ذہنی رُخ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام بھی کہاں کہاں پہنچا ہے۔ اس کے شجرِ لازوال نے کیسے کیسے آہن و فولاد کی تہوں میں جڑیں پھیلائی ہیں یہ صداقت حیرتناک بھی ہے اور عبرتناک بھی!

---

بڑا رشک آن نوعمر لڑکوں پر آتا ہے جن کی عمریں دس اور بارہ سال سے آگے نہیں بڑھیں، لیکن ان کی بے خوفی، مردانگی اور حوصلہ مندی دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے جیسے انھوں نے گوشت اور پوست کے نازک جسموں سے نہیں ان سنگلاخ چٹانوں ہی کی کوکھ سے جنم لیا ہو جو بیکراں

بلندیوں میں سر اٹھائے قرنوں سے اپنی صلابت اور استقامت کی پُراسرار کہانیاں سُنا رہی ہیں۔ ان لڑکوں میں وہ نو سال کا عبد المطلب تو سچ مچ ایک مافوق ہستی معلوم ہوتا ہے جس کے ننھے ننھے قدموں نے کوہساروں، مرغزاروں، ناہموار وادیوں، دشوار گذار درّوں اور برف سے ڈھکے ہوئے ان گھڑ راستوں کا چھ ماہی سفر تن تنہا طے کیا۔ اس کے ساتھ صرف چند مویشی تھے اور یخ کر دینے والے جاڑے کی کتنی ہی راتیں اس نے کھلے آسمان کے نیچے ایسے اطمینان سے گذاری تھیں جیسے سخت گیر عناصر فطرت سے اس کا کوئی پرانا سمجھوتہ ہو اور پھر یہ تنہائی مجبوری کی نہیں تھی۔ وہ تو خود ہی قافلہ سے جدا ہوا تھا۔ جب اس کے ماں باپ اس کی آنکھوں کے آگے گولیوں کا شکار ہوئے تو وہ چیخا نہیں۔ رویا نہیں۔ اس کا دماغ ماؤف نہیں ہوا، بلکہ حیرت ناک طور پر اس نے ایسی ذہانت اور برداشت کا ثبوت دیا جو ہماری زنانہ تہذیب کے پالے ہوئے بچوں میں شاید عنقا ہی کا مفہوم رکھتی ہو۔

---

حاصل تبصرہ یہ کہ عثمان بطور پڑھنے کی چیز ہے۔ پڑھ کر عبرت لینے اور سوچنے کی چیز ہے۔ ہو سکتا ہے ایک ایسا وقت بھی آئے جب اشتراکیت خود ہمارے گریبانوں میں ہاتھ ڈال کر پوچھے کہ بولو اپنی آزادی اپنا دین اپنا سب کچھ دینے پر آمادہ ہو یا موت قبول کرتے ہو۔ ایسے لرزہ خیز وقت کے لئے ہمیں ابھی سے اپنے ذہنوں کو تیار کر لینا چاہئے اور یہی ذہن ہماری اگلی نسلوں میں بھی منتقل ہوتا چلا جائے تو ممکن ہے کہ قازقوں کی طرح ہم بھی تو حوصلہ مندی اور اولوالعزمی کی کوئی کہانی تاریخ کے سپرد کر سکیں۔

کہیں کہیں ترجمہ کا کوئی لفظ لق نظر بھی ہے۔ مثلاً۔

ص ۱۸ پر — "عثمان بطور خطرناک تشنہ پہاڑوں کو
عبور کر کے ...."

خود پہاڑ کی صفت "تشنہ" ترقی پسندانہ تو ہے مگر فصیح نہیں۔

ص ۱۲۳ پر — "اس کا کردار اس کے چہرے سے عیاں
عزم و عمل کا پتلا، کسی کی باتوں میں نہ آنے والا، مشتبہ،
خود سر، بے رحم اور نڈر ......"

"مشتبہ" بے محل ہے۔ چوکنا یا محتاط کہنا چاہئے تھا۔

ص ۱۶۸ پر — "اس کی کوئی استثنا نہیں ہے ..."

"استثناء" کا یہ رسم الخط کاتب کا قصور بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن تانیث بہرحال مترجم ہی کا سہو ہے۔ "استثناء" بالاتفاق مذکر ہے۔

بعض جگہ لفظ "مویشی" اس طرح استعمال کیا گیا ہے گویا یہ اسم جنس نہیں بلکہ اونٹ اور گھوڑے کی طرح کسی خاص جانور کا نام ہے۔

ص ۲۵۸ پر — "سب کو اپنا وطن چھوڑنے سے نفرت
تھی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ دوبارہ یہاں واپس آنا
نصیب نہیں ہوگا۔"

لفظ "نفرت" کے استعمال کا یہاں موقع نہیں تھا۔

ص ۲۹ پر — "زمین اب پھر بہت شکستہ آگئی تھی۔"

"شکستہ زمین" کا کیا مطلب ہوگا۔

---

کتاب میں دیباچہ مولانا محمد عثمان فارقلیط اڈیٹر الجمعیۃ کا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود پُر کار اور فکر انگیز ہے۔ ناسپاسی ہوگی اگر ہم یہ بھی واضح نہ کر دیں کہ اس کتاب کو اردو میں شائع کرنے کا سہرا ان گوپال متل کے سر ہے جو مدت سے بڑی لگن، بڑے حوصلے اور مستقل مزاجی کے ساتھ اشتراکیت سے قلمی جنگ لڑ رہے ہیں۔ انھوں نے ابھی "چین کے مسلمان" نامی کتابچہ چھاپا تھا۔ اب عثمان بطور لائے اور سجا بنا کر لائے۔ قیمت بھی اتنی کم کہ لاگت بھی مشکل ہی سے پوری ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعۃً ان کے پیش نظر مقصد ہے تجارتی انتفاع نہیں۔ ہمیں بڑی شرم محسوس ہوتی ہے جب اپنی یہ کیفیت دیکھتے ہیں کہ

خدمتِ دین وملت کے فلک شگاف دعوے تو پیدا ہوتے ہی زبانوں پر اہرا اُٹھتے ہیں اور ہر دینی کتاب ہمارے یہاں "خدمتِ دین" ہی کے نقطۂ نظر سے چھپتی ہے، لیکن قیمت رکھنے میں ہم پچاس فی صدی سے کم نفع کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ سچا ہے کہ ہماری مالی امداد امریکہ یا مصر وعرب نہیں کرتے جب کہ اینٹی کمیونزم لٹریچر کے لئے امریکن ایڈ کا تصور مسلمات میں شامل ہو گیا ہے لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ گوپال مِتل کی زبان پر خلوص خدمت کے بلند بانگ دعوے نہیں اور ہم دعووں بید دعوے کے بغیر لقمہ نہیں توڑتے۔ وہ مسلمان نہ ہونے کے باوجود اشتراکیت کی قہرمانی کے مارے ہوئے مسلمانوں کا افسانۂ درد پیش کرنے کی تگ ودو میں ہیں۔ اس سے قبل "چین کے مسلمان" بھی انھوں ہی نے شائع کی تھی اور ہم مسلمان ہونے کے باوجود اس افسانۂ درد کو توجہ سے سُننے تک پر آمادہ نظر نہیں آتے۔ کیسا قہر ہے کہ جو شیطانی نظریۂ حیات اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے اسی کے لئے ہمارے جذبات میں کوئی گرمی، کوئی جوش، کوئی ہمہمہ نہیں۔

ہر کیف ہمارا مشورہ ہے کہ گوپال مِتل کی شائع کردہ کتابوں کو پڑھ تو ضرور ہی لینا چاہئے۔


## مایوسوں کیلئے بشارت

**نشاطِ زندگی:** - اعضائے رئیسہ کو قوت پہنچا کر تمام جسمانی کمزوری کو دور کرتا ہے۔ قیمت مکمل کورس ۲۵ روز کے لئے دس روپے۔
(معجون) **انیس نسواں:** - رحم کی جملہ خرابیوں کو دور کر کے نئی زندگی بخشتا ہے۔ قیمت ایک ماہ کیلئے دس روپے
**رفیقی:** - جریان، کثرت احتلام اور سرعت انزال کے لئے مفید ہے۔ قیمت پانچ روپے۔ **محبوبی:** - قوت مردانگی کے واسطے خاص چیز ہے۔ سو گولیاں قیمت دس روپے۔ (اس کے علاوہ ہر قسم کے امراض کا علاج یہاں ہوتا ہے)
**پتہ:** - حکیم ابو سعید عبید اللہ۔ اسلام نگر، ڈاکخانہ دربھنگہ۔ ضلع دربھنگہ (بہار)

بچی اپنی نازک آواز میں گا رہی ہے اور اب ہمدرد کے نونہال کا ایک چمچہ پینے کے بعد وہ دوبارہ کھیل میں لگ جائے گی۔ وہ ایک صحت مند اور طاقت ور بچی ہے۔

**نونہال گرائپ سیرپ:** دانت نکلنے کی تکلیف، قبض، اپھارہ، پیچش اور دستوں کو فوراً آرام پہنچاتا ہے۔

**نونہال بے بی ٹانک:** وٹامنوں سے بنا ہوا بہترین ٹانک ہے۔ بچوں کو طاقت دیتا ہے اور بیماریوں سے بچاتا ہے۔

# نونہال

کے استعمال سے بچے تندرست اور خوش وخرم رہتے ہیں

ہمدرد
دہلی۔ کانپور۔ پٹنہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

# رسائل و مسائل

## علم غیب، حاضر و ناظر اور سجود لغیر اللہ کے مسائل

سوال: تفہیم القرآن زیر مطالعہ ہے۔ شرک کے مسئلہ پر ذہن اُلجھ گیا ہے۔ براہِ کرم رہنمائی فرمائیں۔

تفہیم القرآن کے بغور مطالعہ سے یہ امر ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی مخصوص صفات میں عالم الغیب ہونا اور سمیع و بصیر ہونا (جس کے تحت ہمارے مروجہ الفاظ حاضر و ناظر بھی آجاتے ہیں) بھی شامل ہیں۔ خدا کے سوا کسی کو بھی ان صفات سے متصف سمجھنا شرک ہے اور حقوق میں سجدہ و رکوع وغیرہ بھی ذات باری سے مختص ہیں۔ شرک کو خداوند تعالیٰ نے جرم عظیم اور ناقابل معافی گناہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے جرم کا وہ خود کسی کو حکم نہیں دے سکتا۔ مگر فرشتوں کو آدمؑ کے لئے سجدہ کا حکم دیا۔ اسی طرح کوئی نبی نہ تو شرک کرتا ہے اور نہ کرواتا ہے۔ مگر حضرت یوسفؑ کے سامنے ان کے بھائیوں اور والدین نے سجدہ کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سجدہ غیر اللہ کے لئے شرک ہے تو مندرجہ بالا واقعات کی کیا توجیہہ ہوگی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ علم غیب اگر خداوند تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے تو یہ کسی بھی مخلوق میں نہ ہونی چاہئے۔ لیکن قرآن و حدیث اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ انبیاء و رسل کو علم غیب ہوتا ہے۔ پھر کسی مخلوق میں یا کسی فرد میں اس صفت کو ہم تسلیم کریں تو مرتکب شرک کیوں ہوتے ہیں اور اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کا علم دے رکھا تھا تو آخر اسے مشرک کیوں کہا جائے؟ جن لوگوں کے خلاف اسی بناء پر شرک کے ارتکاب کا فتویٰ لگایا جاتا ہے۔ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت علم غیب کو ذاتی یا نفسی نہیں کہتے، بلکہ خدا کی دین قرار دیتے ہیں۔ ان کا اور دوسرے علماء کا اگر اختلاف ہے تو صرف کم یا زیادہ پر ہے۔ جب مسئلہ کم و بیش کا ہی ہے تو پھر فتویٰ شرک کیوں؟

حاضر و ناظر کی صفت بھی خداوند تعالیٰ سے مختص قرار دی جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو یہ طاقت بخشی ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں انسانوں، حیوانوں، پرندوں، چرندوں اور جنوں کی روحوں کو قبض کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ حاضر و ناظر ہے اور حاضر و ناظر ہونا خدا کی مخصوص صفت ہے۔ یہاں اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرض کی انجام دہی کے لئے اپنی خاص صفت فرشتہ میں ودیعت کر رکھی ہے تو جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں صفت حاضر و ناظر کا ہونا اور خدا کی طرف عطا کیا جانا مانتے ہیں آخر انہیں مشرک کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: آپ نے شرک کے مسئلے میں اپنی جو الجھنیں بیان فرمائی ہیں وہ تفہیم القرآن کے مسلسل مطالعہ سے بآسانی رفع ہو سکتی ہیں۔ میرے لئے ایک خط میں ان کو تفصیلاً

رفع کرنا مشکل ہے۔ تاہم چونکہ "شرک" کا معاملہ بڑا ہی نازک اور خطرناک ہے اور میں نہیں چاہتا کہ آپ اس الجھن میں زیادہ دیر تک مبتلا رہیں۔ اس لئے اختصار کے ساتھ چند الفاظ میں آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرونگا۔

سب سے پہلے آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ سجدہ بجائے خود شرک نہیں ہے بلکہ شرک کی علامت ہے۔ اصل میں شرک تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک فی الذات یا فی الصفات یا فی الحقوق ٹھیرانا ہے۔ سجدہ اگر اس طرح کے کسی عقیدے کے ساتھ ہو تو شرک ہے ورنہ اس فعل سے چونکہ مشرکین کے ساتھ عملاً مشابہت ہوتی ہے اسلئے اسے بجائے خود شرک ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس مشابہت کی بنا پر ممنوع ٹھیرایا گیا ہے۔ تخلیق آدم کے وقت اللہ تعالٰے نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اسلئے فرشتوں نے جو کچھ کیا وہ اللہ عزوجل کے حکم صریح کی تعمیل میں تھا۔ بطور خود وہ آدم کو قابل پرستش یا قابل تعظیم سمجھ کر نہیں جھک گئے تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت یوسفؑ کے سامنے والدین اور بھائیوں نے جو سجدہ کیا وہ اُس رویائے صادق کی بنا پر تھا جو قرآن کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے خود دکھایا تھا جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے الہٰی اشارہ قرار دیا تھا (سورۃ یوسف آیات ۴ تا ۶) اور جس کو حضرت یوسفؑ نے بھی آخر کار اسی خواب کا مصداق ٹھیرایا (سورۃ یوسفؑ آیت ۱۰۰) اس لئے یہاں بھی جو کچھ ہوا اللہ کے حکم سے ہوا اور ظاہر ہے کہ جو کام اللہ کے حکم کی تعمیل میں کیا جائے وہ شرک نہیں ہو سکتا۔

اب اُس شخص کے معاملے کو لیجئے جو اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو معظم و مقدس سمجھ کر بطور خود اس کے آگے سجدہ بجالائے۔ کیا کسی دلیل سے اس فعل کو بھی غیر مشرکانہ کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہ استدلال صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اللہ نے پہلے دونوں معاملوں میں سجدۂ لغیر اللہ کو جائز رکھا ہے تو یہ فعل مطلقاً جائز ہے؟ یا یہ کہ ہم خدا کے حکم کے بغیر خود جسے چاہیں تعظیماً سجدہ کر سکتے ہیں؟ سورۃ کہف میں اللہ تعالیٰ اپنے ایک خاص بندے کے متعلق ہمیں بتاتا ہے کہ اُس نے فلاں فلاں مصالح کی بنا پر حکم خداوندی سے غریب مساکین کی کشتی عیب دار کردی اور ایک لڑکے کو قتل کر دیا۔ کیا اس سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ہم بھی مصلحت دیکھ کر جس کے مال کو چاہیں نقصان پہنچا دیں اور جسے چاہیں قتل کر دینے کے مجاز ہیں؟ جب اللہ اور اس کے رسولؐ نے نصوص شرعیہ کے ذریعے سے غیر اللہ کے لئے سجدے کو حرام کر دیا ہے اور دوسروں کی جان و مال میں تصرف کے لئے حدود مقرر کر دیئے ہیں تو کسی شخص کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خصوصی افعال کو نظیر قرار دے کر اور ان پر قیاس کر کے ان ممنوعات کو اپنے لئے مباح کر لے؟

علم غیب کے مسئلے میں یہ بات سب مانتے ہیں کہ کُلی و ذاتی علم غیب اللہ کے لئے مخصوص ہے اور اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا کہ اپنے علم غیب کا جو حصہ اور جتنا حصہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے دے سکتا ہے۔ یہ جزئی اور عطائی علم غیب اپنی نوعیت میں اُس کلی و ذاتی علم غیب سے بالکل مختلف چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے اور کسی بندے کے حق میں اس دوسری نوعیت کے علم غیب کا عقیدہ رکھنا کسی کے نزدیک بھی شرک نہیں ہے۔ دراصل خرابی جس مقام سے شروع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ عقیدت میں غلو کر کے دو ایسی باتیں ایجاد کر لیتے ہیں جو اصل اسلامی عقیدے سے متصادم ہوتی ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ اس عطائی علم غیب کو جزئی نہیں بلکہ کُلی بنا دیتے ہیں اور کسی بندے کے حق میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اُسی طرح جمیع ما کان و ما یکون کا عالم بنا دیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ہے۔ بظاہر یہاں جزئی و کلی کا فرق دور ہو جانے کے باوجود ذاتی اور عطائی کا فرق نظر آتا ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا

عقیدہ رکھنا شرک نہیں ہے، لیکن تھوڑا سا بھی آپ غور کریں تو آپ کو محسوس ہو جائے گا کہ اس طرح کا عقیدہ رکھنے میں کتنا عظیم خطرہ مضمر ہے۔ بالفرض اگر یہ جائز ہو کہ اللہ اپنی عطا سے کسی بندے کو اپنے ہی جیسا عالم الغیب والشہادۃ بنا دے تو آخر یہ کیوں نہ جائز ہو کہ وہ اسے اپنی ہی طرح قادر مطلق اور حیّ و قیوم اور خالق و رب بھی بنا دے۔ اس کے بعد خدا کی عطا سے کسی بندے کے خدا بن جانے میں آخر کیا رکاوٹ باقی رہ جاتی ہے۔ پھر کیا دو مساوی صفات و اختیارات رکھنے والے خداؤں کے درمیان صرف ذاتی اور عطائی کا فرق شرک سے بچانے کے لئے کافی ہوگا؟

دوسری زیادتی غالی حضرات یہ کرتے ہیں کہ اللہ کے عطیے کو خود بانٹنے کے مختار بن جاتے ہیں۔ یہ بتانا کہ عطا فرمانے والے نے کسی کو کیا عطا کیا ہے اور کیا نہیں کیا ہے۔ درحقیقت خود عطا فرمانے والے ہی کا کام ہے دوسرے کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ معطی کے اپنے بیان کے بغیر وہ بطور خود یہ فیصلہ کر دے کہ دینے والے نے کیا کچھ کسی کو عطا فرمایا ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں کہیں یہ فرمایا ہو کہ میں نے اپنے فلاں بندے کو جمیع ماکان وما یکون کا عالم بنا دیا ہے۔ یا اللہ کے رسول ؐ نے کسی صحیح حدیث میں اس کی صراحت کی ہو تو اس کا حوالہ دے دیا جائے ساری بحث ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر نہ کوئی آیت اس کی تصریح کرتی ہے نہ کوئی حدیث صحیح تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے اس عطیے کی خبر لوگوں تک آخر کس ذریعہ سے پہنچی ہے؟

اس مسئلے میں یہ بات خوب سمجھ لیجئے کہ عقائد اور خصوصاً عقیدۂ توحید کا معاملہ بڑا ہی نازک ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس پر کفر و ایمان اور فلاح و خسران کا مدار ہے۔ اس معاملہ میں یہ طرزِ عمل صحیح نہیں ہے کہ مختلف احتمالات رکھنے والی آیات اور احادیث میں سے ایک مطلب تجویز کر کے کوئی عقیدہ بنا لیا جائے اور اسے داخل ایمانیات کر دیا جائے۔ عقیدہ تو صاف اور صریح محکمات سے ماخوذ ہونا چاہئے۔ جن میں اللہ اور اس کے رسول ؐ نے ایک بات ماننے کی دعوت دی ہو اور یہ ثابت ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تبلیغ فرماتے تھے اور صحابۂ کرام ؓ و تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین اس پر اعتقاد رکھتے تھے۔ کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب والشہادہ ہونے یا جمیع ماکان وما یکون کے عالم ہونے کا عقیدہ یہ نوعیت رکھتا ہے۔ اگر یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا تو آخر آپ اپنے آپ کو اس خطرے میں کیوں ڈالیں

حاضر و ناظر کے معاملے میں آپ نے ملک الموت کی جو مثال پیش کی ہے اس میں کئی غلطیاں ہیں۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے اور نہ کسی حدیث صحیح میں یہ آیا ہے کہ ساری کائنات کا ملک الموت ایک ہی ہے۔ یہ بات بھی قرآن سے نہیں معلوم ہوتی کہ صرف ایک فرشتہ قبضِ ارواح کا کام کرتا ہے، بلکہ متعدد مقامات پر روح قبض کرنے والے فرشتوں کا ذکر بصیغۂ جمع آیا ہے۔ مثلاً:-

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ ۔ (النساء ـ ۹۷)

جن لوگوں کو ملائکہ نے اس حال وفات دی کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تھے اُن سے ملائکہ نے پوچھا تم یہ کس حال میں تھے۔

(۲) فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ (محمد ـ ۲۷)

پھر کیا بنے گی اُس وقت جب ملائکہ ان کو وفات دیں گے ان کے چہروں اور پیٹھوں کو پیٹتے ہوئے۔

(۳) اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ـ (النحل ـ ۲۸)

جن لوگوں کی روحیں ملائکہ اس حال میں قبض کرینگے کہ وہ پاکیزہ لوگ تھے اُنسے وہ کہینگے کہ سلامتی ہو تم پر۔

+ + + + +

(۴) حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْھُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَھُمْ قَالُوْٓا اَیْنَ مَا کُنْتُمْ

یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے ان کے پاس روحیں قبض کرنے کیلئے آئیں گے تو ان سے پوچھیں گے

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (الاعراف - ۳۷) | کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے تھے -

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑے ملک الموت کے تحت دوسرے مددگار فرشتے بھی ہیں جو روحیں قبض کرنے پر مامور ہیں - یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ابلیس ایک بڑا شیطان ہے اور اس کی ماتحتی میں بےشمار شیاطین ہیں جو دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں - ہر جگہ نہ ابلیس جاتا ہے نہ ملک الموت -

پھر خود اس زمین کی مخلوقات کے بارے میں بھی کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ تمام خشکی وتری اور ہوا کے جانداروں کا ملک الموت وہی ایک ہے جو انسانوں کی جان کے لئے مقرر ہے - قرآن میں تو صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ یتوفاکم ملك الموت (تمہاری روحیں ملک الموت قبض کرتا ہے) اس سے جو بات نکلتی ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اس زمین پر انسانوں کی روحیں قبض کرنے پر ایک فرشتہ مامور ہے - اگر بالفرض یہی ایک فرشتہ روئے زمین پر تمام مرنے والوں کی روحیں قبض کرتا ہے تب بھی یہ بہت ہی محدود پیمانے کی ایک طاقت ہے جو اللہ نے اپنے اس فرشتے کو عطا فرمائی ہے - اس کو آخر اللہ تعالیٰ کی اس لامحدود صفت سے کیا نسبت ہے کہ وہ ساری کائنات میں حاضر وناظر ہے؟ پھر مزید سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم آپ کیا اب قیاسات پر اپنے عقائد کی عمارت کھڑی کریں گے؟ ملک الموت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے خود بتایا ہے کہ ہم نے اسے انسانی روحیں قبض کرنے پر مامور کیا ہے اس پر زیادہ سے زیادہ جو تصور قائم کیا جاسکتا ہے وہ بس اسی قدر ہے کہ یہ فرشتہ بیک وقت روئے زمین کے ہر حصہ میں لاکھوں انسانوں کی روحیں قبض کرلیتا ہے - مگر کیا اس پر یہ قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں اور سب کچھ دیکھ رہے ہیں؟ ان دونوں باتوں میں آخر کیا مناسبت ہے کہ ایک کو دوسری پر قیاس کرلیا جائے - اور پھر قیاس بھی ایسا کہ وہ عقیدہ قرار پائے اور ایمانیات میں داخل ہو اور لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے اور نہ ماننے والوں کے ایمان میں نقص ثابت کیا جانے لگے - یہ عقیدہ اگر واقعی اسلامی عقائد میں شامل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اس کی تصریح فرماتا کہ میرے رسول ؐ کو حاضر وناظر تسلیم کرو حضور ؐ خود یہ دعویٰ فرماتے اور اسے ماننے کی دعوت دیتے کہ میں ہر جگہ موجود ہوں اور قیامت تک حاضر وناظر رہوں گا - صحابہ کرام ؓ اور سلف صالحین ؒ میں یہ عقیدہ عام طور پر شائع وذائع ہوتا اور عقائد اسلام کی کتابوں میں اسے ثبت کیا جاتا -

آپ نے بعض حضرات کو مشرک کہنے یا نہ کہنے کا جو ذکر فرمایا ہے اس کے بارے میں میری رائے شاید آپ کو معلوم نہیں ہے - میں ان مسائل میں ان کے خیالات کو تاویل کی غلطی سمجھتا ہوں اور اسے غلط کہنے میں تامل نہیں کرتا مگر مجھے اس بات سے اتفاق نہیں ہے کہ انھیں مشرک کہا جائے، اور مشرکین عرب سے تشبیہ دی جائے - میں ان کے بارے میں یہ گمان نہیں رکھتا کہ وہ شرک کو شرک جانتے ہوئے اس کے قائل ہوسکتے ہیں - مجھے یقین ہے کہ وہ توحید ہی کو اصل دین مانتے ہیں اور اسی پر اعتقاد رکھتے ہیں - اس لئے انھیں مشرک کہنا زیادتی ہے - البتہ انھوں نے بعض آیات اور احادیث کی تاویل کرنے میں سخت غلطی کی ہے اور میں یہی امید رکھتا ہوں کہ اگر ضد دلانے والی باتیں نہ کی جائیں بلکہ معقول طریقے سے دلیل کے ساتھ سمجھایا جائے تو وہ جان بوجھ کر کسی گمراہی پر اصرار نہ کریں گے -

(منقول از ترجمان القرآن - لاہور)

**بلاغ المبین** | حضرت شاہ ولی اللہ ؒ دہلوی کی ایک بیش بہا کتاب کا اردو ترجمہ - جو بدعت کے رد، سنت کے اثبات اور عقائد صحیحہ کی توضیح میں نہایت اعلیٰ ہے -
قیمت مجلد چار روپے
مکتبہ تجلی دیوبند (یو-پی)

از حکیم محمد عظیم زبیری امروہہ

# ذہنی کیفیت کا اثر صحت پر

انسان کے خیالات کا اثر صحت پر گہرا پڑتا ہے۔ اسکی ذہنی کیفیت براہ راست اسکی جسمانی کیفیت پر اثر انداز ہوتی ہے عام مشاہدہ ہے کہ خوشخبری انسان کے چہرہ کو شگفتہ اور تروتازہ بنا دیتی ہے اور بری خبر پژمردہ اور مضمحل۔ جو لوگ ہر وقت یہ کہتے رہتے ہیں کہ آج میری طبیعت اچھی نہیں ہے آج سستی اور کمزوری معلوم ہوتی ہے رات اچھی طرح نیند نہیں آئی۔ وہ کبھی کامل تندرستی حاصل نہیں کر سکتے خیالات میں بڑی طاقت ہوتی ہے اگر کوئی شخص ہر وقت اپنے آپ کو کسی بیماری میں مبتلا تصور کرے گا۔ تو وہ لازمی بیمار پڑ جائے گا۔ آپ کسی شخص سے خواہ نحیف ہو یا قوی، دبلا ہو یا موٹا اتنا کہہ دیں کہ حضرت! آپ کو دق کی بیماری ہو گئی ہے پھر دیکھئے کہ وہ کتنا بدحواس ہوتا ہے اگر کسی ڈاکٹر حکیم نے اسے یقین دلا دیا کہ دق نہیں ہے تو خیر ورنہ اگر دو چار نے اس کے دق میں مبتلا ہونے کی تصدیق کر دی تو، اتنی چند دنوں میں اسے دق (T.B) ہو جائیگی اور یہ اس کے ہر وقت کے خیال اور وہم کے سبب ہوگا۔

ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے دل میں صحت و تندرستی کا تصور بٹھائے اور ہر اس خیال کو جو بیماری کی طرف لے جائے دل سے دور کرنے کی کوشش کرے۔

میں اپنے پچیس سالہ تجربہ کی بنا پر یہ کہہ سکتی ہوں کہ ادویات کے مقابلہ میں بیماریوں پر مریض کی ذاتی جدوجہد اور خیال کا زبردست اثر پڑتا ہے ہر انسان کو اسی علاج کا سہارا لینا چاہیے جس طریقہ علاج پر اسکو کامل یقین ہو اور اسے وہ تمام رائج الوقت علاجوں میں بہتر سمجھتا ہو۔ علاوہ ازیں اس معالج کا علاج کرنا چاہیے جسکی حذاقت مرکبات اور خواص پر اس کو بھروسہ اور اعتقاد ہو۔ یاد رکھئے کسی بھی پیتھی کی دوا ہو وہ اسی حالت میں مفید نتائج پیدا کرے گی جب مریض خوش اعتقادی کے ساتھ استعمال کرے گا ورنہ بہتر دوائیں بھی بے اثر ثابت ہوں گی۔ اس نفسیاتی حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔

محترم ناظرین سے گزارش ہے کہ اگر آپ خدانخواستہ کسی بیماری کا شکار ہیں یا متعلقین میں سے کوئی علیل چلا جاتا ہے تو آپ متفکر اور پریشان نہ ہوں گھبراہٹ اور تلون مزاجی۔ عجلت پسندی سے مرض میں اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں آپ ہمارے یہاں سے مردانہ و زنانہ نہایت کار آمد لٹریچر مفت منگا کر مطالعہ کریں یہ بازاری قسم کا لٹریچر نہیں ہے یہ آپ کو صحت مند زندگی گزارنے اور بیماریوں سے چھٹکارا پانے کی صحیح راہ دکھائے گا۔ ہر قسم کے مرض میں مشورہ بلا فیس حاصل کر سکتے ہیں لیکن جواب کے لئے پتہ لکھا لفافہ یا ٹکٹ رکھنا نہ بھولئے۔

آپ کے مرض کا دورہ ہونا معالج کی غلط تشخیص کا نتیجہ ہو یا آپ کے جلد جلد معالج بدلنے کا یا مرض کی ایسی پیچیدگیوں کا جن پر آپ کا اور معالج کا کوئی بس نہ تھا ہر حال میں مایوس اور دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ دل کو قوی رکھو۔ بیماری کا بھوت اپنے دل و دماغ پر نہ بٹھاؤ۔ مرض کا نہایت دلیری سے مقابلہ کرو محض دوائیوں کے ذریعہ نہیں قوت باطنی سے بھی۔ آپ کا یہ عزم اور ارادہ قوی ہونا چاہیے کہ مجھے صحت مند ہونا ہے اور تندرست بن کر زندگی گزارنا ہے تو یقیناً آپ جلد مرض سے نجات حاصل کر لیں گے ہر قسم کے جذبات پر پورا پورا کنٹرول ہونا صحت مند زندگی کے لئے ضروری ہے۔

**دل کی طمانیت اور خیالات کی پاکیزگی صحت پر اچھا اثر ڈالتی ہے**

آٹھ سو سال پہلے
کی ایک عظیم تالیف جو ذکاوت و فراست سے بھرپور تاریخی حالات واقعات اور لطائف و حکایات پر مشتمل ہے۔ قابل دید ہے۔

# لطائف علمیہ
ترجمہ اردو
## کتاب الاذکیاء

وہ عظیم محدث و واعظ
جس کے ہاتھ پر بیس ہزار یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے توبہ کی یعنی علامہ ابن الجوزیؒ۔

مؤلفہ: شہرۂ آفاق محدث و فقیہ، ادیب و خطیب علامہ ابن الجوزی بغدادی

اس کتاب کے مصنف چھٹی صدی ہجری کے جلیل القدر محدث، فقیہ، علامہ امام ابن الجوزی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کے بلند علمی مقام اور تبحر و تفقہ سے دینی و علمی حلقے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کے تعارف میں عوام کو اتنا ہی بتانا کافی ہوگا کہ آپ کے ہاتھ پر بیس ہزار یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے توبہ کی۔ حدیث سے متعلق آپ کے حسن تعلق اور شغف کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جن قلموں سے آپ احادیث لکھتے تھے ان کے تراشے محفوظ رکھتے تھے۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے غسل میت کا پانی ان ہی تراشوں سے گرم کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تراشوں کا ایک ذخیرہ پھر بھی باقی بچ گیا۔ ایسے عالی مقام مصنف کی تصانیف جس قدر اعلیٰ و ارفع ہو سکتی ہیں ظاہر ہے۔ مختلف علوم میں آپ کی تین سو چالیس تصانیف ہیں مجلدات کی کل تعداد دو ہزار ہے۔

## اس کتاب میں

سات سو ایسے قصص و لطائف مذکور ہیں جس میں ہر ایک ذکاوت یا حاضر جوابی یا نکتہ رسی یا دانشمندانہ مزاح یا ایسے ہی کسی کارنامۂ عقل و فراست کا آئینہ دار ہے۔ یہ کتاب چھتیس ابواب پر مشتمل ہے جن میں عقل و فراست کے فضائل و مناقب اور فہم و ذکاوت کی علامات کے علاوہ انبیاء، صحابہ، علماء و مشائخ، فقہاء و ادباء، عباد و زہاد، رؤساء و غرباء، عوام و خواص غرض سب ہی کے متعلق دلچسپ قصص ہیں۔ بادشاہوں، وزیروں، امیروں حتیٰ کہ چوپایوں تک کی ذکاوت کے حالات دلپذیر انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اصل کتاب عربی میں تھی اور عبارات نہایت دقیق تھیں۔ فاضل مترجم حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے بڑی محنت و جانفشانی سے اس ادق کتاب کو نہ صرف اردو لباس پہنایا بلکہ بہت سے مفید اضافے بھی کیے۔ بات کو سمجھنے کے لیے عربی محاوروں کی توضیح اور تاریخی واقعات کی ضروری وضاحت کے علاوہ جہاں اختصار کے باعث مطلب سمجھنا مشکل تھا وہاں عبارت بڑھا دی گئی جن حکایتوں میں کوئی خاص نکتہ ذرا چھپا ہوا تھا توسین میں اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض افادیت کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس کا پیش لفظ تحریر فرمایا ہے۔ ہم ناظرین سے اس کتاب کے مطالعہ کی پرزور اپیل کرتے ہیں۔

ضخامت: چار سو اسی صفحات۔ قیمت: مجلد مع خوشنما گرد پوش صرف پانچ روپے۔

**MAKTABA TAJALLI**
**DEOBAND, U. P.**

ہر قسم کی عربی فارسی اردو کتب نیز قاعدے پارے
قرآن مجید حمائلیں معری و مترجم ارزاں ملنے کا پتہ

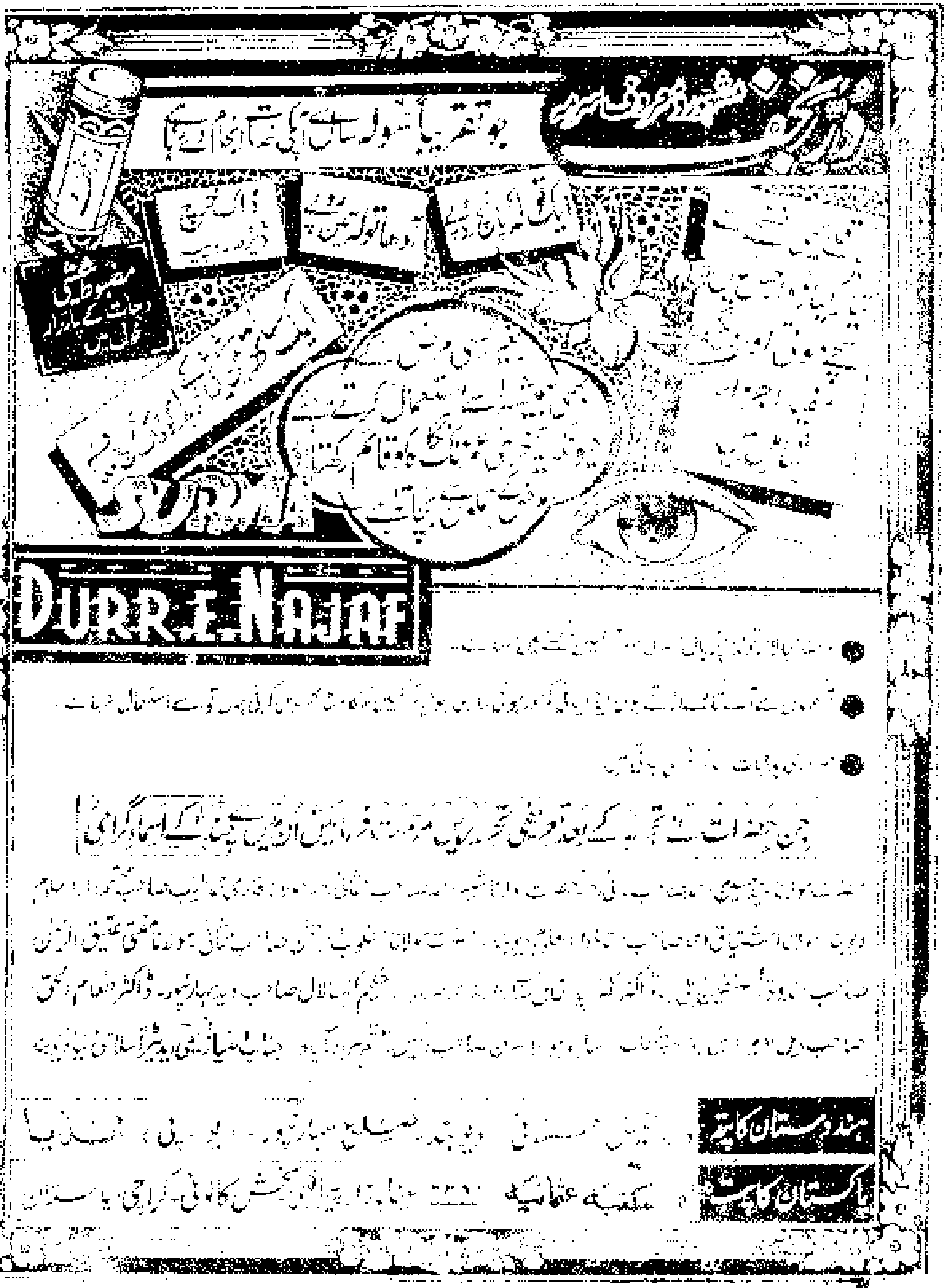
SURMA
DURR.E.NAJAF
ہندوستان کا پتہ
پاکستان کا پتہ